شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی صاحب عثمانی اور شیخ المشائخ حضرت مفتی احمد صاحب
خانپوری دامت برکاتہما اور دیگر علمائے کرام کے ساتھ ہوئے ایک سفر کی کارگزاری

دیکھی ہوئی دنیا

جلد چہارم

مقدونیا — البانیا — مونٹی نیگرو — بوسنیا

اور

طائف کا سفرنامہ

مفتی محمود بن مولانا سلیمان حافظ جی بارڈولی

استاذ تفسیر و حدیث: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، گجرات، انڈیا

ناشر

مسلم ویلفیئر انسٹی ٹیوٹ بلیک برن

www.mwinstitute.co.uk

شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی صاحب عثمانی اور شیخ المشائخ حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہما اور دیگر علمائے کرام کے ساتھ ہوئے ایک سفر کی کارگزاری

دیکھی ہوئی دنیا

جلد چہارم

مقدونیا	البانیا	مونٹی نیگرو	بوسنیا
اور طائف کا سفرنامہ			

مفتی محمود بن مولانا سلیمان حافظ جی بارڈولی

استاذِ تفسیر وحدیث: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، گجرات، انڈیا

ناشر

مسلم ویلفیئر انسٹی ٹیوٹ بلیک برن

WWW.mwinstitute.co.uk

تفصیلات

نام کتاب:.....................دیکھی ہوئی دنیا (جلد چہارم)

مرتب:..................مفتی محمود صاحب بارڈولی دامت برکاتہم

سفر کا پروگرام ترتیب دینے والے..............حضرت مولانا حنیف دودھ والا

ناشر:.....................مسلم ویلفئیر انسٹی ٹیوٹ بلیک برن

صفحات:..............................۲۷۲

طبعِ اول.................................سنہ ۲۰۱۹ء

www.nooranimakatib.com

ملنے کے پتے

مولانا یوسف صاحب بھانا، محمود نگر، ڈابھیل:9558174772

Email id: yusuf_bhana@hotmail.com

ادارۃ الصدیق ڈابھیل، گجرات۔99048,86188 \ 99133,19190

جامعہ دارالاحسان، بارڈولی، سورت، گجرات۔جامعہ دارالاحسان، نواپور، نندوربار، مہاراشٹر
حضرت مولانا حنیف صاحب دودھ والا، بلیک برن، یوکے:00447713007746

مسلم ویلفئیر انسٹی ٹیوٹ بلیک برن01254694015_07713007746

فہرستِ مضامین

بلقان ریاستوں کا سفر

از: شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم

آں حضرت ﷺ کا سفرِ طائف اور طائف کی کارگزاری

پیش خدمت

حسبِ عادت اپنی اس کارگزاری والی کتاب کی چوتھی جلد کا مکمل ثواب مندرجۂ ذیل حضرات کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں:

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاح دامت برکاتہم۔

شیخ الحدیث حضرت اقدس مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم۔

حضرت مولانا ابراہیم صاحب پانڈور دامت برکاتہم۔

حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب، اور حضرت مولانا مفتی یوسف ابن شیخ شبیر صاحب۔

حضرت مولانا حنیف صاحب دودھ والا اور ان کی تنظیم کے تمام رفقا و معاونین، خاص کر کے ہمارے اس سفر کے لیے جن حضرات کا مالی تعاون رہا۔

بفضل اللہ! ان حضرات کی دعاؤں، توجہات اور فکروں سے اس دینی و دعوتی سفر کی ہمیں سعادت حاصل ہوئی اور کارگزاری شائع کرنے کا موقع حاصل ہو رہا ہے۔

❁❁❁

کلماتِ بابرکت

از استاذی، مشفقی ومرشدی: حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

(شیخ الحدیث وسرپرست دارالافتاء: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل۔سملک)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی الہ وأصحابہ أجمعین، أما بعد!

پچھلے چند سالوں سے رمضان المبارک کے بعد ہمارا برطانیہ کا سفر ہوتا ہے، حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب اوران کے رفقا کی طرف سے دعوت رہتی ہے اور چندروزہ قیام میں مختلف جگہوں پر حاضری دے کر لوگوں سے ملاقات، افادہ واستفادہ کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

اِس سال شوال ۱۴۳۹ھ میں پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق جب ہم وہاں گئے تو اپنے اسی سفر میں معلوم ہوا کہ حضرت مولانا محمد حنیف صاحب دودھ والا ۔جو حضرت مولانا قاری اسماعیل صاحب سمنی رحمہم اللہ کے داماد ہوتے ہیں۔ان کی تنظیم ۔مسلم ویلفیئر انسٹی ٹیوٹ، بلیک برن۔کی طرف سے بلقان کی ریاستوں: البانیا، مقدونیا، مونٹی نیگرو، اور بوسنیا وغیرہ کا بھی ہمارا سفر ہے؛ لہذا یو۔کے(UK) جانے کے بعد دو تین دن کے بعد ہی ہمیں وہاں کے لیے روانہ ہونا ہے۔

چنانچہ اسی پروگرام کے مطابق ہم وہاں سے نکلے اور مولانا حنیف صاحب اور ان کے بہت سارے رفقائے کار۔جو ان کی تنظیم میں ان کے معاون اور کام میں

شریک بھی ہیں۔ان کا بھی ایک بڑا قافلہ تھا، پہلے سے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم کو بھی دعوت دے کر اس سفر میں تشریف آوری کے لیے انھوں نے راضی کرلیا تھا کہ وہ براہِ راست مقدونیا پہنچ جائیں گے۔

بہر حال! ہمارا یہ قافلہ وہاں سے روانہ ہوا اور ہم مقدونیا پہنچے، پھر وہاں سے ہمارا سفر باقی ممالک کے اندر ہوا۔

میں تو سفرنامے لکھنے سے قاصر ہوں؛ مگر ہمارے رفیقِ سفر، عزیزِ گرامی مولانا مفتی محمود صاحب بارڈولوی۔زید مجدہ و حفظہ اللہ۔اس میں مستعد ہیں، وہ سفر سے واپسی کے بعد اپنے بیانات اور مجالس میں بھی سفر کے حالات کو بیان کرتے رہتے ہیں اور اس کو تحریری جامہ پہنا کر دائمی شکل بھی عطا کر دیتے ہیں، اس سے پہلے ''بخارا، سمرقند، اسپین، ترکی، فلسطین، مصر وغیرہ'' کی کارگزاری تین جلدوں میں اردو اور گجراتی زبان میں شائع ہوچکی ہے۔

اِس سے پہلے بھی مفتی صاحب موصوف مختلف اسفار میں ہمارے رفیقِ سفر رہتے رہے ہیں، اس سفر میں بھی تھے اور انھوں نے اگلے اسفار کی طرح اس سفر کی بھی کارگزاری اپنے انداز سے تیار کی ہے، جس کو مولانا محمد حنیف صاحب اپنے ادارے ۔مسلم ویلفیئر انسٹی ٹیوٹ، بلیک برن۔کی طرف سے شائع کرنے جا رہے ہیں، اس طرح مختلف اسفار کی کارگزاریوں کی یہ چوتھی جلد ہے۔

یہ دل چسپ کارگزاری آپ پڑھیے! ان شاء اللہ! آپ کو اس سے بہت ساری معلومات حاصل ہوں گی اور بلقان ریاستوں میں اس وقت کیا صورتِ حال ہے، وہاں

کے باشندے اور مسلمان کن حالات سے گزر رہے ہیں اس کا بھی اِس سفر نامے سے آپ کو اندازہ ہوگا۔

اِس موقع پر میں دونوں حضرات کی خدمت میں مبارک باد پیش کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ اس سفر نامہ سے پڑھنے والوں کو ان شاء اللہ! اس موضوع سے متعلق مفید اور کارآمد معلومات حاصل ہوں گی، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو خیر اور بھلائی کا ذریعہ بنائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

املاءہ: (مفتی) احمد خانپوری (صاحب)

مؤرخہ: ۲۵/رجب ۱۴۴۰ھ

❁❁❁

سفر اور سفر نامہ کا پس منظر

از: فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا مفتی یوسف ابن شیخ شبیر صاحب

(استاذِ حدیث: جامعۃ العلم والھدی، بلیک برن)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، امابعد!

گذشتہ سال ماہِ شوال میں حق تعالیٰ شانہ نے اکابر علما کی ایک جماعت کی رفاقت میں بلقان کے چار ممالک کی زیارت کی توفیق عطا فرمائی، جن میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب، والدِ محترم حضرت مفتی شبیر احمد صاحب، حضرت مولانا ابراہیم پانڈور صاحب، مفتی محمود بارڈولی صاحب، مفتی عبدالصمد صاحب منوبری سرِ فہرست ہے۔

بندہ کی ایک مدت سے تمنا تھی کہ ان ممالک کا سفر کیا جائے؛ تاکہ وہاں کے لوگوں کے احوال معلوم ہوسکے، یہ ممالک ایک زمانے میں سلطنتِ عثمانیہ کے زیرِ ریاست تھے، پھر شیوعیت (Communism) کا ایک ایسا ظالمانہ وتاریک دور آیا کہ ایک مدتِ طویلہ تک دینِ اسلام پر سخت پابندی لگائی گئی اور اسلام کو مٹانے کی ہر کوشش کی گئی، پھر اس کے بعد بحمدہ تعالیٰ ان ریاستوں کو آزادی ملی جس کی وجہ سے دینی تنظیموں کے لیے کام کرنا نسبۃً آسان ہوگیا۔

ان احوال کے پیشِ نظر بلیک برن شہر کے کچھ اہلِ علم احباب: مولانا یوسف حجات، مولانا حنیف دودھ والا، مولانا رفیق صوفی اور ان کے رفقا نے مل کر ایک تنظیم

مسلم ویلفیئر انسٹی ٹیوٹ تشکیل دے کر البانیا میں کام شروع کیا، یہ کام ۱۹۹۳ء میں بفضلہٖ تعالیٰ شروع ہوا اور گذشتہ پچیس سال سے یہ تنظیم مختلف تعلیمی، رفاہی خدمات انجام دے رہی ہے، ان احباب کا بھی ایک عرصے سے اصرار تھا کہ البانیا کا سفر کیا جائے۔

بہر کیف! شوال ۱۴۳۹ھ میں تنظیم نے ایک سفر کا پروگرام طے کیا جس میں علمائے کرام اور کچھ تاجر حضرات نے مقدونیا، البانیا، مونٹی نیگرو، اور بوسنیا کا دورہ کیا، البانیا اور مقدونیا میں تنظیم کی خدمات دیکھنے کا موقع ملا، بڑا روحانی وعلمی سفر رہا، راقم السطور کو شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی رفاقت اور ان کے ساتھ گاڑی میں سفر کی سعادت حاصل ہوئی، آپ کی تواضع وانکساری، فراست وبصیرت اور ساتھ ہی ساتھ آپ کی خوش مزاجی اور للاہیت کا ذاتی تجربہ وہوا، آپ کے علمی دریا سے استفادہ کا موقع بھی ملا، ان ممالک میں اسلامی تنظیموں اور مقامی علمائے کرام سے ملنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی، اس پورے سفر کی تفصیل بندے نے اپنے انگریزی سفر نامہ میں درج کی ہے جو اس ویب سائٹ پر (WWW.islamicportal.co.uk) موجود ہے اور تنظیم کی جانب سے کتابی شکل میں زیرِ طبع ہے۔

اب ہمارے محترم ومکرم مفتی محمود بارڈولی صاحب نے اس سفر کی مفصل روئیداد اردو اور گجراتی میں جمع کی ہے، حق تعالیٰ شانہ اس کتاب کو شرفِ قبول عطا فرمائے، رشد وہدایت کا ذریعہ بنائے، امتِ مسلمہ کو بلقان کے مسلمانوں کی طرف توجہ دینے کا ذریعہ بنائے، مؤلف کو دارین میں بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

اس سفر کے تقریباً دو مہینے بعد بندے نے بوسنیا کا ایک مستقل سفر ''امہ ویلفئر

ٹرسٹ'' کے ذمے دار مولانا محمد سیدات صاحب (بولٹن، یو کے) کے ساتھ کیا جو پچھلے سفر میں صرف البانیا اور مقدونیا تشریف لائے تھے۔

امہ ویلفئر ٹرست برطانیہ میں ایک بہت بڑا رفاہی ادارہ ہے جو دنیا کے پچیس ممالک میں مختلف رفاہی، تعلیمی، طبی، اقتصادی و دینی خدمات انجام دے رہی ہے، ان کا سالانہ خرچ تقریباً تیس ملین پاؤنڈ ہے۔

اس سفر میں بوسنیا کے مسلمانوں کے احوال مزید معلوم ہوئے، اور کچھ مزید شہروں کو دیکھنے کا موقع بھی ملا، ماضی قریب میں جن حالات سے ہمارے بوسنوی مسلم بھائی کا گزر ہوا ہے انھیں بوسنیا دیکھے بغیر سمجھا نہیں جا سکتا، اس سفر کی روئیداد بھی آن لائن موجود ہے، اور، مسلم ویلفئر انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے کتابی شکل میں زیرِ طبع بھی ہے، بحمدہ تعالیٰ امہ ویلفئر ٹرسٹ نے اس کے بعد کچھ تعلیمی و رفاہی کام شروع کیا ہوا ہے جب کہ مسلم ویلفئر انسٹی ٹیوٹ کے پروگرام البانیا اور مقدونیا میں جاری ہے، یہی اس پورے علاقے کی سب سے اہم ضرورت ہے کہ مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کی جائے اور دینی علوم کی نشر واشاعت کی جائے۔

حق تعالیٰ شانہ امتِ مسلمہ کی حفاظت فرمائے، بلقان کے مسلمانوں کو ہر خیر و برکت سے مالا مال فرمائے، ان کی اور ان کے نسلوں کے ایمان کی حفاظت فرمائے، آمین۔

بندہ: یوسف شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۷/شعبان ۱۴۴۰ھ

دیکھی ہوئی دنیا کی تیسری جلد کے متعلق تأثرات

از: حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم
بانی وناظم: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد
سیکریٹری: آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

یوں تو انسان پیدائش سے موت تک سفر میں ہے اور قبر سے گزرتے ہوئے آخرت کی منزل کی طرف رواں دواں ہے؛ لیکن اس دنیائے بے ثبات میں بھی اپنی اپنی حیثیت اور ضرورت کے مطابق وہ ڈھیر سارے سفر کرتا ہے، ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک، یہ سفر کبھی طلبِ معاش کے لیے ہوتا ہے، قرآن نے بھی اس نوعیت کے سفر کا ذکر فرمایا ہے۔ (قریش:۲)

کبھی سیر وسیاحت کے مقصد سے ہوتا ہے؛ چنانچہ قرآن نے نگاہِ عبرت کھول کر سیر وسیاحت کی تلقین کی ہے: ﴿قل سیروا فی الارض﴾ (انعام:۱۱)

سفر دین و ایمان کی حفاظت کے لیے بھی ہوتا ہے جس کو اصطلاح میں ''ہجرت'' کہتے ہیں، قرآنِ مجید میں جن انبیاء علیہم السلام کا ذکر آیا، قریب قریب ان سبھوں کو ہجرت کے مرحلے سے گزرنا پڑا، اور خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کے ساتھ ہجرت فرمائی۔

سفر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور تقرب کے لیے بھی ہوتا ہے، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا سفر تو اس کا جلی عنوان ہے ہی؛ لیکن تیسری جگہ جس کے لیے آپ ﷺ نے شدِّ رحال کی ترغیب دی ہے وہ بیت المقدس ہے۔ (بخاری: حدیث نمبر:۱۱۳۲)

ایسے ہی باعثِ اجر وثواب اسفار میں انبیائے کرام علیہم السلام، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین کی قبروں کی زیارت بھی ہے؛ بشرطیکہ یہ بدعت اور خلافِ شرع باتوں سے بچتے ہوئے ہو۔

حالاتِ سفر کو اگر تحریر میں لے آیا جائے تو اس میں عبرت وموعظت کے بہت سے نکات جمع ہوجاتے ہیں؛ اسی لیے قرآن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے سفر کی دل چسپ تفصیلات ذکر کی ہیں، حدیث میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سفرِ معراج کا پورا واقعہ نقل ہوا ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ ہجرت کو سیرت نگاروں نے خاص کر ابن ہشام نے بڑے مؤثر انداز میں بیان کیا ہے، اور بعد کے ادوار میں تو سفر نامے لکھنے کا عام رواج ہوگیا، ابن بطوطہ، اور ابن شہر یار وغیرہ کو اپنے سفر ناموں ہی سے شہرت حاصل ہوئی۔

اردو زبان میں بھی بہت سے خوب صورت اور معلومات سے بھرپور سفر نامے شائع ہوئے ہیں، یہاں تک کہ اردو ادب میں اس کو ایک مستقل صنف مانا گیا ہے، اگر سفر نامے لکھنے والوں کی فہرست بنائی جائے تو ایک مستقل رسالہ تیار ہوجائے گا۔

سفر نامے لکھنے کی روایت ادبی حلقوں میں بھی رہی ہے اور دینی حلقوں میں بھی؛ چنانچہ برِ صغیر کے بڑے علما: علامہ شبلی نعمانیؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا عبد الماجد دریابادیؒ، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، اور موجودہ دور کے اہلِ علم میں مولانا محمد تقی عثمانی کے سفر نامے خاصے مقبول ہیں، اور یہ صرف مسافر کی سرگزشت نہیں ہے؛ بلکہ تاریخی اور اصلاحی پہلو سے بھی ڈھیر ساری معلومات کا خزینہ ہیں۔

سفر نامے عام طور پر بہت دل چسپی سے پڑھے جاتے ہیں؛ کیوں کہ وہ لکھنے والے کی جگ بیتی نہیں ہوتی، آپ بیتی ہوتی ہے، اور جب انسان اپنی سرگزشت لکھتا ہے تو اس کے الفاظ میں اس کے جذبات واحساسات کی خوشبو بھی رچی بسی ہوتی ہے، اور وہ قاری کو متأثر کرتی ہے۔

بحمد اللہ! ایسے ہی سفر ناموں میں ایک محبی فی اللہ حضرت مولانا محمود بارڈولی استاذِ حدیث: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کا سفر نامہ بھی ہے جو ''دیکھی ہوئی دنیا'' کے نام سے طبع ہوا ہے، یہ اردن، فلسطین، اور مصر کی رودادِ سفر ہے، جس میں اہلِ علم اور اہلِ دین کا ایک پورا قافلہ مصنف کے ہم رکاب تھا۔

مصنف گرامی نے جس وقت یہ کتاب مجھے دی اس وقت تو میں جہاں تہاں اچٹتی ہوئی نظر ڈالی اور اپنی عدیم الفرصتی کی وجہ سے دو چار صفحات بھی نہیں پڑھ پایا؛ لیکن حسنِ اتفاق کہ گزشتہ دنوں خود مجھے اسی طرح ایک قافلے کے ساتھ قریب قریب ان ہی مقامات کے سفر کا موقع ملا تو میں نے اس پوری کتاب کو پڑھ ڈالا، اور مجھ سے تو شاید بعض حصے چھوٹ بھی گئے ہوں؛ لیکن میری اہلیہ جو اس قافلے میں شامل تھیں انھوں نے تو حرف بحرف پوری کتاب پڑھی اور اس سے بڑی رہنمائی ملی؛ اگر چہ ہر جگہ گائیڈ موجود تھا؛ لیکن میں اسی کتاب کو اپنے لیے گائیڈ بنایا۔

اس میں تاریخی معلومات بھی ہیں، منظر کشی بھی ہے، عبرت وموعظت کے پھول بھی ہیں، تجربات کا ذخیرہ بھی ہے، جس سے ایک مسافر کو مدد ملتی ہے اور ہر جگہ قرآن وحدیث کا عطر کشید کرنے کی بھر پور اور کامیاب کوشش کی گئی ہے۔

ماشاءاللہ! مؤلف موفق آدمی ہیں، ان کی متعدد کتابیں طبع ہوکر قبولیتِ خاص و عام سے سرفراز ہوئی ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں بہترین اجر عطا فرمائے، اِس کتاب کو امت کے لیے نافع بنائے اور خود ان کے لیے ذخیرۂ آخرت کرے، ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم.

(حضرت مولانا) خالد سیف اللہ رحمانی (دامت برکاتہم)

ناظم: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

۷/رجب المرجب ۱۴۴۰ھ

مطابق: ۱۵/مارچ ۲۰۱۹ء

❁❁❁

پیش لفظ

کتاب پڑھنے سے پہلے

الحمد لله و کفی و سلام علی عباده الذین اصطفی، اما بعد!

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ۲۰۰۰ء کے بالکل شروع میں انگلینڈ کا سب سے پہلا سفر ہوا، پھر اس کے بعد تو انگلینڈ مستقل سفر گاہ بھی ہوا اور گزرگاہ بھی ہو گیا، برِ اعظم امریکا اور جزائرِ ویسٹنڈ یز کے مختلف اسفار کے موقع پر جاتے یا آتے ہوئے کبھی ایک دن، دو دن یا آدھے دن کے لیے ٹھہرنے کا اتفاق ہوتا رہتا ہے۔

پہلے ہمارے جامعہ ڈابھیل کے فاضل: حضرت مولانا عثمان آدم صاحب جب مسجدِ قوت الاسلام (اپٹن لین) سے متعلق تھے تو ان کی دعوت پر میرے مشفق اور محسن شیخ الحدیث حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کے ایما پر رمضان میں ایک ایک عشرے کے لیے لندن جانا ہوتا، ساتھ میں دیگر مقامات کو بھی شامل کرلیا جاتا، پھر حضرت دامت برکاتہم کی معیت میں غیرِ رمضان میں شعبان، شوال مختلف مواقع پر دینی، اصلاحی، دعوتی اسفار کا سلسلہ شروع ہوا۔

بعد میں رفیقِ درس قاری ذاکر صاحب عالی پوری (استاذِ تجوید وقرأت دار العلوم بری) کی وساطت سے حضرت مفتی عبد الحمید صاحب کی دعوت پر برطانیہ کے اسفار کا سلسلہ شروع ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مفتی عبد الحمید صاحب نے پورے برطانیہ میں اسکول کے قیام اور چلانے کا ایک انوکھا کارنامہ انجام دیا ہے، توحید الاسلام اور اس طرح کے نام سے برطانیہ میں پچیس (۲۵) اسکولیں آپ کی زیرِ توجہ ہیں۔

۲۰۱۰ء میں مسجد توحید الاسلام بلیک برن کے افتتاح کے موقع پر حضرت دامت برکاتہم اور بندہ محمود کوان کی دعوت پر پہلی مرتبہ حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، حضرت دامت برکاتہم کے پُرمغز مواعظ ہوئے اور مسجد کے امام شیخ سہیل صاحب کے حکم پر نئی مسجد میں خطبۂ جمعہ اور پہلی نماز پڑھانے کی بندے کو سعادت حاصل ہوئی۔

پھر ۲۰۱۲ء سے ہر سال رمضان کے بعد شروع شوال میں مفتی عبد الحمید صاحب کی دعوت پر حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم اور حضرت مولانا ابراہیم صاحب پانڈور دامت برکاتہم کی معیت میں برطانیہ کے سفر کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ ۲۰۱۶ء سے حضرت قاری عبد الحنان صاحب کی مصاحبت نے سفر کو پُرلطف اور پُرراحت بنادیا۔

اس پورے پروگرام کے نظم میں حضرت مفتی یوسف ابن شیخ شبیر بھی برابر شامل ہوتے ہیں اوران کی ہر طرح کی رہنمائی اور قیادت میں سفر میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔

سالِ گذشتہ شوال ۲۰۱۹ء میں برطانیہ کے ساتھ بلقان کے ملکوں کی بھی دینی و دعوتی سفر کی سعادت حاصل ہوئی، حضرت مولانا حنیف صاحب دودھ والا اوران کی تنظیم والوں کی چاہت اوران کی دعوت پر مقدونیا، البانیا، مونٹی نیگرو اور بوسنیا چار ملکوں کا دینی سفر ہوا، اس سفر کی ایک عجیب خوبی یہ تھی کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم بھی سفر میں تشریف لائے، اور حضرت مفتی محمد تقی صاحب اور حضرت مفتی احمد صاحب کی برکت سے ایک بہت بڑا قافلہ تیار ہوگیا اور برطانیہ سے ان ملکوں کی حاضری ہوئی اور وہاں سے بھارت واپسی ہوئی۔

حسبِ معمول سفر سے واپسی پر رفقا نے کارگزاری کے بیان کے سلسلے میں اصرار کیا اور سورت کی چوڈ گر مسجد اور دیگر مقامات پر کارگزاری کی مجلس ہوئی، اس بیان کو لکھا گیا اور اس میں بہت سارے اضافوں کے ساتھ اس کو کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔

تقریباً ۲۰۰۵ء یا ۲۰۰۶ء میں سفرِ حج کے ساتھ طائف کا بھی سفر ہوا تھا، اس کی بھی کارگزاری اس چوتھی جلد میں شامل کر لی گئی ہے۔

اس چوتھی جلد کی طباعت کے جمیع اخراجات حضرت مولانا حنیف صاحب دودھ والا کی تنظیم کی طرف سے ادا کیے جا رہے ہیں، فجزاہم اللہ خیرا احسن الجزاء۔

چوں کہ البانیا کے سفر کے تقریباً دس ماہ گزرنے کے بعد اس کارگزاری کو طباعت کے لیے بھیجا جا رہا ہے اس لیے بہت حد تک یہ احتمال ہے کہ کوئی اہم واقعہ یا کسی کا تذکرہ چھوٹ گیا ہو؛ لہذا اس سلسلے میں معذرت خواہ ہوں؛ اگر چہ سفر کے دوران جمیع رفقا سے درخواست کی گئی تھی کہ اپنا تعارف لکھ کر عنایت فرما دیں تو اس کو شامل کر لیا جائے؛ لیکن اس درخواست پر کما حقہ توجہ نہیں کی گئی اس لیے یہ کام نہ ہو سکا۔

اس سفر میں چوں کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم العالیہ کی معیت اور صحبت کی سعادت حاصل رہی اور حضرت مفتی صاحب سفر نامہ لکھنے میں اس دور کے امام الفن ہیں، حضرت مفتی صاحب نے سفر کی کارگزاری جو البلاغ رسالے میں شائع کی تھی اس کو بھی ہم اس کتاب میں شامل کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں؛ تاکہ حضرت والا کی اس تحریر کی برکت سے ہماری تحریر بھی اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہو جائے، تنظیم کے ذمے دار اور ہمارے سفر کے ناظم اور روحِ رواں

حضرت مولانا حنیف صاحب دودھ والا مدظلہ العالی کا بھی مشورہ تھا اور ہماری بھی دلی چاہت تھی لہذا اہم اپنی سعادت سمجھتے ہوئے حضرت مفتی صاحب کی کارگزاری کو ان کی اجازت کے ساتھ بعینہ شامل کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ صحت و عافیت کے ساتھ حضرت مفتی صاحب کے سایۂ عاطفت کو ہم پر تادیر قائم فرمائے، آمین۔

اسی طرح حضرت مولانا محمد ابن شیخ آدم نے بھی انگریزی میں سفرنامہ تیار کیا تھا اس کا خلاصہ بھی اس میں شامل کیا گیا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان اسفار اور کارگزاریوں کو اپنی رضا کا ذریعہ بنائے، اور اس کارِ خیر میں جس نے بھی جس لائن سے حصہ لیا اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے فضل وکرم سے جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

بندہ: محمود بارڈولی عفی عنہ
جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل
مؤرخہ: ۳۰ر شعبان ۱۴۴۰ھ۔ ۶ر مئی ۲۰۱۹ء

❁❁❁

بلقان ریاستوں کے
سفر کی
کارگزاری

بلقان کے رفقائے سفر

①حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیۃ (شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل)

②حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم العالیۃ (شیخ الحدیث دارالعلوم کراچی) مع اہلیہ محترمہ۔

③حضرت اقدس مولانا ابراہیم صاحب پانڈور دامت برکاتہم العالیۃ (خلیفہ: حضرت شیخ زکریاؒ)

④بندہ: محمود بارڈولی (استاذِ تفسیر وحدیث: جامعہ اسلامیہ ڈابھیل)۔

⑤ قاری عبد الحنان صاحب سورتی (مصاحبِ خاص: حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیۃ)

⑥حضرت شیخ مفتی شبیر صاحب (استاذِ حدیث: جامعة العلم و الهدى، بلیک برن، برطانیہ)

⑦مفتی عبد الصمد صاحب منوبری (مہتمم: جامعة العلم و الهدى، بلیک برن، برطانیہ)

⑧مفتی محمد علی فلاحی صاحب (استاذِ حدیث: جامعة العلم و الهدى، بلیک برن، برطانیہ)

⑨مولانا ڈاکٹر محمود چانڈیا صاحب (استاذِ حدیث وتفسیر: جامعہ اسلامیہ دارالعلوم بولٹن ولیکچرر: یوکلن (Uclan) یونیورسٹی، پرسٹن)

⑩ مولانا محمد سیدات صاحب (ڈائرکٹر:الامہ ٹرسٹ)

⑪ مفتی محمد ابن آدم (استاذ: جامعہ علوم القرآن لیسٹر)

⑫ مفتی ابراہیم راجہ صاحب (استاذ: دارالعلوم بری)

⑬ مفتی یوسف ابن شبیر صاحب (استاذِ حدیث: جامعة العلم و الهدى، بلیک برن، برطانیہ)

⑭ حضرت مولانا حنیف صاحب دودھ والا (تنظیم کے روحِ رواں اور ناظمِ سفر)

⑮ مولانا سلیم عیسیٰ صاحب (استاذ: مسجدِ زکریا ڈیوز بری)

⑯ مولانا فاروق پانڈور صاحب (سرپرست: مدرسہ بنات مانچسٹر)

⑰ مولانا یوسف حجات صاحب (یکے از ذمے دار: مسلم ویلفئر انسٹی ٹیوٹ)

⑱ مولانا رفیق صاحب صوفی (استاذ: جامعة العلم و الهدى، بلیک برن، برطانیہ وچیئر مین آف LCM) مع اہلیہ محترمہ۔

⑲ حافظ حمدان ابن مولانا رفیق صاحب صوفی۔

⑳ مولانا عرفان صاحب سانگے، کوکنی (تاجر، یکے از ذمہ دار تنظیم)

㉑ مولانا حسن پٹیل صاحب (یکے از ذمہ دار تنظیم)۔

㉒ مولانا محمد علی نغدی، مانچسٹر (یکے از ذمہ دار تنظیم)

㉓ مولانا حسن سیدات صاحب (سرپرست وامیر: مسلم ویلفئر انسٹی ٹیوٹ)

㉔ مولانا عثمان غنی صاحب (فاضل: دارالعلوم بری و یکے از ذمہ دار تنظیم)

㉕ مولانا شفیق عبدالرحمن (یکے از ذمہ دار تنظیم)۔

﴿۲۶﴾ حافظ زبیر صاحب (mwi کے عملہ میں سے)۔

﴿۲۷﴾ مولانا اسماعیل پٹیل صاحب (مہتمم: دارالعلوم لیسٹر)

﴿۲۸﴾ مولانا ثوبان احمد (استاذ: جامعۃ العلم والھدی، بلیک برن، برطانیہ)

﴿۲۹﴾ حاجی اقبال صاحب (اسٹام فورڈ ہل، لندن)۔

﴿۳۰﴾ مولوی عبد الحلیم صاحب (فاضل: جامعة العلم و الهدى بلیک برن، برطانیہ)، تنظیم کی طرف سے دوسال سے البانیا میں مقیم۔

﴿۳۱﴾ مفتی اسمر اسکاٹ لینڈ (فاضل: دارالعلوم بری، دانتوں کے ڈاکٹر)

﴿۳۲﴾ مولانا ابوبکر سیدات (فاضل: دارالعلوم بری و استاذ: مرکز العلوم بلیک برن)

﴿۳۳﴾ مولانا محمد واعظ (فاضل و مدرس: دارالعلوم بری)

﴿۳۴﴾ حاجی افضل صاحب میمن (بانی: سارو جنک ویلفئر ٹرسٹ احمد آباد) مع اہلیہ۔

﴿۳۵﴾ حاجی یوسف صاحب زبو (پرسٹن)

﴿۳۶﴾ عبدالعزیز راجہ صاحب (لندن)

﴿۳۷﴾ مولانا سراج بھانا صاحب بار بادوس (فاضل: دارالعلوم بری)، ہمارے بار بادوس کے میزبان مولانا جنید صاحب کے بھائی۔

﴿۳۸﴾ عبدالحمید قریشی (Ceo Of Lcm)۔

﴿۳۹﴾ مولانا فاروق سیدات صاحب (ٹیچر: دارالعلوم بولٹن)۔

❁❁❁

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدَانَا لِلْإِسْلَامِ وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللّٰهُ وَ أَكْمَلَ لَنَا دِيْنَنَا وَ أَتَمَّ عَلَيْنَا نِعَمَهُ وَ رَضِيَ لَنَا الْإِسْلَامَ دِيْناً، أَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَه لَا شَرِيْكَ لَه ، وَ أَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَ شَفِيْعَنَا وَحَبِيْبَنَا وَاِمَامَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُه وَرَسُوْلُه ، صَلَوَاتُ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَلَيْه وَ عَلٰى اٰلِه وَاَصْحَابِه وَذُرِّيَّاتِه وَ اَهلِ بَيْتِه وَاَهلِ طَاعَتِه، وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْراً كَثِيْراً اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ० بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ०
لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ.

ترجمہ: پکی بات یہ ہے کہ ان کے واقعات میں عقل والوں کے لیے عبرت کا بڑا سامان ہے۔

تمہید

الحمد للہ! اس سے پہلے بخارا، سمرقند، ترمذ کے تاریخی سفر کی کارگزاری، پھر اس کے بعد اسپین اور ترکی کے سفر کی کارگزاری، پھر مصر اور مسجدِ اقصیٰ کے سفر کی کارگزاری کے بیان کی مجلسیں اسی مسجد میں ہوئیں، جو الحمد للہ! بعد میں اردو اور گجراتی زبان میں کتابی شکل میں تین حصوں میں چھپ چکی ہے، اس وقت بلقان اور دیگر مما لک کی کار گزاری آپ حضرات کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کارگزاریوں کو عبرت ونصیحت کا ذریعہ بناوے اور اس کو

میرے اور آپ کے لیے دنیا و آخرت میں اپنی رضا کا ذریعہ بنا وے، آمین۔

''بلقان'' ایسا علاقہ کہ ہمارے یہاں بہت سارے لوگ اس کا نام بھی نہیں جانتے ہیں، ہم بھی پہلے تفصیل سے نہیں جانتے تھے، کچھ کچھ جانکاری اور واقفیت تھی، ایک لمبے زمانے سے دل بھی چاہتا تھا اور مشورے بھی ہو رہے تھے کہ ان علاقوں میں دینی نسبت سے حاضری دینی چاہیے؛ مگر ''قد جعل اللہ لکل شئ قدرا'' ہر چیز کا اللہ کے یہاں ایک وقت طے ہوتا ہے اور اسی وقت وہ کام وجود میں آتا ہے۔

ابھی کچھ عرصے سے رمضان کے فوراً بعد میرے استاذ و مرشد شیخ الحدیث حضرت اقدس مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے ساتھ انگلینڈ وغیرہ ممالک کے اسفار کا ایک سلسلہ ہے، حضرت مفتی عبد الحمید صاحب، مفتی یوسف بن مفتی شبیر صاحب اور قاری ذاکر صاحب (بلیک برن، برطانیہ) کی وساطت سے یہ اسفار ہوتے ہیں، اِس سال رمضان ۱۴۳۹ھ میں برطانیہ سے اِن دوسرے ملکوں کا سفر بھی ہوا۔

مقصدِ سفر

اِس سفر کا مقصد: اس علاقے کے مسلمانوں کی دینی نسبت سے ملاقات اور دینی نسبت سے ان کی کیا ضروریات ہیں اور دینی اعتبار سے ہم ان کے بارے میں کیا فکریں کر سکتے ہیں ان اہم مقاصد کو سامنے رکھ کر یہ سفر کیا تھا۔

بلقان (Balkans) کا تعارف

جو لوگ تاریخ اور جغرافیہ سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ

یہ ممالک مشرقی یورپ کا ایک حصہ ہے، بوسنیا، البانیا یہ دونوں ممالک تو پہلے تھے ہی؛ لیکن یہ ممالک ایک اتحاد کے ماتحت آتے تھے، ''یوگوسلاویہ'' نامی ایک بڑا وسیع ملک تھا اس میں یہ ممالک آتے تھے، اس پورے علاقے کو ''بلقان'' بھی کہتے ہیں۔

اس علاقے کا رقبہ 5 لاکھ 50 ہزار مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً 55 ملین ہے، اسے اکثر جزیرہ نما بلقان بھی کہتے ہیں؛ کیوں کہ اس کے تین جانب سمندر ہے، بلقان کے اکثر علاقوں کے کنارے ''ایڈریاٹک'' یا ''بحرِ ایجین'' یا ''بحرِ اسود'' سے ملتے ہیں۔

۱۴۶۳ء سے لے کر ۱۸۷۶ء تک بلقان کا علاقہ خلافتِ عثمانیہ کے ماتحت آتا تھا؛ گویا بلقان خلافتِ عثمانیہ کا ایک ڈویژن تھا، پہلی جنگِ عظیم کے بعد بلقان کے جو حصے خلافت کے ماتحت تھے ان میں سے بہت سارے علاقے آہستہ آہستہ خلافت کے قبضے سے نکلتے گئے، البانیہ نے ایک مستقل ریاست کی شکل اختیار کر لی، اور کچھ عرصے کے بعد ''بلغراد، مقدونیہ، مونٹی نیگرو، اور بوسنیا'' پر آسٹریا کا قبضہ رہا، پھر کمیونسٹ انقلاب کے بعد اس کے بہت سارے حصے یوگوسلاویہ کا حصہ بن گئے تھے، یوگوسلاویہ کے ٹکڑے ہونے کے بعد اب یہ چند مستقل ممالک ہیں۔

خوب صورتی

اللہ تعالیٰ نے اس علاقے کو بہت ہی ظاہری خوب صورتی عطا فرمائی ہے، وہاں پانی کی بڑی بڑی جھلیں اور آبشار ہیں، پھل، فروٹ اور سبزیاں بھی اس علاقے میں بہت ہوتی ہیں، اونچے اونچے بلند خوب صورت پہاڑ بھی بہت ہیں، زیتون اس علاقے میں بہت ہی بڑی تعداد میں ہوتے ہیں؛ بلکہ وہاں ہم کو لوگوں نے بتلایا گیا کہ:

یہاں زیتون کے بعض درخت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے ہیں۔ خاص کر البانیہ کے زیتون اور زیتون کا تیل پورے علاقے میں بہت مشہور ہے۔

وجہ تسمیہ

بلقان کے معنی: ''پہاڑ'' یا ''پہاڑی سلسلہ'' ہے؛ چوں کہ ان علاقوں میں پہاڑی سلسلے ہیں اس لیے اس کا نام ''بلقان'' رکھ دیا گیا؛ بلکہ بلقان اور یوگوسلاویہ کے ان ملکوں میں ستّر (70) فی صد پہاڑ ہی پہاڑ ہیں اور صرف تیس (30) فی صد ہی کھلی ہوئی زمین، جنگل، پانی، ندی کے علاقے ہیں۔

قرآن کی تفسیر میں بلقان کے رہنے والوں کا ذکر

تفسیر اور حدیث کے ساتھ بلقان کے ملکوں کا تھوڑا تھوڑا تعلق ہے، بلقان کے ملکوں میں ایک ملک ''مقدونیا'' ہے، جس کو آج کل میسیڈونیا (Macedonia) کہا جاتا ہے۔

اسکندر مقدونی

تفسیر میں ایک نام ''اسکندر مقدونی (Alexander Macedonia)'' آتا ہے، اس اسکندر بادشاہ کا۔ اسی مقدونیا اور اس کے پڑوس میں واقع گریش (Greish) سے جس کو یونان کہا جاتا ہے۔ تعلق رہا ہے، قاضی ابوسعود فرماتے ہیں کہ:

''مقدونی'' روم کے شہروں میں سے ایک شہر کی طرف نسبت ہے، جو عظیم الشان دارالسلطنت قسطنطنیہ کی مغربی جانب میں واقع ہے، یونانی زبان میں اس کا نام

مقدونیا ہے، آج وہ ویران ہے؛ لیکن اس میں ایسی قدیم علامتیں ہیں جو اس کی اس عظمت پر دلالت کرتی ہیں جو اس کے آباد ہونے کے زمانے میں تھی اور اس کے بادشاہ کی بہت زیادہ طاقت پر دلالت کرتی تھی، وہاں ایسے قدیم آثار ہیں جن میں عقلمندوں کے لیے عبرت ہے۔

ارسطا طالیس کو۔جس کی کی ولادت بھی مقدونیا کی ایک بستی ''تاجرہ'' میں ہوئی۔اسکندر کے باپ نے اسکندر کی تعلیم کے لیے اپنے پاس بلوایا تھا، اور یہ اسکندر حضرت ذوالقرنین کے دو ہزار سے زیادہ سال بعد ہوا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تین سو (300) سال قبل، رومی لوگ اس سے اپنی تاریخ لکھتے ہیں، اسی نے مصر میں ایک شہر آباد کیا جس کو آج بھی ''اسکندریہ'' کہا جاتا ہے، الیگزینڈر ہی کے نام سے ''الیگزینڈریہ'' بھی کہتے ہیں، یہ اِس وقت مصر کا ایک شہر ہے۔

اسی اسکندر نے ''دارا'' کو قتل کر کے اس کے ملک پر قبضہ کیا تھا اور فارس کے بادشاہوں سے بھی جنگ کی اور ان کی زمین کو روندکر اسکندر نام سے دنیا میں مشہور ہونے والا یہ آخری شخص تھا اور اسی کے قصے دنیا میں مشہور ہیں۔

سکندر ذوالقرنین کے متعلق ایک غلط فہمی

جن لوگوں کی حکومت پوری دنیا میں رہی یا دنیا کے بہت سے ملکوں میں رہی ان میں ایک نام ''اسکندر مقدونی'' کا بھی ملتا ہے، ہماری تفسیروں میں یہ نام اس لیے آتا ہے کہ: بعض حضرات کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ سورۂ کہف میں ذوالقرنین کا جو تذکرہ ہے ان سے یہی اسکندر مقدونی مراد ہے؛ حالاں کہ قرآن میں جس ذوالقرنین کا تذکرہ

ہے وہ تو اللہ کے ایک بہت نیک وصالح بندے تھے اور یہ اسکندر مقدونی تو مشرک اور بڑا ظالم بادشاہ تھا، لوگوں سے اپنی عبادت کرواتا تھا، آگ پرست، مغرور اور متکبر تھا۔

ہندوستان کے اکابرین کی بلقان کے تئیں غیرتِ ایمانی

بلقان کے علاقے سے ہمارے ہندوستان کے اکابرین اور بزرگوں کی ایک بہت بڑی نسبت رہی ہے؛ اس لیے کہ ہمارے اکابرین اور بزرگوں نے بلقان کے علاقے کے سلسلے میں بہت زیادہ محنت اور فکریں کی ہیں۔

جس وقت ہمارے ملک میں انگریزوں کا قبضہ تھا اس زمانے میں روس (Russia) نے بلقان کے علاقے پر حملے شروع کیے اور بلقان کا علاقہ اپنے قبضے میں لینے کی کوشش شروع کی؛ حالاں کہ اس پورے علاقے میں ۱۴۶۳ء سے ۱۸۷۸ء تک خلافتِ عثمانیہ قائم رہی۔

اس زمانے میں ہمارے ہندوستان کے چوٹی کے اکابرین اور بزرگانِ دین۔ جن کا نام لینا بھی ہمارے لیے دنیا اور آخرت میں عزت کا باعث ہے اور اللہ رب العزت کے یہاں ان کی نسبت ہمارے لیے ان شاء اللہ! نجات کا ذریعہ ہے، قطبِ عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حجۃ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ، حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتویؒ۔ انھوں نے اس زمانے میں بلقان کے علاقے کی جنگ کے لیے بہت زیادہ فکریں بھی کی، مدد بھی کی، محنت اور کوششیں کی، اس سلسلے میں مستقل بڑی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں۔

یہ بھی عجیب بات ہے کہ بھارت کے اس دور کے ہندو رہنما مثلاً مہاتما گاندھی

جی وغیرہ نے بھی تحریکِ خلافت کے عنوان سے کچھ کارروائی کی تھی۔

ترکی کے لیے بارہ لاکھ روپے کا چندہ

۱۸۷۴ء میں جب یہ بلقان کا علاقہ روس کے حملوں کی وجہ سے ترکی کے ہاتھ سے نکل رہا تھا اور وہاں ہزاروں مسلمان عورتیں بیوہ اور ہزاروں مسلمان بچے یتیم ہوئے تو ہمارے ان بزرگوں نے پورے ملک سے تقریباً بارہ لاکھ روپے کا چندہ جمع کیا، اس وقت کے بارہ لاکھ روپے آج کتنے بنتے ہیں ہم اس کا حساب نہیں لگا سکتے، اور وہ بارہ لاکھ روپے ترکی خلافتِ عثمانیہ کو پہنچائے گئے، اس کی ساری رسیدیں آج بھی موجود ہیں۔

ترکی کی طرف سے مبارک تحفہ

اُس تحریک کو پورے ملک سے جو تعاون ملا وہ غالباً ہندوستان کی اس وقت تک کی ملّی تاریخ کا سب سے پہلا اور عظیم ترین تعاون تھا، جب یہ رقم ترکی پہنچی تو اس وقت کے ترکی خلیفہ نے خوش ہو کر ایک بہت مبارک کپڑا جس میں حضرت نبیٔ کریم ﷺ کا جبہ مبارک کئی سالوں تک لپیٹ کر رکھا گیا تھا وہ کپڑا دارالعلوم دیوبند کے لیے ہدیہ میں بھیجا تھا، وہ کپڑا آج تک دارالعلوم دیوبند میں موجود ہے، جو ہمارے لیے ایک بہت بڑی تاریخی یادگار ہے۔

ترکی میں حجۃ الاسلام سیمینار

آج بھی ہمیں اس بات پر خوشی ہوتی ہے کہ: ۱۸۷۴ء کی یہ تاریخ ترکی

حکومت بھولی نہیں ہے، ابھی ماضی قریب میں انھوں نے استنبول (Istanbul) میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے بارے میں ایک بہت بڑا سیمینار منعقد کیا تھا، جس میں پوری دنیا سے بڑے بڑے علما کو بلایا گیا تھا۔

اِس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس وقت کی ترکی حکومت کے دل میں بھی حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ کی کتنی عزت وعظمت اور کتنا احترام ہوگا! اور یہ ان کی قدر شناسی اور احسان کی یاد کی بات ہے، اچھے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔

حضرت نانوتویؒ کی اہلیہ کی قربانی کا قابلِ رشک واقعہ

ہم جب اس چندے کے واقعات پڑھتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں، حضرت مولانا گیلانیؒ نے حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کے حوالے سے اپنی سگی دادی یعنی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی اہلیہ کا ایک عجیب قصہ نقل کیا ہے کہ: دیوبند میں ایک بڑے مال دار آدمی شیخ کرامت حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، جن کی بیٹی سے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا نکاح ہوا، نکاح کے بعد جب بیٹی کو والد صاحب نے رخصت کیا تو بہت بڑا عظیم الشان جہیز دیا، جس میں قیمتی زیورات، کپڑے، اور تانبے کے برتنوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔

رخصتی کی رات جب حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی اہلیہ کی ملاقات ہوئی، تو سب سے پہلے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ رخصتی والے کمرے میں آکر نفل نمازیں پڑھنے میں مشغول ہو گئے، نفل نمازوں سے فارغ ہو کر اپنی اہلیہ محترمہ کے پاس تشریف لائے، بہت سکون اور اطمینان کے ساتھ اپنی اہلیہ سے بات چیت شروع کی کہ:

جب تم کو اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ وابستہ کر دیا ہے تو اب ہم دونوں میں مناسبت ضروری ہے؛ مگر ابھی جو صورتِ حال ہے اس میں مناسبت نہیں ہے؛ اس لیے کہ تم مال دار ہو اور میں غریب آدمی ہوں، اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو میں بھی مال دار بن جاؤں یا تم میری طرح غریب بن جاؤ۔

پھر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے آہستہ سے فرمایا کہ: میرا مال دار بننا تو مشکل ہے، آسان بات یہی ہے کہ تم میری طرح غریب بن جاؤ۔

پھر آگے یہ بات ارشاد فرمائی کہ: اللہ تعالیٰ نے تمھارے ساتھ میرا جو تعلق قائم فرمایا ہے، اس میں مجھے تربیت کا مقام دیا ہے اور تم کو اطاعت کا مقام دیا ہے۔

اِس تمہیدی بات کے بعد حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اہم بات ارشاد فرمائی کہ: اگر تم کو میں کسی بات کا حکم دوں، جس میں تمھارا ہی فائدہ ہو تو کیا تم مجھ پر بھروسہ اور اعتماد کروگی؟

جب حضرت نانوتویؒ کی طرف سے یہ سوال ہوا تو حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ نے جواب میں کہا: مجھے آپ پر پورا اعتماد اور بھروسہ ہے۔

جب یہ جواب ملا تو حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ایک عجیب بات آئی جس کو سوچتے ہیں تو دل کانپ جاتا ہے؛ اس لیے کہ عورتوں کو زیورات کے ساتھ بہت ہی زیادہ محبت ہوتی ہے،، خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿۱۸﴾ (زخرف)

ترجمہ: کیا وہ بچی جو پرورش پاتی ہے زیور میں اور آپس کے جھگڑے میں وہ

صاف بول نہیں سکتی۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اچھا اب یہ تمام زیورات اتار کر مجھے دے دو، اسی طرح جتنے کپڑے اور برتن تمھارے پاس ہیں ان پر بھی مجھے اختیار دے دو۔

اتنے بڑے مطالبے پر نئی نویلی دلہن نے بغیر ہچکچائے ہوئے فوراً عرض کیا: آپ کو پورا اختیار ہے۔

اس وقت خود حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی عمر تقریباً ۲۱ / ۲۲ سال کی تھی، جب صبح ہوئی تو تمام زیورات اور تمام کپڑوں کے جوڑے اور تمام برتن جو اس زمانے میں ہزاروں روپیہ کا سامان تھا، اور آج کے دور میں تو اس کا حساب ہی نہیں لگا سکتے، وہ سب کا سب حضرت نانوتویؒ نے ترکی کے چندے میں جمع کرا دیا۔

میرے دینی بھائیو! قصہ ابھی یہاں پورا نہیں ہوا، جب حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی بیوی نانوتہ اپنے سسرال سے دیوبند اپنے والد کے گھر رخصتی کے بعد پہلی مرتبہ آئی تو حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ خود فرماتی ہیں کہ: ابا جان نے میرے ہاتھ، پاؤں، کان، ناک خالی دیکھے اور بدن پر قیمتی کپڑے بھی نہیں تھے، تو والد صاحب نے پوچھا کہ: بیٹی! زیورات کا کیا ہوا؟

بیٹی نے پورا واقعہ صحیح صحیح سنا دیا، تو اس پر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے خسر زبان سے کچھ نہیں بولے، دل میں خیال آیا ہوا ہوگا کہ میری بیٹی رشتے داروں کے سامنے زیورات کے بغیر کب تک رہے گی، اللہ تعالیٰ کے فضل سے لڑکی کے والد کے پاس کسی قسم کی تنگی بھی نہیں تھی، لڑکی کے والد شیخ کرامت علی صاحب نے پھر سے زیورات،

برتن، کپڑے تیار کروائے اور جب دوسری مرتبہ والد صاحب کے مکان سے دلہن سسرال جانے کے لیے روانہ ہوئی، تو اس موقع پر خود حضرت نانوتویؒ کی اہلیہ کے الفاظ ہے کہ:

میں بن سنور کر دوبارہ سسرال پہنچی، دن تو کسی طرح گزر گیا، جب رات ہوئی اور حضرت نانوتویؒ اپنی اہلیہ کے پاس تشریف لائے تو آخرت کی ترغیب دینا شروع کر دی اور کل کی تیاری کے لیے آج کا اختیار اپنے ہاتھ میں لینے کی چاہت ظاہر کی، اہلیہ محترمہ پہلے ہی حضرت کو اختیار دے چکی تھی، اس کو واپس لینے کا تو کوئی سوال ہی نہیں ہوتا تھا، پھر سے اہلیہ نے کہا: آپ پورے پورے مختار ہو۔

جب صبح ہوئی تو زیورات، برتن، کپڑے، پورا سامان پھر سے دوسری مرتبہ، اسلامی خلافت کے لیے ترکیوں کے چندے میں جمع کروا دیا۔

خود حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ فرماتی ہیں کہ: اس دوسری مرتبہ جو آپ نے سارا سامان چندے میں دلوا دیا، تو اس کی برکت سے روپیہ، پیسہ، زیورات کی محبت میرے دل سے قطعاً نکل گئی؛ بلکہ ان چیزوں کی نفرت میرے دل میں پیدا ہوگئی، پھر زندگی بھر کبھی میں نے زیور نہیں بنوایا، اور کبھی بھی قیمتی لباس پہننے کی دل میں ہوس اور آرزو پیدا نہیں ہوئی۔

حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ جب اپنی دادی کا یہ واقعہ سناتے تھے تو آنکھوں سے آنسو نکلتے تھے۔ (از سوانحِ قاسمی، ج:۱، ص:۵۱۱)

اِس واقعہ میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ کی کتنی عجیب قربانی ہمارے سامنے

آتی ہے کہ عورت کو زیورات اور عمدہ کپڑوں سے کتنی محبت ہوتی ہے ؛لیکن اسلامی خلافت کی حفاظت کی خاطر آپ نے ان تمام چیزوں کی قربانی دے دی!

بہر حال! حضرت مولانا اور ان کے رفقا نے اس مہم میں خود بھی بھرپور حصہ لیا اور اپنے سب جاننے والوں، رشتے داروں اور متعلقین کو بھی اس کی طرف متوجہ فرمایا اور سب نے حسبِ حیثیت دامے، دِرمے، قدمے، سخنے اس تحریک کو کامیاب بنانے کی انتہائی کوشش کی۔

یہ جنگِ بلقان کے ساتھ ہمارے بزرگوں کا ایک روحانی رشتہ ہے۔

شہادت کی تلاش میں!

جب کبھی عالمِ اسلام پر کوئی حادثہ رونما ہوتا تھا تو ہمارے بزرگانِ کرام کس طرح تڑپ جاتے تھے اور مظلوم وستم رسیدہ مسلمانوں کی مدد کے لیے کس عزم وحوصلہ اور بلند جذبات کے ساتھ آگے بڑھتے تھے اور اس موقع پر مسلمانوں کو امداد وتعاون کی ترغیب دینے کے لیے کیسی جدو جہد اور کوشش فرمایا کرتے تھے!

جنگِ بلقان کے لیے عملی شرکت

پھر یہ کوشش صرف زبانی جمع خرچ یا چندہ کی رقمیں بھجوانے تک محدود نہیں تھی ؛ بلکہ خود بھی جہاد میں شریک ہونا چاہتے تھے، چنانچہ ۱۸۷۷ء میں باقاعدہ ایک قافلہ بلقان میں روسیوں کے ساتھ عملاً جنگ کے لیے تیار ہوا، اس کو ''سفرِ حج'' کا عنوان دیا گیا کہ ہندوستان سے یہ حج میں جائیں گے اور حج سے بلقان کے علاقے میں جائیں گے،

اس قافلے میں قطبِ عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ جیسے جلیل القدر ہمارے اکابرین شریک ہوئے، اِس سے اندازہ لگاؤ کہ ہمارے بزرگوں کے دل میں جنگِ بلقان کی کتنی اہمیت اور عظمت ہوگی!

مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب دیوبندیؒ نے حیاتِ شیخ الہند میں لکھا ہے کہ:

شوال ۱۲۹۴ھ میں بزرگانِ ہندوستان کے قافلے نے بیت اللہ کا قصد کیا، حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ، حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ جیسے مقبول حضرات قافلے کے سردار ہوں تو قافلے کی کیفیت کا کیا پوچھنا! بہت سارے دین دار غریب و مال دار مسلمان ساتھ ہوگئے۔

اور اسی کتاب میں لکھا ہے کہ:

ہندوستان سے ایسا مقدس مجمع اور مشہور و معروف قافلہ روانہ ہوا کہ اس کی نظیر نہ گذشتہ زمانہ میں مل سکتی ہے اور نہ آئندہ امید ہے۔

سو (100) سے زائد اصحاب شروع سفر سے ساتھ تھے، یہ قافلہ ۷؍شوال ۱۲۹۴ھ مطابق: ۱۵؍اکتوبر ۱۸۷۷ء کو سہارنپور سے ممبئی کے لیے روانہ ہوا، ایسے ممتاز ترین علما کا ایک بڑے قافلے کے ساتھ جہاد میں شرکت کے باقاعدہ اعلان کے ساتھ سفر کرنا آسان نہیں تھا۔

مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ نے اس سفر کی شہرت اور شرکا کی کثرت کا ذکر کرتے ہوئے جو لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

جب عام مسلمانوں نے دیکھا کہ اچانک ہندوستان کے چوٹی کے علما کا ایک

قافلہ حرمین شریفین جا رہا ہے، تو جس سے بھی ہو سکا ان کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گیا؛ اس لیے بطورِ خود لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ یہ حضرات دینی مدد کے لیے حرمین کے سفر کے بہانے ملکِ روم کا سفر کر رہے ہیں، اور ترکی سلطنت کی طرف سے والنٹیر جماعت میں شامل ہو کر جہاد میں شریک ہوں گے اور جس کے نصیب میں شہادت مقدر ہے تو وہ جامِ شہادت پی کر حیاتِ ابدی حاصل کرے گا۔

ایک قائد کی فراست (چندے کی اپیل کے عجیب و غریب الفاظ)

اس زمانے میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ جو چندے کی اپیل شائع کرتے تھے اس کے الفاظ بھی اگر ہم پڑھیں تو دنگ رہ جاتے ہیں، ایک دو باتیں ہم یہاں ذکر کر دیتے ہیں، حضرتؒ نے اس زمانے میں لوگوں کو اپیل کرتے ہوئے جو کہا اس کا خلاصہ یہ ہے:

① اگر خدانخواستہ روس کامیاب ہو گیا تو پھر حرمین شریفین (مکہ اور مدینہ) بھی بظاہر اس کے قبضے میں آجائے گا،

اِس صورت میں کیا کسی عقل مند کے خیال میں یہ بات آسکتی ہے کہ (چندہ کے لیے) اور کوئی مصرف اس مصرف سے زیادہ بہتر ہے؟

تعمیرِ مساجد نہ ہوگی تو کیا ہوگا؟ مسجدوں کی کون سی کمی ہے جو اور ضرورت ہے؟ پہلے ہی ہزاروں ویران پڑی ہیں، اور اگر مسجد کی ضرورت ہو بھی تو کہیں اس ضرورت کے برابر ہو سکتی ہے، کہ حرمین شریفین کے پامال ہونے کا اندیشہ سر پر آلگا ہے؟

سو دو سو مسکین اگر نہ کھلائے گئے تو کیا ہوگا؟

ایک وقت نہ کھائے تو کیا کسی کو موت کھائے جاتی ہے؟

اور اگر ضرورت ہو بھی تو کیا اس سے زیادہ سخت مذکورہ اندیشہ نہیں ہے؟

اگر بالفرض بھوک و پیاس کی وجہ سے کسی کی جان چلی بھی گئی تو ایک مسلمان ختم ہوا، یا دس، بیس، سو، پچاس ختم ہوئے؛ لیکن خدانخواستہ اگر روس غالب آ گیا تو یوں کہو کہ: چند روز میں اسلام روئے زمین سے اٹھ گیا۔

اگر یہ باتیں محض خالی معلوم ہوتی ہیں اور اس وجہ سے قابلِ اعتبار نہیں تو خود قرآن کو دیکھ لیجیے:

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۹ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝۲۰ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝۲۱ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۲۲ (التوبة)

ترجمہ: (مکہ کے اے مشرکو!) کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے کو اور مسجدِ حرام کو آباد رکھنے کو اس شخص (کے اعمال) کے برابر سمجھ رکھا ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا ہے؟ یہ (دونوں قسم کے) لوگ اللہ تعالیٰ کے یہاں برابر نہیں ہو سکتے اور ظلم کرنے والی قوم کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیا کرتے ﴿۱۹﴾ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اپنے مال اور اپنی جان سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا درجہ ہے

اور وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں ﴿۲۰﴾ ان کے رب ان کو اپنی طرف سے رحمت اور خوشنودی اور ایسے باغات کی جن میں ان کے لیے ہمیشہ کی نعمتیں ہیں خوش خبری دیتے ہیں ﴿۲۱﴾ ان (باغوں) میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یقین رکھو اللہ تعالیٰ کے پاس بہت بڑا بدلہ ہے۔

اِن آیات سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ تعمیرِ مساجد اور حجاج کو پانی پلانا جہاد کے برابر نہیں ہوسکتا ہے؛ بلکہ جہاد مالی ہو یا جانی اس سے بڑھ کر ہے۔

اس لیے یہ گزارش ہے کہ: اگر خدا کی مغفرت کے امیدوار اور اس کے حبیب ﷺ کی شفاعت کے خواستگار ہو تو حرمین شریفین کی حفاظت میں جان نہیں، مال ہی سے مدد کرو۔ بالکل بے حیا نہ بنو، کچھ تو شرم کرو، اوروں سے نہیں شرماتے تو خدا اور رسول ﷺ ہی سے شرماؤ، یوں ہاتھ سے مال جو ہاتھ کا میل ہے نہیں چھوٹتا تو ان ننھے ننھے بچوں کی آہ وزاری پر رحم کرو جن کے باپ خدا کی راہ میں خاک وخون میں تڑپ تڑپ کر مر گئے، ان بیویوں کی بے کسی پر ہی رحم کرو جن کے خاوند ان کو تنہا چھوڑ کر خدا کی راہ میں اپنا جان ومال نثار کر گئے۔

② مکہ معظّمہ میں خانۂ کعبہ اور مدینہ منورہ میں روضۂ مطہرہ جو اِس عزت و شرف کے ساتھ آج تک موجود ہے تو وہ ترکی کے بادشاہ ہی کی بدولت یہ حفاظت ہے، اگر خدانخواستہ ترکی کے بادشاہ کو اس جنگ میں شکست ہوئی تو تم ہی بتاؤ کہ پھر ان بابرکت مقامات کا کیا حال ہوگا؟ تمھارے اندر اتنی ہمت نہیں ہے کہ مقابلہ کرو، مقدس مقامات کی حرمت پامال ہوئی تو خود مسلمانوں کی کیا حقیقت باقی رہے گی، پورے عالمِ

اسلام کا نظام مؤثر ہوگا؛ اس لیے ترکی کے خلیفہ کی مدد بنیادی اسلامی ضرورت اور فرضِ عین ہے۔

③ ایک موقع پر یہ فرمایا کہ: اس جنگ کو صرف بلقان کی جنگ مت سمجھو، اس میں مسلمان ہار گئے تو پورے عالمِ اسلام کا اسلامی نظام متأثر ہوگا۔ اتنی زیادہ تاکید کے ساتھ حضرتؒ نے لوگوں کو اپیل کی۔ (ملخص از: قاسم العلوم حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ، احوال وآثار و باقیات ومتعلقات، از: مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی)

بہر حال! یہ ہمارے ہندوستان کے اکابرین کی بلقان کے علاقے سے ایک تاریخی ایمانی ودینی رشتے کی مختصر روداد ہے۔

البانیا کا مختصر تعارف

البانیا جنوب مشرقی یورپ کا ایک ملک ہے جس کے شمالِ مغرب میں مونٹی نیگرو، مشرق میں مقدونیہ، شمالِ مشرق میں ''کوسووہ'' اور جنوب میں یونان واقع ہیں۔ اس کے مغرب میں بحیرہ ''ایڈریاٹک'' اور جنوبِ مغرب میں بحر ''الایونی'' واقع ہیں۔

اس کے ستر فی صد سے زیادہ لوگ مسلمان ہیں؛ مگر یہ یورپ کا واحد ملک ہے جہاں اشتراکیت (کمیونزم) قائم ہے، نام کی جمہوریت ہے اور یورپی اقوام کو یہاں سے اشتراکیت کو ختم کرنے میں بھی کوئی دل چسپی نہیں ہے۔ البانیا یورپی اتحاد کا رکن بننے کا امیدوار ہے؛ مگر ترکی کی طرح ابھی تک اسے کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔

البانیا کی نوے فی صد آبادی البانوی نسل سے تعلق رکھتی ہے۔ آخری مردم شماری (1930ء) کے مطابق آبادی کا ستر فی صد سے زیادہ مسلمان ہیں جس کے بعد

سے مردم شماری نہیں ہونے دی گئی۔

البانیا سلطنتِ عثمانیہ کے عہد میں

قدیم تاریخ بتاتی ہے کہ البانیا پر ایک کے بعد ایک مختلف اقوام کے لوگ حملہ کرتے رہے، یہاں تک کہ 1460ء میں ان کو اس وقت امن نصیب ہوا جب وہ سلطنتِ عثمانیہ کا حصہ بنا۔

یہی وہ خطہ ہے جس نے اسلام کا سب سے زیادہ اثر قبول کیا اور آج یہ بوسنیا کی طرح یورپ کا مسلم اکثریتی ملک ہے۔

البانیا کے لوگوں کو ترکوں نے بڑی خوش دلی سے اپنے بھائیوں کے طور پر قبول کیا اور ترکی کے اہم ترین عہدوں پر البانوی فائز رہے، یہاں تک کہ سلطنتِ عثمانیہ کی طرف سے مصر کے پہلے پاشا ''محمد علی پاشا'' بھی نسلاً البانوی تھے۔

جدید البانیا

1912ء میں استعماری سازشوں کے نتیجے میں سلطنتِ عثمانیہ کے ٹکرے ہو گئے تو پانچ سو سال کے بعد 28 نومبر 1912ء کو البانیا ایک آزاد ملک بن گیا۔

استعمار نے 1912ء میں البانیا کی حدود کو اس طرح سے قائم کیا کہ بہت بڑی تعداد میں البانوی لوگ البانیا کے پڑوسی ممالک بشمول مونٹی نیگرو اور سربیا و بوسنیا کا حصہ بنے۔

1914ء میں بعض طاقتور مغربی اقوام کی مدد سے البانیا کے یونانی نسل کے

مسیحی لوگوں نے البانیا کے ایک چھوٹے علاقے میں ایک خودمختار حکومت بھی قائم کی؛ مگر یہ سازش پہلی جنگِ عظیم کی تباہ کاریوں کی وجہ سے پنپ نہ سکی اور 1920ء میں البانیا نے خود کو ایک جمہوری ملک قرار دے دیا۔ یہ ملک زیادہ دیر تک مغربی ممالک سے برداشت نہ ہوا اور اطالیہ (اٹلی) نے اپنا اثر ورسوخ البانیا میں البانیا کے بادشاہ ''زوگ'' کی مدد سے قائم کرنا شروع کیا اور یہ سلسلہ 1939ء میں اطالیہ کے البانیا پر قبضہ کی صورت میں منتج ہوا۔

اطالیا نے البانیا میں نہایت غیر انسانی سلوک کا مظاہر کیا جس میں ایسے قوانین بھی تھے جن کے مطابق البانیا کی زبان کو مدرسوں اور اسکولوں سے ختم کر دیا گیا اور تمام آبادی کو اطالیایا (اٹالیانائیز) کیا گیا۔

1940ء میں اطالیا کے فاشسٹ رہنما ''مسولینی'' نے البانیا کی سرزمین سے یونان پر حملہ کیا جو ناکام ہوا اور البانیا کے ایک حصہ پر یونان نے قبضہ کرلیا اور اسے اپنا حصہ قرار دے دیا۔

روس بھی پیچھے نہ رہا اور اپنا اثر قائم کرنے کی کوشش کی۔

اطالیا کے اقتدار کے کمزور پڑنے پر جرمنی نے 1943ء میں البانیا پر قبضہ کر لیا اور پیش کش کی کہ وہ البانیا کو ایک آزاد مگر غیر جانب دار ملک قرار دینے پر تیار ہے۔

28 نومبر 1944ء تک البانوی گوریلا افواج نے البانیا کے بیشتر حصوں کو جرمنی سے آزاد کروالیا۔

یہ یورپ کا واحد ملک تھا جس میں یہودیوں کی آبادی دوسری جنگِ عظیم کے

بعد کم ہونے کی بجائے بڑھ گئی تھی۔

اشتراکیت کا غلبہ

روس کے بڑھتے ہوئے اثر کی وجہ سے البانیا ایک اشتراکی ملک بن گیا اور اس کا بڑا جھکاؤ روس کی طرف رہا؛ مگر 1960ء سے البانیا نے چین کے ساتھ بھی تعلقات بڑھانا شروع کیے۔

1990ء کی دہائی تک مشرقی یورپ اشتراکی رہا۔ جب تقریباً تمام مشرقی یورپی اقوام اشتراکیت کے غلبہ سے آزاد ہوئے تب بھی مغربی ممالک کو البانیا کو اشتراکیت کے اثر سے آزاد کرنے میں کوئی دل چسپی نہیں تھی؛ کیوں کہ وہاں کے بیشتر لوگ مسلمان تھے اور اشتراکیت سے آزاد ہونے کے بعد مذہب کی ترویج کا خطرہ موجود تھا؛ مگر البانیا کے لوگوں نے اشتراکیوں کو 1992ء کے انتخابات میں شکست دے دی؛ جس کے نتیجے میں جو خون خرابا ہوا اس میں ہزاروں البانوی لوگ ہلاک ہو گئے۔

اس خون خرابا کا بہانہ بنا کر یورپی اتحاد نے اپنی افواج البانیا میں داخل کیں تو اطالیا کو ہی زیادہ موقع دیا؛ کیوں کہ البانیا اطالیا کی سابق نوآبادی تھی اور وہ اب بھی اس پر اپنا حق جتاتا تھا۔

نظامِ حکومت

1998ء کے آئین کے تحت البانیا ایک جمہوری ملک ہے، اس میں ہر چار سال کے بعد الیکشن ہوتے ہیں، ملک کا سربراہ صدر ہوتا ہے جو کہ پانچ سال کی مدت

تک اسمبلی کی جانب سے چنا جاتا ہے۔2009ء سے البانیا ''نیٹو'' کا رکن ملک بھی بن چکا ہے۔(ملخص از: آزاد دائرۃ المعارف، ویکیپیڈیا)

البانیا کا ایک ستارہ

ابھی قریب کے زمانے میں البانیہ کے ایک بہت بڑے عالم ''شیخ ناصر الدین البانیؒ'' جن کا نام پوری دنیائے اسلام میں چمکا؛ اگر چہ ہم ان کی تمام باتوں سے متفق نہیں ہیں، اِس قت سعودی عرب اور عرب ملکوں میں ان کے نام اور ان کی کتابوں کا ایک بہت ہی بڑا وزن ہے، وہ اسی البانیا کے رہنے والے تھے۔

البانیا میں ''ترانا'' سے ایک سوبیس (۱۲۰) کلومٹر دور ''شکودرہ'' نام کا ایک شہر ہے، شیخ ناصر الدین البانیؒ اسی شہر میں پیدا ہوئے۔

یہ تو بلقان اور البانیا کے متعلق کچھ تاریخی یادوں کا تذکرہ ہوا، اب کمیونزم کے زمانے میں مسلمانوں پر کیا حالات آئے اور مسلمانوں نے اپنے ایمان واعمال کی خاطر کیسی عجیب وغریب قربانیاں دیں اس کی کچھ جھلکیاں پیش کر رہا ہوں۔

البانیا میں کمیونزم کے مظالم

البانیا میں خلافتِ عثمانیہ کے ختم ہونے پر روسیوں کی کمیونزم والی حکومت آئی، کمیونزم کے زمانے میں سب سے زیادہ مظالم البانیا کے مسلمانوں پر کیے گئے تھے، اس پورے علاقے میں البانیہ، مقدونیہ، بوسنیا، اور مونٹی نیگرو کئی مما لک آتے ہیں، ان ملکوں میں پہلے بہت سارے مدرسے تھے، بڑے بڑے دارالعلوم تھے، بڑی بڑی

مسجدیں تھیں اور بعض ملکوں میں تو اکثریت مسلمانوں کی تھی؛ لیکن ۷۰ یا ۷۵ سال تک کمیونسٹوں کی جو حکومت رہی اس زمانے میں کمیونسٹوں نے ایسے ایسے مظالم ڈھائے کہ ان کو سن کر دل کانپ جاتا ہے اور وہ ساری داستانیں لکھنے کی ہمت بھی نہیں ہوتی۔

البانیا میں کمیونزم کے زمانے میں پانچ سو (۵۰۰) سے زیادہ مسجدیں بند تھیں، بہت سی مسجدوں کو میوزیم بنا دیا گیا، بعض مسجدوں کو سینما گھر بنا دیا گیا، اسلامی شعائر پر پابندی لگا گئی، داڑھی پر پابندی لگا دی گئی، اور ایسے سخت قانون نافذ کر دیے گئے کہ مسلمانوں کی اسلامی پہچان ختم کر دی گئی۔

اسی طرح علمائے کرام کو سالہا سالہا جیلوں میں بند کیا گیا۔

کتابوں کی عجیب وغریب طریقے پر حفاظت

بڑی بڑی کتابوں کی لائبریریوں کو انھوں نے آگ لگا دی، بوسنیا میں آج بھی ایک لائبریری موجود ہے، اس پر باقاعدہ تاریخ بھی لکھی ہوئی ہے کہ ۱۹۹۲ء سے لیکر ۱۹۹۵ء کے بیچ میں جو کمیونسٹوں نے وہاں ظلم کیے تو اس میں ایک رات ایسی خطرناک آئی تھی کہ بوسنیا کے اس کتب خانہ میں ۲۰ لاکھ کتابوں کو جلا کر راکھ بنا دیا گیا تھا، آج بھی وہاں بہت افسوس سے یہ تاریخ لکھی ہوئی ہے۔

ہاتھ سے لکھی ہوئی قیمتی کتابیں، قرآنِ مجید بھی بڑی مقدار میں جلائے گئے، یہ تو ایک لائبریری میں ۲۰ لاکھ کتابیں جلائی گئیں، اس کے علاوہ پورے علاقے میں جو کتابیں جلائی گئیں اس کی داستان بہت لمبی چوڑی ہے۔

لیکن وہاں کے مسلمان بھی واقعتاً ہمارے لیے قابلِ نصیحت اور قابلِ عبرت

ہے، ہمارے لیے بہت بڑا ایک نمونہ ہے، اللہ ہمیں ہمارے ملکوں میں عزت اور عافیت کے ساتھ رکھے، آمین۔ انھوں نے کتابوں اور قرآن کی حفاظت کے لیے بے انتہا کوششیں کی، کتابوں کی حفاظت کے واسطے مکان میں دیواروں میں چھپی ہوئی الماریاں بنائی، زمین کے اندر تہ خانے بنائے۔

پرانے بوڑھے لوگ کہتے ہیں کہ: ہمیں اپنی دولت سے زیادہ اپنی کتابیں پیاری تھیں، خاص کر کے ہاتھ سے لکھی ہوئی قلمی کتابیں اور قرآنِ مجید کا ہم نے اپنی جان اور اپنی دولت سے زیادہ حفاظت کا اہتمام کیا؛ حالاں کہ اگر کسی کے گھر سے قرآن کا ایک نسخہ مل جاتا تو پورے گھر کو ختم کر دیا جاتا تھا۔

تہ خانوں میں چھپائی ہوئی کتابیں دیکھنے کی سعادت

ماشاءاللہ! جب حالات ٹھیک ہوئے تو لوگوں نے تہ خانوں میں سے کتابیں نکالیں، کئی جگہوں پر ایسی کتابوں کے دیکھنے کی ہم کو سعادت حاصل ہوئی۔

جو کتابیں لوگوں نے تہ خانوں میں محفوظ کی تھیں ان کے بارے میں حضرت مفتی شبیر صاحب نے بیان فرمایا کہ: ایک نیشنل لائبریری بننی چاہیے اور اس میں ایسی کتابوں کو رکھنا چاہیے؛ تا کہ آنے والی نسل دیکھیں کہ لوگوں نے کتابوں کی حفاظت کس طریقہ سے کی اور یہ وہ کتابیں ہیں کہ کمیونشٹوں کے ظلم کے زمانے میں ۷۰، ۷۵ سال تک ان کتابوں کو تہ خانوں میں حفاظت سے رکھا گیا۔

جب بڑی عمر کے لوگ ملتے ہیں جن پر ایمان کی خاطر ایسے ایسے ظلم کیے گئے تو دل چاہتا ہے کہ ہم ان میں سے ہر ایک کی پیشانی اور ہاتھ کو بوسہ دیویں؛ اس لیے کہ

اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایمان اور اعمال اور دین کی لائن سے بہت بڑی آزادی عطا فرمائی ہے، ان ملکوں میں مسلمانوں نے اپنے ایمان کی کیسی حفاظت کی، ہمیں تو ایمان کے لیے کوئی قربانی نہیں دینی پڑی۔

البسان (Elbasan) شہر جہاں آٹھ سو (۸۰۰) سے زیادہ مسجدیں تھیں

البانیا میں ایک شہر ہے جس کا نام ''البسان'' ہے، اس میں قدیم زمانے میں ۸۰۰ مسجدیں تھیں، کمیونسٹوں نے ان تمام مسجدوں کو ختم کردیا، کسی میں گودام بنایا گیا، کسی میں جانوروں کو باندھنے کے لیے اصطبل بنائے گئے، جب روس کمزور ہوا تو کمیونزم بھی کمزور ہوا اور آہستہ آہستہ ان ممالک میں آزادی کی شکلیں بنی اور اب ان ملکوں میں جمہوریت کی شکلوں کی حکومتیں بنی ہوئی ہے، تو پھر سے مسجدیں آباد ہو رہی ہیں، اب الحمد للہ! ان پرانی مسجدوں میں سے بعض مسجدوں کو پھر سے بنانے اور آباد کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔

البسان شہر میں حافظ پٹیلؒ کے نام پر مسجد

البسان شہر میں ہم شام کے وقت پہنچے تو عصر کی نماز ایک مسجد میں ادا کی، بہت خوب صورت اور بہت شاندار مسجد تھی اور ہمارے لیے بڑی خوشی کی بات یہ تھی کہ وہ مسجد اتنی شان دار اور عالی شان جو تیار ہوئی وہ ہمارے ایک بزرگ حضرت حافظ محمد پٹیلؒ کے نام پر تیار ہوئی، آگے اور بھی ان کا تذکرہ آرہا ہے۔

اسلامی لباس سے آج بھی نفرت

کمیونزم کے دور میں عجیب حالات تھے کہ اسلامی لباس تک سے لوگوں میں عداوت اور دشمنی پیدا کر دی گئی تھی اور وہ اثرات تو آج تک باقی ہے کہ کوئی اسلامی لباس میں جاتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارے دشمن ہیں؛ اس لیے وہاں کے لوگ ابھی بھی اسلامی لباس پہننے کی زیادہ ہمت نہیں کرتے؛ اس لیے جو مدرسین وہاں خدمت انجام دیتے ہیں وہ بھی شرٹ پینٹ میں ملبوس رہتے ہیں۔

ان میں سے بعض مدرسین کو ہم نے دیکھا کہ جب تک ہمارا قیام تھا ہمارے ساتھ وہ مدرسین اسلامی لباس میں رہے، پھر جب وہ جا رہے تھے تو انھوں نے فوراً ہوٹل سے ہی شرٹ پینٹ پہن لیا۔

اسلامی لباس کے متعلق عوام کا خیال اور حضرت مولانا ابراہیم صاحب پانڈور دامت برکاتہم کا عجیب جواب

بہت سے مسلمان جو ابھی تک اسلامی لباس اختیار نہیں کرتے جب مقامی علما سے ان کے متعلق مذاکرہ ہوا تو انھوں نے بتلایا کہ: یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ: ہمارا دل صاف ہے اور یہ بس کافی ہے، تو ہمارے حضرت مولانا ابراہیم صاحب پانڈور دامت برکاتہم العالیہ نے مجھے یہ کہا کہ:

ان کو ایک مثال سے سمجھاؤ! کہ دیوار پر لگی ہوئی ایک گھڑی ہے، اس کا ایک ظاہر ہے اور اس کا ایک باطن ہے، اس کا ظاہر ڈائل والا حصہ ہے، اس پر ایک سے

لے کر بارہ نمبر ہے اور اس میں تین کانٹیں ہیں اور اس کا باطن مشین والا حصہ ہے۔

اب ظاہر میں صرف یہ ڈائل ہو جس میں کانٹے اور نمبر ہو اور اندر مشین نہ ہو تو کیا یہ صحیح وقت بتائے گی؟ ظاہر ہے کہ صحیح وقت نہیں بتلائے گی۔

اور اگر صرف اس کا باطن یعنی مشین بہتر ہو؛ لیکن اس کا ظاہر نہ ہو تو کیا یہ صحیح وقت بتلائے گی؟ ہرگز نہیں۔

بلکہ یہ گھڑی اسی وقت صحیح وقت بتلائے گی جب اس کا ظاہر اور باطن دونوں ٹھیک ٹھاک ہو، بس! اسی طریقے سے ہمارے ظاہر میں اسلامی اعمال، اسلامی وضع قطع اور اسلامی لباس ہو اور دل کے اندر مضبوط ایمان ہو تب جا کر یہ ایمان و اسلام فائدہ مند ہوتا ہے۔

روزوں پر پابندی، اور مسلمانوں کا روزہ رکھنے کے لیے مجاہدہ

کمیونسٹوں کے زمانے میں روزے رکھنے کی بھی اجازت نہیں تھی، صبح صادق کے وقت محلوں میں پولس آتی تھی اور جس کے گھر میں لائٹ چل رہی ہو یا چراغ جل رہا ہو تو وہ یوں سمجھتے تھے کہ یہ سحری کھانے کے لیے اٹھے ہیں، اس کو نوٹ کر لیتے تھے اور پھر دن میں نو دس بجے آ کر ان کو زبردستی شراب پلاتے تھے۔

ان مسلمانوں کو ہزار سلام! انھوں نے ایسے حالات میں بھی اسلامی اعمال پر اپنے آپ کو جما کر رکھا، رات کے شروع حصے میں سحری کھا لیتے تھے اور پھر پورا دن اس طرح گھریلو اور کاروباری کام کرتے تھے کہ جیسے روزہ ہی نہیں رکھا ہے، اس طرح محنت کے کام کرتے تھے کہ کسی کو شک تک نہیں ہونے دیتے تھے کہ ہمارا روزہ ہے۔

تہہ خانوں میں قرآنی تعلیم کا عجیب وغریب نظام

ان لوگوں نے قرآنی تعلیم کی غرض بڑے بڑے تہہ خانے بنائے تھے؛ چونکہ گھر میں قرآن نہیں رکھ سکتے تھے تو قرآن کی تعلیم کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا؛ اس لیے جب شہر میں لوگ سو جاتے، سناٹا ہو جاتا تو چھوٹے چھوٹے بچوں کو لے کر ان تہہ خانوں میں چلے جاتے اور چپکے سے معلم آجاتے اور وہاں بیٹھ کر رات کی اندھریوں میں چھوٹے چھوٹے چراغ جلا کر بچوں کو قرآن پڑھایا جاتا تھا، کیسی قربانی ان لوگوں نے دی! صحیح بات ہے کہ اللہ نے جو فرمایا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝۹ (الحجر)

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ ہم ہی نے ذکر (یعنی قرآن) اتارا اور ہم ہی اس (قرآن) کی پوری حفاظت کریں گے۔

وہاں یہ سمجھ میں آتا ہے، ایسے مظالم کے درمیان اللہ سبحانہ وتعالیٰ قرآنِ مجید اور قرآن کی تعلیم کی کیسے حفاظت فرماتے ہیں!

اور وہ مسلمان بھی قابلِ مبارک باد ہیں جو راتوں میں قربانیاں دے کر کیسے اپنے بچوں کو قرآن سکھاتے تھے!

کتابیں پڑھنے پڑھانے کا بے مثال طریقہ

کمیونزم کے زمانے میں کتاب پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ بھی عجیب ہوتا تھا کہ بڑے بڑے عالموں کو کمیونسٹوں نے جیلوں میں بند کر دیا تھا، کچھ عالم لوگوں کو زبردستی

کام میں لگادیا تھا، کسی کو کھیتی میں لگادیا تو کسی کو صفائی کے کام میں لگادیا، ایسے حالات میں علمانے یہ ترتیب اپنائی کہ کھیتی میں کام کررہے ہیں تو پڑھنے والے بچوں کو کہتے تھے کہ: تم میرے ساتھ مزدوری کرنے کے نام پر یا میری مدد کے نام پر کھیت میں آجایا کرو، میں بھی کھیت میں کام کروں گا، تم بھی میرے ساتھ کھیت میں کام کرواور تہہ خانوں میں سے روزانہ درسی کتاب کا ایک ایک صفحہ نکال کر لایا کرو، پوری کتاب لانے میں خطرہ تھا؛ چنانچہ طلبہ روزانہ ایک ایک صفحہ لے کر آیا کرتے، اور کھیتی کا کام کرتے کرتے علما بچوں کو مسئلے مسائل سکھاتے اور کتابوں کا درس دیتے تھے۔

واقعہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی کیسے حفاظت فرمائی! اور ان لوگوں میں دین کے سیکھنے اور سکھانے کی طلب کیسی ہوگی!

ہمارے ملک میں دینی آزادی پر ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے

میرے مسلمان دینی بھائیو! یہ ہمارے لیے بڑی عبرت کا مقام ہے، اس وقت ہم جس ملک میں زندگی گزار رہے ہیں الحمدللہ! دین کی تعلیم اور دین پر عمل کے سلسلے میں ہم پر کوئی پابندی نہیں ہے، اللہ کے واسطے اس آزادی کی قدر کرو، اس آزادی کو غنیمت سمجھو، اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتیں ہیں:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۞ (ابراهیم)

ترجمہ: اگر تم واقعی (میرا) شکر کروگے تو میں تم کو زیادہ (نعمت) دوں گا اور اگر تم نے (میری نعمت پر) ناشکری کی تو اچھی طرح سمجھ لینا کہ میرا عذاب بہت سخت ہے۔

یعنی اللہ کے شکر سے نعمت میں اضافہ ہوتا ہے، شکر کیا ہے؟ یہ مسجد، مدرسے، یہ

مکتب، دارالعلوم، جامعات، خانقاہ، مرکز، علما ان سب سے خوب دینی فائدہ اٹھاؤ، ان سے صحیح علم وعمل حاصل کرو، دلوں کی اصلاح کراؤ۔

ان بے چاروں نے ستّر ستّر سال کمیونشٹوں کے ظلم میں رہ کر کس طرح بچوں کی تعلیم اور قرآن کی تعلیم کی فکر کی! اور آج اللہ نے ہمارے لیے کتنی آسانیاں کردی ہے۔

تین سال کے عرصے میں تقریباً ایک لاکھ مسلمان شہید کیے گئے

۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۵ء تک بوسنیا میں شدید جنگ ہوئی، اس تین سال کے عرصے میں سربیوں نے ایک لاکھ مسلمانوں کو شہید کیا، اس کے بعد ۱۹۹۶ء میں ایک مصالحت ہوئی اور مصالحت کے بعد یہاں جمہوریت جیسی حکومت قائم ہوئی۔

آزادی کے بعد جب پہلی مرتبہ برطانیہ کے احباب گئے تو مسلمانوں کی دینی حالت

۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۵ء کے عرصے میں انگلینڈ سے احباب نے وہاں جا کر مسلمانوں کی ملاقاتیں شروع کی، ۱۹۹۳ء میں جب مولانا حسن سیدات صاحب اور ان کے رفقا کا پہلا سفر ہوا تو چھوٹے چھوٹے بچے صلیب ہاتھ میں لے کر سامنے آتے تھے، ان بچوں کے پاس مسلمان ہونے کی علامت کے طور پر تسبیح تھی، ٹوپی تھی۔

شربت کی جگہ شراب

اسی طرح برطانیہ کے ان علما اور دینی فکر رکھنے والے بھائیوں نے البانیا میں ہمیں وہ جگہیں بھی بتلائی کہ ہم جب یہاں آئے تو یہاں کے عام مسلمانوں میں دین کی

سمجھ اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ جب ہم ان کے گھر ملاقات کے لیے جاتے تھے تو ہم کو استقبال میں شربت کی جگہ شراب پیش کرتے تھے، تمیز ہی باقی نہیں رہی تھی۔

چونکہ ۷۰، ۷۵ سال تک جب دین کی تعلیم عام نہ ہو، مسجدیں ویران ہوگئی ہوں، مدرسے مٹادیے گئے ہوں، مکاتب ختم کردیے گئے ہوں تو پھر مسلمانوں میں تعلیم کا سلسلہ کہاں پر باقی رہے گا؟

یہ تو چند اللہ کے بندے ایسی ہمت والے تھے جنھوں نے ایسی قربانیوں کے ساتھ چھپ چھپ کر قرآن اور دین کی تعلیم کا سلسلہ باقی رکھا۔

ایسے فتنے کے زمانے میں تین اسلامی علامتیں باقی تھیں

اتنے فتنے کے زمانے میں بھی اسلامی علامت کی تین چیزیں انھوں نے باقی رکھی تھیں:

① ختنہ کا عام رواج تھا، اتنے فتنے کے زمانے میں بھی ختنہ ہوتی تھی۔

② ٹوٹے پھوٹے، بگڑے ہوئے ہی صحیح؛ لیکن اسلامی نام بچوں کے رکھے تھے۔ ③ خنزیر اور سور سے لوگ بچتے تھے۔

یہ تین چیز ایمانی علامت کے طور پر باقی تھیں۔

انگلینڈ کے احباب کی محنت اور دینی فکریں

اب تو اس وقت ماشاء اللہ! انگلینڈ کی تنظیمیں مکاتب کے نظام کی فکریں کر رہی ہیں، ہمارے میزبان مولانا حنیف صاحب دودھ والا اور ان کی تنظیم بھی ماشاء اللہ!

مقدونیا میں بھی مکاتب کے قیام کی فکریں کر رہی ہے اور بوسنیا، البانیا میں بھی ان کے کئی مکاتب الحمدللہ! قائم ہوئے ہیں اور دعوت وتبلیغ کا کام بھی ماشاءاللہ! ہو رہا ہے۔

مولانا رفیق صاحب صوفی نے اپنی بیوی کے ساتھ ۱۹۹۵ء میں چار مہینے البانیا میں لگائے تھے اور خدمتِ خلق کے کاموں کو آپ نے بنیاد بنایا تھا اور مسلمانوں کی دینی فکریں فرمائی تھی۔

علم حاصل کرنے کے لیے بامشقت اسفار

مقدونیا سے کچھ حضرات نے پاکستان جاکر تعلیم حاصل کی اور عالم اور حافظ بنے ہیں، ان لوگوں کا حصولِ علم کا جذبہ بھی سننے کے قابل ہے، ان کے والدین غریب تھے، ان کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ ہوائی جہاز کے ذریعے ان کو پاکستان تک پڑھنے کے لیے بھیجے تو یہ لوگ زمینی راستوں سے سفر کرتے تھے، مقدونیہ سے نکل کر ترکی، ترکی سے ایران، ایران سے افغانستان، اس طرح کئی ملکوں کی سرحدیں پار کر کے وہ گیارہ گیارہ دن کے مسلسل سفر کے بعد پاکستان پہنچتے تھے، اور اس سفر کے درمیان سخت سردی، وقت پر کھانا نہ ملنا، ٹرکوں، بسوں اور ٹینکروں میں سفر، اس طریقے سے مشقت بھرے اسفار سے ان لوگوں نے تعلیم حاصل کی اور ماشاءاللہ! وہ عالم بن کر آئے اور اِس وقت وہ وہاں دین کی فکریں کر رہے ہیں۔

نیز ان ملکوں میں جس انداز کا کھانا کھایا جاتا ہے ان کو اس انداز کا کھانا پاکستان کے مدرسوں میں میسر نہ ہوسکا، جس کی وجہ سے ان کی طبیعت بھی خراب رہتی تھی؛ لیکن ان تمام مجاہدوں کے باوجود وہاں کے لوگوں نے علم حاصل کیا۔

ترکی خلافتِ عثمانیہ کے آثار

یہ علاقہ طویل عرصے تک خلافتِ عثمانیہ کے زیرِ اثر رہا؛ اس لیے ترکی اور خلافتِ عثمانیہ کے بہت سارے آثار یہاں پائے جاتے ہیں، مسجد کے امام صاحب کو ''حوجہ'' کا معزز لقب دیا جاتا ہے، مساجد بھی ترکی انداز کی بنی ہوئی ہیں، کم از کم ۳۰، ۳۵ میٹر اونچے اونچے وہاں مینارے ہوا کرتے ہیں، یہ اِس بات کی نشانی ہوتی ہے کہ یہاں مسلمان ہیں، نماز کے بعد اوراد و وظائف اور قرأت پڑھنے کا وہاں معمول ہے، جیسا کہ بندے نے ترکی کے سفرنامے میں لکھا ہے، اسی طرح سنن ونوافل کے بعد تسبیحِ فاطمی اجتماعی طور پر پڑھی جاتی ہیں اور اجتماعی طور پر دعا ہوتی ہے۔

الحمد للہ! اب کہیں کہیں برقعے بھی نظر آنا شروع ہوئے ہیں، اسلامی علامتی چیزیں؛ مثلاً کعبۃ اللہ کے فوٹو، مدینہ منورہ کے گنبدِ خضریٰ کے فوٹو، قرآنِ مجید، تسبیحات، کچھ دینی کتابیں، مصلے، عربی جبّے وغیرہ کی دکانیں بھی اب الحمد للہ! شروع ہو رہی ہیں۔

وہاں کا ایک اہم مسئلہ: مسلمان کی شناخت کیسے کریں؟

بندے نے قیامِ مکاتب کی نسبت سے مقامی حضرات سے مذاکرہ کیا کہ: بے طلب بھائیوں کے پاس محض دینی فکروں کے ساتھ ہم سامنے سے ملاقات کریں، کلمہ ونماز کی دعوت دیں، کسی طرح بستیوں میں مکاتب کا قیام ہو جائے تو جواب یہ ملا کہ:

یہاں ایک مشکل مسئلہ یہ ہے کہ یہاں آدھے سے زیادہ؛ بلکہ بعض ملک جیسے البانیا وغیرہ میں اکثریت مسلمانوں کی تھی؛ لیکن ان میں سے بہت بڑی تعداد جن کو

۔نعوذ باللہ۔مرتد بنادیا گیا تھا،اب ان کی پہچان کیسے کریں؟ اور ہم کیسے ان تک پہنچیں کہ یہ ہمارے مسلمان بھائی ہیں؟ کیوں کہ ظاہر کے اعتبار سے ان کو پہچاننا بہت مشکل ہے؛اس لیے کہ ان کا رنگ،ان کی شکل وصورت وہاں کے مقامی عیسائیوں جیسی ہے۔

ہاں!اگر وہ خود سامنے سے سلام کریں یا اپنی پہچان کرائیں کہ میں مسلمان ہوں تب پہچاننا ممکن ہوتا ہے۔

وہاں کے مسلمانوں کی ایک خوبی

ایک طویل عرصے تک کمیونزم کی وجہ سے اگرچہ ظاہر میں مسلمانوں سے اسلامی علامتیں مٹادی گئیں اس کے باوجود وہاں کے مسلمانوں میں ہم نے ایک خوبی یہ دیکھی کہ:ان کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے متعلق بے انتہا محبت کے جذبات ہیں اور ان کا باطن بہت ہی صاف ستھرا ہوتا ہے۔

ہمیں دیکھ کر ان لوگوں کی بے انتہا خوشی

وہاں کے نوجوان،چھوٹے بچے اور معمّر سب لوگ اتنے خوش تھے کہ ہمارے وفد کو دیکھ کر اصرار کر رہے تھے کہ ہم آپ کے ساتھ فوٹو (Selfie) لینا چاہتے ہیں، اس دن ان کی خوشی کی انتہا نہ تھی،اور جہاں جہاں بھی ہمارے بیانات ہوتے تو اسلامی لباس دیکھ کر اتنے خوش ہوتے اتنے خوش ہوتے کہ چھوٹے چھوٹے معصوم بچے، نوجوان لڑکے،بڑی عمر کے لوگ سب موبائل لے کر آتے کہ ہمارے بازو میں کھڑے رہو؛تاکہ ہم یادگار کے طور پر فوٹو لیں۔اور ان کو سمجھانا مشکل ہوجاتا۔

بعض حکومتوں کی عجیب تضاد بیانی

ایک بہت ہی تعجب کی متضاد بات ان ملکوں میں بھی ہے اور ہمارے ملکوں میں بھی ہے، وہ یہ ہے کہ حکومتیں مسلمانوں کی واقعی تعداد کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں جیسا کہ مقدونیا میں حقیقت میں تقریباً ۴۰، ۴۵ فی صد مسلمان ہیں؛ لیکن حکومت کم ہی فی صد مسلمانوں کو تسلیم کرتی ہے۔

یہی حال ہمارے بھارت کا بھی ہے کہ تقریباً ۲۰ سے زائد فی صد مسلمان اس ملک میں الحمد للہ! ہیں اور حکومت اس کو تسلیم نہیں کرتی ہے اور دوسری طرف تضاد بیانی یہ بھی ہے کہ ہر چند دنوں میں یہ شور ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی ہے، یہ ایک عجیب متضاد بات ہے کہ حکومت مسلمانوں کی حقیقی تعداد کو تسلیم بھی نہیں کرتی اور دوسری طرف اس طرح دوسرے مذہب والوں کو بے حقیقت چیزوں سے ڈرایا جاتا ہے۔

شور اور فتنہ برپا کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور اتنے سالوں میں ان کی اکثریت ہو جائے گی یہ عجیب وغریب تضاد بیانی ہے۔

بہرحال! اب آپ کے سامنے سفر کی تازہ کارگزاری پیش کی جاتی ہے۔

ایک اہم میزبان: مولانا حنیف صاحب دودھ والا

ہمارے اِس سفر کے اہم میزبانوں میں سے ''مولانا حنیف صاحب دودھ والا'' تھے، جو انگلینڈ میں ایک تنظیم چلاتے ہیں، مولانا حنیف صاحب ماشاءاللہ! بہت ہی فکرمند، ہمیشہ ہنسے ہنسانے والے، کھانے پینے اور کھلانے پلانے کے باذوق عالمِ دین

ہیں، کھانے کے شوقین ہونے کے باوجود انھوں نے اپنی ایک ذاتی بات بتائی کہ: فجر کے وضو سے الحمدللہ! عشا کی نماز پڑھتا ہوں۔

حالاں کہ عام طور پر اس طرح کھانے پینے کے ذوق والا آدمی جو بے تحاشا ہر طرح کا کھاتا ہو اس کا پیٹ خراب رہتا ہے۔

تخفیف ہوئی، ازالہ نہیں ہوا

ماشاء اللہ! لطائف ان کو نوکِ زبان ہیں، انھوں نے اپنے ایک استاذِ محترم کا واقعہ بتایا کہ: طالبِ علمی کے زمانے میں میرے ایک استاذ مجھ سے ناراض ہو گئے، میرے ایک ساتھی ان کے پاس مجھے معافی مانگنے کے لیے لے گئے، رات میں تقریباً ۴ بجے تک میں ان کی خدمت میں بیٹھا، وہ اپنے کسی اور کام میں مشغول رہے، کسی اور عالم کے ساتھ مذاکرہ میں مشغول رہے، چار بجے مجھے فرمانے لگے کہ: جایئے! جا کر سو جایئے، آپ کے اس آنے سے اور آپ کے اتنی دیر بیٹھنے سے آپ کی طرف سے جو تکلیف پہنچی تھی اور اس سے میرے دل میں جو رنج تھا اس میں اور نارضگی میں تخفیف ہوئی، ازالہ نہیں ہوا، یہ جملہ بہت پسند آیا "تخفیف ہوئی ہے، ازالہ نہیں ہوا ہے"۔

خوش رہنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے

مولانا حنیف صاحب دودھ والا نے ایک لطیفہ سنایا کہ: ہمارے ایک ساتھی مولانا عثمان صاحب ہمیشہ ہنستے رہتے ہیں، خوش ہوتے رہتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ بیوی جو کہتی ہے وہ کرتے ہیں اور مانتے ہیں، اس پر وہ ہمیشہ خوش اور ہنستے رہتے ہیں۔

ہمارے سفر کی ابتدا

اور ہوائی جہاز میں ایک عورت کے اسلام لانے کا واقعہ

الحمدللہ! ۲۰ جون ۲۰۱۸ء ہمارا تقریباً چالیس (۴۰) آدمیوں کا قافلہ حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب، حضرت مولانا ابراہیم پانڈور صاحب کی معیت میں لندن ائیر پورٹ سے روانہ ہوا، میں ہوائی جہاز میں بیچ میں تھا اور قاری عبدالحنان صاحب ایک طرف تھے اور حضرت مفتی صاحب بالکل پیچھے تھے؛ کیوں کہ ویل چیئر سے تشریف لائے تھے اور مفتی یوسف بن شیخ شبیر صاحب حضرت کے پڑوس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہی مفتی یوسف صاحب اور مفتی عبدالحمید صاحب ہمارے انگلینڈ کے سفر کے میزبان ہیں۔

دورانِ سفر ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم الشان نعمت بھی ہے اور رحمت بھی ہے، وہ یہ کہ ہوائی جہاز میں میسیڈونیا کی ایک نوجوان نہایت خوب صورت خاتون بیٹھی ہوئی تھی، بالکل ماڈرن اسٹائل کے کپڑے پہنے ہوئے تھی، جو یوکے (U.K) اپنی بہن کے یہاں ملنے گئی تھی، مولانا حنیف صاحب دودھ والا ان کے بازو میں تھے۔

مولانا حنیف صاحب کہتے ہیں کہ: میرا یہ معمول ہے کہ اڑوس پڑوس والوں کے ساتھ کچھ بات چیت کر لیتا ہوں تو انھوں نے اس کے ساتھ کچھ علیک سلیک کیا، اس لڑکی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے یہاں سے کچھ اور ہی فیصلہ تھا۔

انھوں نے آپس میں باتیں کرنا شروع کی، درمیانِ گفتگو اس نے یہ کہا کہ: تم سب کو دیکھ کر مجھے مکہ یاد آ گیا۔

ہمارے ساتھی نے اس سے سوال کیا کہ: آپ مسلمان ہو؟

اس نے جواب دیا کہ: میں مسلمان نہیں ہوں۔

ساتھی نے پوچھا کہ: پھر مکہ کیسے یاد آ گیا؟

اس نے کہا کہ: جب میں مکہ کی تصویریں دیکھتی ہوں تو وہاں ایسے ہی سب دین دار لوگ نظر آتے ہیں۔

پھر اس سے یہ سوال کیا کہ: مذہب کے اعتبار سے آپ کیا کرتی ہو؟ کونسے مذہب کے مطابق زندگی گزارتی ہو؟

الحمدللہ! بہت کھل کر اس نے بات کی کہ: میرے دل میں کئی سالوں سے مسلمان ہونے کی تمنا ہے، نہ میں نماز پڑھتی ہوں اور نہ روزہ رکھتی ہوں اور مجھے کچھ لوگوں نے کہا کہ: اگر تم روزہ نہ رکھو، نماز نہ پڑھو تو تم مسلمان نہیں بن سکتی۔

ہمارے ساتھی نے ان کو اطمینان سے سمجھایا کہ: اصل اسلام اور ایمان عقیدہ کی بات ہے، اگر آپ نے اللہ رب العزت پر یقین کر لیا اور حضرت محمد ﷺ کو آخری نبی مان لیا تو اسلام میں داخل ہو گئی اور اس کے ساتھ ساتھ پانچ ارکان پر یقین لانا، باقی عمل کرنا یہ آہستہ آہستہ آپ کی زندگی میں آ جائے گا، پہلے تو آپ اس پر ایمان لاؤ، پھر عملی زندگی آپ کی بن جائے گی۔

پتہ چلا کہ یہ خاتون ایک زمانے میں افغانستان میں نیٹو کی ملٹری کے لیے کام

بھی کرتی تھی، اس وقت سے اس کو مسلمانوں کے ساتھ بہت زیادہ ہمدردی تھی، وہ ان مظالم سے متفق بھی نہیں تھی اور اس نے مسلمانوں کی بہت زیادہ مدد بھی کی تھی، اس نے اسلام پر کافی ریسرچ بھی کیا ہوا تھا اور اس کے بہت سارے دوست مسلمان بھی تھے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اسلام قبول کریں۔

دورانِ گفتگو اس کو سفر کا مقصد بتایا گیا اور یہ بھی کہ ہم لوگ حضرت مفتی احمد صاحب کے ساتھ ہیں۔

ساتھیوں نے اس کو ایک واقعہ بتایا جس کا تذکرہ بندہ محمود بارڈولی نے اپنی کتاب ''دیکھی ہوئے دنیا'' میں کیا ہے کہ:

ایک مرتبہ جنوبی افریقہ کا سفر ہو رہا تھا، حضرت مفتی صاحب کا نورانی چہرہ دیکھ کر ایک ائیر ہوسٹس نے سوال کیا کہ: یہ کون سا میک اپ لگاتے ہیں۔

اس کو جواب دیا گیا کہ: یہ کوئی میک اپ نہیں لگاتے ہیں؛ بلکہ یہ تو ایمان اور اعمال کا نور ہے۔ اس پر گفتگو آگے بڑھی اور اس نے ایمان قبول کیا اور بحمد اللہ! اب بھی مسلمان ہے، اللہ تعالیٰ زندگی آخری لمحے تک ایمان پر قائم فرماوے، آمین۔

نوٹ: تفصیلی واقعہ دیکھی ہوئی دنیا جلد تین: ص: ۱۴ پر ملاحظہ فرمالیں۔

یہ واقعہ اس خاتون کو سنایا تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی توفیق سے اس کے دل میں یہ بات آئی کہ وہ بھی حضرت مفتی صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیں، حضرت مفتی صاحب جہاز میں پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، ہمارے ساتھی مولانا رفیق صاحب اور مولانا یوسف صاحب اس کو پیچھے لائے، اس کے کچھ سوالات تھے تو حضرت مفتی صاحب نے

اس کے جوابات دیے۔

ان سوالات میں سے ایک سوال یہ تھا کہ: اس کو کسی نے بتایا تھا کہ اسلام قبول کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مسجد میں جائے۔

مفتی صاحب نے اس کو سمجھایا کہ: یہ کوئی ضروری نہیں ہے۔

اس کو ایمان کا مفہوم سمجھایا کہ ایمان ماننے کو کہتے ہیں، حضرت مفتی صاحب نے یہ بھی بتایا کہ: جاننا الگ ہے، ماننا الگ ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی اس کے کچھ سوالات تھے، اس نے سجدہ میں قرآنِ کریم کی تلاوت کی ہوگی تو کسی نے اس کو بتایا ہوگا کہ یہ گناہ ہے، حضرت مفتی صاحب نے اس کو سمجھایا کہ: یہ گناہ نہیں ہے، یہ ایسی چیز ہے کہ نہ کیا جائے تو بہتر ہے؛ اس لیے کہ سجود میں دعا اور استغفار اور تسبیح ہونا چاہیے، اور قرآنِ کریم یہ کلام اللہ ہے، اس کی شان یہ ہے کہ قیام کی حالت میں اس کی تلاوت کی جائے۔

حضرت مفتی صاحب نے اس کو ایمانِ مجمل اور ایمانِ مفصل سمجھایا، ہر ایک کی مختصر تشریح کر کے اردو میں سمجھایا اور مفتی یوسف اور مولانا رفیق صاحب نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا اور مفتی صاحب نے اس کو مبارک بادی بھی پیش کی۔

اس کو یہ بھی کہا کہ: حدیث میں ہے کہ جو شخص اسلام قبول کر لے تو اس کے سابقہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب نے اس کو خوش آمدید کہا، اس کو خوش خبری دی اور اس نے بھی بہت ہی شکریہ کا اظہار کیا اور الحمد للہ! جہاز ہوا میں تھا، اور اس نے وہاں اسلام قبول کیا اور اللہ کے فضل وکرم سے وہ عورت ایمان لے آئی۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو استقامت عطا فرمائے، آمین۔

حضرت نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ایک شخص کو تمھارے ذریعے ہدایت مل جائے تو لال اونٹوں سے زیادہ تمھارے لیے بہتر ہے۔

الحمد للہ! ہمارے اس سفر کے شروع ہوتے ہی ایک لڑکی نے ایمان قبول کیا، اس سے ہم نے نیک فالی لی کہ ان شاء اللہ! ہمارا یہ پورا سفر اللہ کے یہاں مقبول ہوگا اور بہت سارے لوگوں کی زندگی میں اسلام اور ایمان کی تازگی کا ذریعہ بنے گا۔

بدھ کے دن مقدونیا کے شہر اوہرد (ohird) میں

بہر حال! ہم ۶ رشوال المکرم ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۰ رجون ۲۰۱۸ء بروز بدھ صبح برطانیہ سے چلے تھے اور بدھ ہی کے دن شام کے وقت ہم مقدونیا پہنچے اور مقدونیا کے شہر ''اہرید (Ohird)'' میں اترے تھے، یہ بہت خوب صورت شہر ہے، وہاں کے ایک عمدہ جھیل کے کنارے ایک ہوٹل میں ہمارا قیام رہا۔

کہتے ہیں کہ: مقدونیا میں ساڑھے بائیس لاکھ کے قریب آبادی ہے اور اس میں آدھی آبادی مسلمانوں کی ہے، اس ملک کے تین حصے مکمل پہاڑی ہیں۔

دوسرے دن جمعرات کو تبلیغی مرکز ''تیتووا (Tetovo)'' میں

۷ رشوال المکرم ۱۴۳۹ھ، مطابق ۲۱ رجون ۲۰۱۸ء جمعرات کی دوپہر اس وقت ہماری خوشی کی انتہا نہ رہی جب یہ بتایا گیا کہ آج دوپہر کا پروگرام یہاں کے بہت بڑے تبلیغی مرکز پر ہے، ہم لوگ ''تیتووا'' مرکز گئے۔

حافظ پٹیلؒ کی دینی فکروں سے پورے یورپ میں ایمانی بہار

اللہ سبحانہ وتعالیٰ مرحوم حافظ پٹیل صاحب کی قبر کو نور سے منور فرمائے،آمین، بھارت گجرات کے ایک چھوٹے سے دیہات مانیک پورٹکولی کے رہنے والے وہ آدمی، ڈابھیل میں پڑھے اور پورے یورپ کو انھوں نے اپنی فکروں سے ہلا دیا۔
ڈین مارک،فین لینڈ وغیرہ یورپی مما لک میں آپ کی فکروں کی برکت سے تبلیغی مراکز قائم ہوئے،تو ساتھ ہی انگلینڈ، پناما،امریکا وغیرہ ملکوں میں آپ کی فکروں سے دارالعلوم بھی قائم ہوئے۔

وہاں پر پتہ چلا کہ یہ پورا مرکز مرحوم حافظ پٹیل صاحبؒ کی فکروں سے قائم ہوا ہے اور اب آئندہ یہاں پر دارالعلوم قائم کرنے کا بھی پلان ہے،حافظ پٹیل صاحبؒ نے اپنی حیات مین ایک زمین خرید کر ایک چھوٹا سا حجرہ بنایا تھا،ان کی وفات کے بعد ان کے لائق فرزند ہمارے جامعہ ڈابھیل کے فاضل: مولانا سعید صاحب کی کوششوں اور حضرت حافظ صاحب کی آرزو اور دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے شاندار مرکز بنوادیا۔

وہاں کے لوگوں نے بتلایا کہ: اگر مسجد، مکتب اور ہسپتال تین ایک ساتھ ہوں تو حکومت کی طرف سے اجازت لینا آسان ہوجاتا ہے۔

’’تیتو وا‘‘ مرکز پر شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی صاحب کی موجودگی میں بندے کو دینی بات بیان کرنے کی سعادت

یہیں مرکز پر ظہر سے پہلے حضرت مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم بھی

تشریف لائے، حافظ پٹیل صاحبؒ کے صاحب زادے مولانا سعید صاحب پٹیل نے چند افراد کو لنڈن سے ہمارے قافلے کی خدمت کے لیے بھیجا تھا، اس قافلے میں: اقبال بھائی (لندن)، ماشاء اللہ! ان کے ایک بیٹے کی البانیا میں شادی بھی ہوئی ہے اور عطاء اللہ بھائی (لندن)، بابر وسیم خان (لندن)، نوید بھائی (لندن) یہ سب تھے۔

ظہر کے بعد سب سے پہلے بندہ محمود کا خطاب ہوا، پھر حضرت مفتی محمد تقی صاحب کا اور پھر مفتی شبیر احمد صاحب نے بیان کیا اور یہ بندے کے لیے بہت بڑی سعادت تھی کہ تیتیو وا مرکز پر حضرت مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم کے ساتھ بیان کرنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی اور مفتی صاحب نے اپنے بیان میں بندے کے بیان کی ایک دو باتوں کا حوالا بھی دیا۔

مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم کے بیانات کا خلاصہ

شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے اپنے بیانات میں ان باتوں پر زور دیا کہ:

ان ممالک میں سلفی، وہابی اس طرح کے اختلاف سے بالاتر ہو کر امتِ مسلمہ "هو سماكم المسلمين" کے طرز پر مسلمانوں کو متحد ہو کر رہنا چاہیے۔

ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے ہم کو اسلام پر پیدا فرمایا، تو ہماری چاہت یہ ہے کہ موت بھی اسلام پر آوے اور درمیانی زندگی بھی ہماری اسلام کے مطابق گزرنی چاہیے؛ اس لیے مسلکی تعصّبات سے اوپر ہو کر ہمیں امتِ مسلمہ ہو کر ان ممالک کے اندر کام کرنا ہے۔

مکاتب، مدارس وغیرہ کے قیام کی فکریں کرنی چاہیے، بچوں میں اسلامی تعلیم عام ہواس کی کوششیں کرنی چاہیے۔

حضرت مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم نے ۲۰۰۶ء میں حضرت مولانا رفیق صاحب دودھ والا ہی کی تنظیم کی دعوت پر سب سے پہلے البانیا کا سفر کیا تھااور اس کی کارگزاری بھی آپ نے لکھی تھی، حضرت مفتی صاحب نے اپنے بیان میں بتلایا کہ: میں ۲۰۰۶ء میں آیا تھا، اس وقت اور اب بہت فرق معلوم ہورہا ہے، اُس وقت لوگ بہت مشکل سے بہت کم تعداد میں مسجد میں نظر آتے تھے، اب مسجدوں میں ماشاء اللہ! نمازیوں کی تعداد بھی بہت بڑی ہے، اُس وقت بیانات میں لوگ بیٹھنے کے لیے تیار نہیں تھے، لوگوں کی انفرادی ملاقاتیں کرکے بٹھا کر بات سنانی ہوتی تھی، اب بیانات میں ایک اچھا خاصا مجمع ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر برکت کے طور پر شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا بیان بعینہ نقل کروں۔

تیتیو وامرکز پر شیخ الاسلام حضرت اقدس مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین الخ...امابعد!

میرے محترم بھائیو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ

یہ میری بڑی خوش نصیبی ہے کہ آج آپ کے ملک میں اور اس ملک کے تبلیغی مرکز میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حاضری کی توفیق عطا فرمائی، میرا بنیادی طور پر خطاب ان حضرات سے ہے جو اس ملک میں آزاد ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو عافیت کے ساتھ آزاد رکھے، آمین۔

میں سب سے پہلے تو آپ حضرات کو رسمی طور پر نہیں؛ بلکہ دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو اِس ملک میں دین کے کام کے لیے منتخب فرمایا اور بہ حیثیت ایک مسلمان کے میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو ایمان کی حلاوت عطا فرمائی وہ شاید ہم جیسے لوگوں کے اندر موجود نہیں ہے؛ اس لیے آپ افضل ہیں۔

(ان کلمات کو ارشاد فرماتے ہوئے حضرت آب دیدہ ہو گئے)

اس کی وجہ یہ کہ الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک ایسے ماحول میں پیدا فرمایا جو چاروں طرف سے ایمان کا ماحول تھا اور ایمان کے حاصل کرنے کے لیے یا اس کو محفوظ کرنے کے لیے ہمیں کوئی پاؤں میں کانٹا بھی نہیں چبھا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہمیں یہ نعمت عطا فرمائی اور اس میں ہمیں نہ کوئی جان کی قربانی دینی پڑی اور نہ تکلیف اٹھانی پڑی، اس کے برخلاف آپ حضرات پر ایک طویل زمانہ ایسا گزرا ہے کہ جس میں ایمان کو بچانا ہاتھ میں انگارہ رکھنے کے برابر تھا۔

ایمان کی حلاوت

حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جب مکی زندگی میں ایمان لائے اور انھوں نے اس

کے لیے جوقربانیاں دیں،اس کے لیے جوتکلیفیں اٹھائیں اور جواذیتیں برداشت کیں، ایمان کی جوحلاوت اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کوعطا فرمائی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے لیے آپ کواس دور میں منتخب کیا،ایک حدیث میں حضرت نبیٔ کریم ﷺ نے یہ بات ارشادفرمائی کہ: آنے والے زمانے میں ایک وقت ایسا آئے گا کہ ایمان کومحفوظ رکھنا ہاتھ پر انگارہ رکھنے کے برابر ہوگا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کواس دور سے گزاراتو اس حدیث پاک کا مصداق بنایا۔

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ایک طویل مدت کے بعدآپ کو ایک طرح سے کسی قدر آزادی عطا فرمائی اوراپنے دین پرعمل کرنے کے راستے آسان فرمادیے جس پراللہ تعالیٰ کا جتنا شکرادا کیا جائے کم ہے۔

ایک اہم ذمے داری

اب آپ کے اوپر ایک اور آزمائش اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اوراس آزمائش میں پورااترنے کے لیےاوراس کی ذمے داریاں ادا کرنے کے لیےاللہ تعالیٰ ان شاءاللہ! آپ ہی کومنتخب فرمائیں گے۔

اوروہ ذمے داری یہ ہے کہ اولاً تو جواس ملک کے اندر یااس کےقرب وجوار میں جومسلمان آبادہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کےفضل وکرم سے ابھی تک وہ کلمہ ’’لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ‘‘ کی بنیاد پراپنے آپ کومسلمان سمجھتے ہیں اورمسلمان کہلاتے ہیں؛لیکن اس طویل عرصے میں جوان پر جبرواستبداد کا زمانہ گذرااس میں ان پرتمام طریقے کی کوششیں کی گئیں کہ ان کے ذہن، ان کی فکر، ان کے اعمال کواسلام سے دور

کر دیا جائے؛ لہذا ایک بڑی اکثریت باوجود مسلمان ہونے کے اسلام کے بنیادی احکام اور بنیادی عقائد سے بھی ناواقف اور دور نظر آتی ہے۔

اب ان مسلمان بھائیوں کو حکمت کے ساتھ، محبت کے ساتھ، پیار کے ساتھ ایمان کے اعمال کی طرف متوجہ کرنا یہ بہت بڑی ذمے داری ہے جو آپ حضرات کے اوپر عائد ہوتی ہے، ان کو اس بات کا احساس دلانے کی ضرورت ہے کہ ایمان کا واضح مطلب یہ ہے **جیسا کہ اس سے پہلے مولانا محمود صاحب نے فرمایا کہ:** انسان کی آخرت درست ہو اور دنیا میں جتنا بھی کچھ کام کیا جاتا ہے وہ قبر میں جا کر ختم ہو جاتا ہے، قبر کے بعد جو آنے والی ابدی زندگی ہے، ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی ہے اس کو ہم کیسے بہتر بنائیں، دنیا کے اندر رہتے ہوئے اس آخرت کے لیے کس طرح کام کریں اس کی طرف لوگوں کو پیار اور محبت سے متوجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

دعوت و تبلیغ

جو لوگ مسلمان ہونے کے باوجود عملی طور پر اسلام سے دور ہیں ان کو اسلام اور اسلام کے اعمال کی طرف قریب لانے کے لیے الحمد للہ! اس دور میں سب سے زیادہ مؤثر محنت اور مؤثر کام تبلیغی جماعت کا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس جماعت کے ساتھ منسلک ہو کر اس کام کو چلانے اور بڑھانے کے لیے جو بزرگوں نے طریقے مقرر کیے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت دی ہے اور اس کے حیرت انگیز اور بڑے مؤثر نتائج ہمیشہ ہر جگہ ہر ملک میں سامنے آئے ہیں۔

تو اس کام کے لیے اور اس طریقے کے مطابق کام کرنے کے لیے جو میں نے

آپ سے عرض کیا تھا کہ ایک بہت بڑی ذمے داری ہے اور وہ ذمے داری یہ کہ اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کو اس طرف جوڑیں اور جتنا زیادہ سے زیادہ اس طرف لا سکے اس کے لیے کوئی کوشش میں کوتاہی نہ کریں۔

میں ابھی الحمد للہ! دیکھ کر آیا ہوں، اسکوپیا (Scopie) سے لے کر یہاں تک جگہ جگہ مسجدیں ہیں، مسجدوں کے مینار نظر آتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ ہمارے بزرگوں کے قائم کیے ہوئے ادارے ہیں، ان میں سے ہر مسجد میں آنے والوں کی تعداد کم ہیں؛ لیکن ہر مسجد میں وہاں پر اگر تعلیم اور گشت کا سلسلہ شروع ہو، کوئی مسجد اس سے خالی نہ رہے تو ان شاء اللہ! بہت جلدی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اس صورتِ حال میں تبدیلی آئے گی۔

ایک تو اس نہج پر اپنی طاقت، اپنا وقت اور مال خرچ کرنے کی ضرورت ہے۔

تعلیمی اداروں کا قیام

دوسری ایک بہت بڑی ذمے داری جو ہم سب مسلمانوں کی ذمے داری ہے وہ یہ کہ ہم اپنی آئندہ نسلوں کی ایمان کا تحفظ کریں، قرآنِ کریم میں فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا. (التحریم)

کہ اے ایمان والو! اپنے آپ کو بھی آگ سے بچاؤ، اپنے اہل وعیال کو بھی آگ سے بچاؤ۔

اگر ہم نے اپنے بچوں کی اس وقت فکر نہ کی اور ان کو زمانے کے عام حالات کے بہاؤ میں چھوڑ دیا تو اللہ نہ کرے کہ آگے چل کر وہ ایمان کی دولت سے بھی محروم ہو

جائے، اس واسطے اس بات کی ضرورت ہے کہ ان بچوں کے ایمان کے تحفظ کے لیے کچھ اقدامات کیے جائیں۔

اور علم کے تحفظ کا واحد طریقہ موجودہ دور میں یہ ہے کہ مسلمان اپنے تعلیمی ادارے قائم کریں اور کم از کم اپنا ایک تعلیمی ادارہ نمونہ اور مثالی ہو اس طریقہ سے تعلیمی ادارہ قائم کیا جائے کہ ہمارے بچے ہمارے نوجوان غیروں کی تعلیم گاہوں میں جانے کے محتاج نہ رہیں؛ بلکہ خود مسلمانوں کی تعلیم گاہوں میں اور مسلمانوں کے ماحول میں رہ کر، مسلمانوں کی تربیت میں رہ کر وہ مسلمان بنیں، ان شاء اللہ! کچھ عرصے کے بعد بڑی واضح تبدیلی آئے گی جیسا کہ اس کا تجربہ بہت سے ایسے ملکوں میں ہو چکا ہے جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، یہاں تو ماشاء اللہ! ایک بہت بڑی اکثریت مسلمانوں کی ہے، بعض جگہوں پر اکثریت ہے اور بعض جگہ پر اقلیت ہے وہ بہت کم تعداد ہیں؛ لیکن جہاں مسلمان بہت اقلیت میں ہیں جیسے انگلینڈ کے حضرات یہاں موجود ہیں، جنوبی افریقہ کے لوگ موجود ہیں، وہاں پر ان حضرات نے کوشش کر کر کے ایسے ادارے قائم کیے کہ اس ادارے کے نتیجے میں الحمد للہ! بعض علاقوں میں جا کر ایسا لگتا ہے کہ یہاں الحمد للہ! خالص مسلمان ہیں اور اس کی وجہ سے مسلمان بچوں نے تعلیم بھی حاصل کی اور اپنے ایمان کی بھی حفاظت کی۔

اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے یہاں پر یہ تبلیغی مرکز قائم کرادیا، جن جن لوگوں نے اس میں محنت کی، جان سے، مال سے اور اپنی محنت سے اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو بہترین جزا عطا فرمائے، یہ ایک مرکز اللہ نے بنوادیا، اب اس مرکز کو آگے بڑھانا

اوراس کومؤثر بنانا یہ ہم سب مسلمانوں کی ذمے داری ہے۔

اور میں نے آج نماز میں دعا کی اور ابھی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس مرکز کو ایک نور کا مینار بنائے، اس کے ذریعے اللہ تبارک وتعالیٰ ایمان کا نور پورے ملک کے اندر پھیلائے اور ان شاء اللہ! ایسا ہوگا، ان شاء اللہ! ضرور ہوگا۔

ایمان کی محنت اور کام ایک آدمی سے بھی شروع ہوتی ہے اور ثانی اثنین جو ہوتے ہیں جو غار میں چھپے ہوئے ہوتے ہیں؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان کی نصرت فرماتے ہیں۔

نصرتِ الٰہی کی شرط

شرطیں دو ہیں: ایک یہ کہ اخلاص ہو، اللہ کے لیے ہو اور دوسرا یہ کہ طریقہ صحیح ہو اور ہر چیز میں رجوع الی اللہ ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا مانگنے کی عادت ڈالی جائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ایک آدمی کے کام میں بھی برکت دے دیتے ہیں، دو آدمیوں کے کام میں بھی برکت دے دیتے ہیں۔

اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ ایک مینارۂ نور بنا دیوے جس طرح یہ ایک مرکز بنا اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ ایک تعلیمی مرکز بھی بنا دیوے، اس میں مسلمانوں کی نسلیں ایمان سے منور ہو سکیں، اپنے دینی مستقبل کو محفوظ کر سکیں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ، میں آپ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ آپ نے یہاں تشریف لا کر ہمیں اپنی زیارت کروائی، اللہ تعالیٰ آپ کے ہر عمل میں برکت عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

نوٹ: اس بیان میں ملک کے دینی اعتبار سے نامور ذمے دار حضرات موجود تھے۔

حضرت مفتی محمد تقی صاحب کے ساتھ ایک دسترخوان پر

مقدونیا میں تیتو وا مرکز پر دوپہر کے بیان کے بعد پہلی مرتبہ ایک ساتھ بیٹھ کر حضرت مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم کے ساتھ کھانے کی سعادت حاصل ہوئی، مفتی صاحب صرف پھل کھانا چاہتے تھے، آپ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے تو فوراً سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور یہ حدیث پڑھی: لا اکل متکأ۔

حضرت مفتی محمد تقی صاحب کے کچھ اوصاف واقوال

آپ کا سفر میں کھانے کے سلسلے میں معمول اور ذوق

فرمانے لگے: جب آگے سفر کا پروگرام ہو تو میں کھاتا نہیں ہوں، صرف پھل پر اکتفا کرتا ہوں؛ ورنہ کھانے کے بعد میں بے بس ہو جاتا ہوں، آرام کا تقاضا ہوتا ہے۔

چوں کہ میزبان ایک باپ بیٹے تھے، باپ نے بڑی محبت سے اپنا ایک پالا ہوا دنبہ ذبح کیا ہوا تھا اور بیٹے نے ایک بکرا ذبح کیا ہوا تھا اور اس کو بھون کر اور شوربے والا بنا کر مختلف انداز کا پکا کر لائے تھے؛ اس لیے پھر حضرت مفتی محمد تقی صاحب نے ان کی محبت اور اصرار پر چند لقمے تناول فرمائے۔

کھانے کا عمدہ ذوق

کھانے پینے کے معاملے میں حضرت مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم کا بہت ہی عمدہ ذوق ہے؛ لیکن سادگی بھی بے انتہا ہے، تکلف بھی بالکل نہیں، بندے کو

بریڈ اور نان سے مناسبت نہیں ہے؛ اس لیے اقبال بھائی برطانیہ سے کئی روٹیاں ساتھ لائے تھے، وہ باسی ہونے کے باوجود مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم اس طرح کھا رہے تھے کہ پتہ بھی نہیں چل رہا تھا کہ وہ باسی روٹی کھا رہے ہیں۔

کھانے سے پہلے پانی

کسی ساتھی نے کھانے سے پہلے پانی پینے کی بات چھیڑ دی تو ارشاد فرمانے لگے کہ: یہ طبی معاملہ ہے، میری بھی عادت ہے کہ کھانے کے ایک گھنٹے کے بعد پانی پیتا ہوں؛ البتہ کھانا شروع کرنے سے پہلے گلا تر کرنے کے لیے تھوڑا سا پانی پی لیتا ہوں۔

چربی والا گوشت

تیتیو وا مرکز پر چربی والا گوشت ڈھونڈ کر دو چار لقمے کھائے، اور فرما رہے تھے کہ: مجھے یہ گوشت بہت پسند ہے، پھر اس کے بعد کراچی کے ایک بہت بڑے ڈاکٹر کے لکھے ہوئے مضمون کا حوالہ دے کر فرمایا کہ:

یہودیوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں حرام فرمائی اُس میں بطور عذاب کے چربی کو حرام کرنے کا تذکرہ آیا ہوا ہے، معلوم ہوا کہ لذیذ اور عمدہ نعمت عذاب کے طور پر ان کے لیے حرام کی گئی تھی، انھوں نے استدلال کے طور پر یہ آیت پیش کی ہے:

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۡ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ (الانعام)

ترجمہ: اور یہودیوں پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کردیے تھے، اور گائے اور بکری میں سے ان کی چربیاں ہم نے ان (یہودیوں) پر حرام کردی تھی؛ مگر جو (چربی) ان دونوں (گائے، بکری) کی پیٹھ یا آنتوں پر لگی ہوئی ہو یا جو (چربی) ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو (اس کا استعمال حلال تھا)، یہ ان کی شرارت کی وجہ سے ہم نے ان کو سزا دی اور یقیناً ہم تو سچے ہی ہیں۔

نتیجہ نکلا کہ چربی والا گوشت عمدہ ہوتا ہے اس کو کھانا چاہیے۔

قدرتی مناظر دیکھ کر اللہ کی یاد

آپ کو قدرتی نظارے دیکھنے کا بھی خوب شوق ہے، خود اپنے موبائل میں اس کا فوٹو بھی لیتے ہیں، ۲۰۰۷ء میں جب مشفقی حضرت اقدس مفتی احمد صاحب کے ساتھ مسجد کے افتتاح کی نسبت سے ہمارا نیوزی لینڈ کا پہلا سفر ہوا تھا تو چند ہی عرصے پہلے حضرت مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم کا بھی وہاں کا سفر ہوا تھا تو اس وقت مولوی امتیاز خیر گام والے جو اس وقت نیوزی لینڈ میں مقیم تھے، وہ بتانے لگے کہ: حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم جب خوب صورت مناظر دیکھتے ہیں تو بے اختیار ان کی زبان سے یہ آیت نکلتی ہے:

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: سو بڑی شان ہے اللہ تعالیٰ کی جو سب بنانے والوں میں سب سے اچھے بنانے والے ہیں۔

یہ ہے اللہ والوں سے سیکھنے کی بات کہ قدرتی مناظر دیکھ کر اللہ کو یاد کریں۔

بعض دیگر متفرقات اوصافِ حمیدہ

آپ نمازوں کے بعد اوراد اور دعاؤں کے بڑے پابند ہیں اور سنن کا بڑا اہتمام کرتے ہیں۔

لباس اتنا سادہ کہ کوئی دیکھ کر پہچان بھی نہیں سکتا کہ یہ اتنے بڑے عالمِ دین ہوں گے، ہمارے اکابرین میں سے حضرت نانوتویؒ، حضرت شیخ الہندؒ وغیرہم کے بارے میں جو سن رکھا ہے اس طرح کی عجیب وغریب آپ کی سادگی بھری زندگی ہے۔

نظام الاوقات کے بڑے پابند ہیں۔

بیان کا انداز بھی بڑا نرالا ہے، شروع میں مثبت انداز سے بیان فرماتے ہیں اور بعد میں ضروری منکرات پر تنبیہ بھی فرماتے ہیں اور جس ملک میں جاتے ہیں وہاں کی حکومت اور لوگوں کی خوبیوں کا بھی علی الاعلان تذکرہ فرماتے ہیں۔

آپ کی چھوٹوں کی حوصلہ افزائی بہت عجیب ہے، بڑے شوق سے چھوٹوں کی حوصلہ افزائی فرماتے ہیں۔

مقدونیا تیتیو وا مرکز پر اگر چہ دعوت وتبلیغ کے ذمے دار اور علما کا مجمع ہونے کی وجہ سے کیفیت کے اعتبار سے وہ مجمع بڑا تھا؛ لیکن کمیت کے اعتبار سے بہت چھوٹا مجمع تھا، پھر بھی آپ نے وہاں پر بھی بہت پُرمغز اور بہت ہی قیمتی بیان فرمایا، جیسے کہ ہمارے عام لوگوں کی عادت یہ ہے کہ مجمع بڑا ہو تو شان دار بیان اور چھوٹا مجمع ہو تو ہلکی پھلکی باتیں، ایسا نہیں دیکھا گیا؛ گویا کہ ایک آدمی ہو تو بھی اللہ کی رضا کے لیے بیان اور مجمع بڑا ہو تو بھی ایک اللہ کی رضا کے لیے بیان کرنا۔

''پوگرادیس'' میں

بہر حال! جمعرات کی صبح سے دو جماعتیں بن گئی تھیں: ہمارے حضرت اقدس مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم کی معیت میں ایک قافلہ مقدونیا میں مولانا حنیف صاحب دودھ والا کی تنظیم کی طرف سے جو مکاتب ہیں ان کو دیکھنے کے لیے روانہ ہوا، اور دوسرا قافلہ لندن سے اقبال بھائی آئے تھے، بندے کا ان کے ساتھ جانا ہوا، مفتی شبیر صاحب دامت برکاتہم بھی اسی قافلے میں تھے۔

۷ رشوال المکرم ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۱ / جون ۲۰۱۸ء شبِ جمعہ ہمارا قیام ''پوگرادیس'' میں رہا، جھیل کے کنارے ایک شان دار ہوٹل تھا، اس کی دوسری طرف مقدونیا اور قریب میں ہی گریش یونان ہے، وہاں مغرب کی نماز مسجدِ ابوبکر میں پڑھی جو یہاں کی ایک مرکزی مسجد سمجھی جاتی ہے، اس سے پہلے ہم عصر کی نماز بھی وہاں پڑھ چکے تھے، کہتے ہیں کہ: کمیونزم کے زمانے میں اس کو سینما گھر بنا دیا گیا تھا۔

یہ مسجدِ ابوبکر پہلے ایک چھوٹے سے کمرے کی شکل میں باقی رہ گئی تھی، اب ماشاءاللہ! عالی شان مسجد بن چکی ہے۔

''ترانا (Tirana)'' شہر میں

۸ رشوال المکرم ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۲ / جون ۲۰۱۸ء بروز جمعہ ''ترانا'' کے مرکز پر جب ہمارا قافلہ پہنچا تو وہاں کے مقامی لوگ کہنے لگے کہ: اتنے سارے علما کو دیکھ کر ہمیں لگ رہا ہے کہ اللہ کی رحمت ہم پر آ گئی ہے۔

جب ہمارا قافلہ ''ترانا'' کے مرکز پر پہنچا تو وہاں کے مقامی ذمے دار لوگ خوشی کے مارے رو رہے تھے، کہنے لگے کہ: جب کوئی بڑا اجتماع ہوتا ہے تو ایسے موقع پر بھی اتنا بڑا مجمع اکٹھا کرنا مشکل ہوتا ہے، آج ماشاء اللہ! علمائے کرام کی آمد کی برکت سے اتنی ساری گاڑیاں اور اتنا بڑا مجمع اکٹھا ہو گیا۔

جمعہ سے پہلے بیان اور نماز پڑھانے کی سعادت

قافلے میں موجود علمائے کرام کا ترانا کی مختلف مساجد میں جمعہ کا بیان طے تھا، بندے کا بیان بھی ایک مسجد میں طے تھا، میں نے وہاں مختصر سا بیان کیا، پھر امام صاحب نے مجھ سے درخواست کی کہ: جمعہ کی نماز بھی آپ ہی پڑھائیں گے۔

البانیا کے مفتیٔ اعظم سے ملاقات

اتفاقاً البانیا کے مفتیٔ اعظم -جو کہیں تشریف لے جا رہے تھے- جمعہ کی نماز میں شریک ہو گئے، امام صاحب نے ان کو نماز پڑھانے کی درخوست کی؛ لیکن مفتیٔ اعظم نے از راہِ تواضع اور از راہِ اکرامِ ضیف بندے کی طرف اشارہ کیا کہ: آنے والے مہمان ہی سے نماز پڑھوائی جائے، انھوں نے خطبے سے پہلے چند منٹ بندے کا خطاب بھی سنا تھا، وہ جلدی میں تھے، پھر بھی نماز کے بعد وہ میرے انتظار میں رہے، میں سنت سے فارغ ہوا تو انھوں نے مجھ سے بڑی محبت سے ملاقات کی اور نماز سے بھی بہت خوش ہوئے اور مجمع بھی خوش ہوا، لوگوں نے بھی بڑی تعداد میں ملاقات کی۔

مولانا حنیف صاحب دودھ والا کی تنظیم نے البانیا کے سابق مفتیٔ اعظم مفتی

صابری کوچی کو برطانیہ کی دعوت دی تھی، وہ ستائیس سال جیل میں رہے تھے اور پھر برطانیہ کا انھوں نے دورہ کیا تھا۔

مسجد کے امام کی درسِ حدیث کی درخواست

اس مسجد کے امام صاحب کا اتوار کے دن ہفتہ واری درسِ حدیث بھی ہوتا ہے، انھوں نے بہت لجاجت سے بندے سے درخواست کی کہ: اِس اتوار کا درسِ حدیث آپ ہی دیں گے؛ لیکن اتوار کے دن ہمارا ''بوسنیا'' کی طرف سفر تھا؛ اس لیے ہم نے ان کی دعوت قبول کرنے سے معذرت کی۔

یہ اس دور میں نہایت ہی اہم اور ضروری ہے کہ ہر مسجد میں کم از کم ہفتے میں ایک روز درسِ قرآن اور درسِ حدیث کا سلسلہ قائم ہو۔

ترانا کے تبلیغی مرکز پر ایک جامع بیان

۹ رشوال المکرم ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۳ رجون ۲۰۱۸ء بروز سنیچر ترانا شہر کے تبلیغی مرکز پر ایک بہت ہی جامع بیان ہوا جس کا عنوان تھا ''دین کی دعوت''۔

حضرت مفتی محمد تقی صاحب مدظلہ نے یہ باتیں ارشاد فرمائی:

دین کی دعوت کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں:

[۱] اخلاص ہو [۲] دل میں درد ہو [۳] محبت ہو۔

اگر یہ تین چیزیں ہوں تو دعوت میں ضرور اثر ہوگا۔

اخلاص کی برکت سے ''کہاں کس طرح دعوت کا کام کرنا ہے'' اللہ تعالیٰ اس

کے طریقے بھی ذہن میں القا فرمائیں گے۔

کسی بھی چیز کا نتیجہ برآمد کرنے کے لیے جہدِ مسلسل ضروری ہے۔

حافظ محمد پٹیل روڈ

ایک عجیب بات یہ ہے کہ: اس ترانا شہر میں ایک پورے روڈ کا نام سرکاری طور پر "حافظ محمد پٹیل روڈ" رکھا گیا ہے، خود میں نے اپنی آنکھوں سے وہ روڈ دیکھا اور اس نام کا بورڈ بھی پڑھا اور وہاں سے کئی بار گزرنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی، اور حضرت مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم نے کراچی میں جو کارگزاری بیان کی اس میں بھی اس کا تذکرہ کیا ہے، اللہ ہمیں اپنے اکابر کی قدر کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

ترانا کی ہوٹل میں ایک کانفرنس

۹/شوال المکرم ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۳/جون ۲۰۱۸ء بروز سنیچر دوپہر کے وقت ترانا انٹرنیشنل ہوٹل میں ایک کانفرنس رکھی گئی تھی جس میں البانیا کے بڑے بڑے مؤقر علما اور عوام کو دعوت دی گئی تھی، ترانا مرکز سے ہم لوگوں کو جس بس کے ذریعے سے جانا تھا اس بس کے ڈرائیور کو ترانا مرکز لانے میں کافی تاخیر ہوگئی تھی، جس کی وجہ سے کانفرنس کافی تاخیر سے شروع ہوئی اور یہاں ہوٹلوں میں اوقات متعین ہوتے ہیں؛ اسی لیے جو وقت تھا اس میں کافی کٹوتی ہوئی اور تمام حضرات اپنا بیان کما حقہ نہیں کر سکے۔

بہت سے حضرات جنھوں نے باقاعدہ تیاری کی تھی وہ اس کانفرنس میں خطاب نہیں کر سکے۔

ہم مسلمانوں میں سے بہت سوں کا نظم بڑا غیر مرتب ہوتا ہے یہ اس کی بین دلیل تھی، اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو نظام میں صحیح چلنے کی توفیق عطا فرمائے؛ تاکہ ایسے بڑے نقصانات سے حفاظت ہو سکے۔

کانفرنس کے لیے بڑی رقم خرچ کی گئی تھی، بڑی مہنگی ہوٹل کرایہ پر لی گئی تھی اور ہم کما حقہ پیغام نہیں پہنچا سکیں اس کا بہت دکھ ہو۔

شیخ الحدیث حضرت مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم کا ایثار

اس موقع پر ہمارے شیخ الحدیث حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم نے خود اپنا وقت حضرت مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم کے لیے ایثار کر دیا، خود اُٹھ کر تشریف لے گئے اور حضرت محمد تقی صاحب کو درخواست کی۔

حضرت کے لیے وقیع کلمات

حضرت مفتی محمد تقی صاحب نے اپنے کئی بیانوں میں یہ تذکرہ کیا کہ: حضرت مفتی احمد صاحب کے ساتھ سفر کرنے کا موقع مل رہا ہے، یہ میرے لیے بہت بڑی سعادت مندی ہے اور یہ میرے سفر کی ایک انفرادی خوبی بھی ہے۔

حضرت مفتی محمد تقی صاحب نے اپنے سفر نامے میں بھی یہ الفاظ لکھے ہیں کہ:

یہاں اس سفر میں پہلی بار حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلہم سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا جن سے مل کر مجھے ہمیشہ ایک روحانی سرور محسوس ہوتا ہے اور ان کی شفقت و محبت کی مٹھاس رگ و پے میں محسوس ہوتی ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ العالی

ہمارے حضرت مفتی احمد صاحب مدظلہ عام طور پر اکونومک کلاس (عام درجہ) ہی میں سفر کرتے ہیں؛ حالاں کہ کئی ملکوں میں لوگوں نے بار بار فرسٹ کلاس کی پیش کش کی؛ لیکن اس کے باوجود حضرت نے اس کو قبول نہیں فرمایا اور ہمیشہ عام درجہ ہی میں آپ نے سفر کرنا پسند فرمایا۔

حضرت فقیہ الامتؒ کے تصرف کا عجیب واقعہ

اسی طرح ہمارے حضرت دامت برکاتہم کو تفریحات سے بھی زیادہ دل چسپی نہیں ہے، اس سلسلے میں حضرت فقیہ الامتؒ کے تصرف کا عجیب وغریب واقعہ ہے، اس واقعے کو حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے الفاظ میں ملاحظہ کیجیے، فرماتے ہیں:

زمانۂ طالبِ علمی میں حضرتؒ کے ساتھ کلکتہ کا سفر ہوا، ایک دن وہاں کے حضرات نے مجھ سے اصرار کیا کہ: آج آپ کو ہاوڑہ کا پُل دکھلانے کے لیے لے چلتے ہیں۔

میں نے کہا کہ: حضرت سے اجازت لیے بغیر نہ آؤں گا۔

چنانچہ جب حضرت سے اس کا تذکرہ کیا اور اجازت کا خواہاں ہوا تو حضرتؒ نے خاص ظرافت کے ساتھ فرمایا کہ: ہاں! دیکھ لو، کل قیامت کے دن سوال ہوگا کہ ہاوڑہ کا پل دیکھا تھا تو کیا جواب دوگے؟

اگرچہ حضرتؒ نے یہ بات بطورِ ظرافت فرمائی تھی اور اجازت بھی دے دی؛ لیکن مجھ پر عجیب سنّاٹا سا چھا گیا اور میں پل دیکھنے نہ گیا اور اس کے بعد تو ایسا ہوا کہ

کہیں کا بھی سفر ہو، کسی جگہ یا چیز کے دیکھنے کی دل میں طلب یا خواہش نہیں ہوتی؛ گویا یہ حضرتؒ کا ایک تصرف تھا۔ (انتھی بلفظہ، از مکتوباتِ فقیہ الامت جلد: ۴، ص: ۳۸)

اللہ کے یہاں یہ سوال نہیں ہوگا!!!

جب ہم پہلی مرتبہ ''ٹرینیدا'' گئے تو وہاں تارکول (ڈامر) کا تالاب ہے، وہاں سے دنیا بھر میں تارکول کی سپلائی ہوتی ہے، مقامی لوگوں کے اصرار پر ہم لوگ اسے دیکھنے گئے، تو حضرت مفتی صاحب فرمانے لگے کہ: اللہ تعالیٰ کے یہاں تو یہ سوال نہیں ہوگا کہ ٹرینیدا جا کر تارکول کا تالاب دیکھا تھا یا نہیں؟ ہاں دنیا میں لوگ سوال کریں گے کہ ڈامر کا تالاب دیکھا تھا کہ نہیں؟

حضرت مفتی صاحب نے البانیا سے بوسنیا کا پورا سفر عمومی کوچ میں کیا

البانیا سے بوسنیا کا ہمارا پورا سفر کوچ میں ہوا، بعض ساتھیوں کے لیے ان کی فیملی کی سہولت کی وجہ سے چھوٹی چھوٹی گاڑیاں بھی رکھی گئی تھیں؛ لیکن حضرت مفتی صاحب نے بڑے کوچ ہی میں سفر کرنا گوارا فرمایا؛ یعنی تمام ساتھیوں کے لیے جو کوچ تھا اسی میں سفر فرمایا۔

اپنے چھوٹوں کے ساتھ عجیب معاملہ

لمبے سفر میں پیروں کے درد کی وجہ سے جب آپ سے سیٹ کے اوپر پیر رکھنے

کی درخواست کی گئی کہ: حضرت! آپ سیٹ پر پیر لمبے کر دیجیے؛ تا کہ آپ کو راحت رہے تو اس وقت جو جملہ ارشاد فرمایا اس سے ہمارا دل ہل گیا، فرمانے لگے کہ:

بے ادبی معاف کرنا، تمھاری طرف تو میں پیر نہیں کر سکتا اور کرنا بھی نہیں چاہیے؛ لیکن مجبوری اور درد کی وجہ سے مجھے یہ کرنا پڑ رہا ہے۔

یہ ہے اپنے چھوٹوں کے ساتھ اعلی درجہ اکرام کی بات!

حالاں کہ جس سے یہ بات ارشاد فرما رہے ہیں وہ تو ایک کمزور بندہ، جو آپ کا بہت چھوٹا شاگرد اور مسترشد، جس پر حضرت کے بہت سارے دینی، دنیوی، روحانی، ظاہری و باطنی احسانات ہیں، جس کی ہر طرح کی ترقی اور نیک نامی اور علمی و عملی جد و جہد میں حضرت کی توجہاتِ عالی کا بڑا حصہ ہے، اس کے ساتھ حضرت کا یہ معاملہ، واقعی یہ بڑوں کا بڑا پن ہے!!!

دوسری طرف ہمارا یہ حال ہے کہ ہم اپنے شاگردوں اور مریدوں کو پتہ نہیں کیا کچھ سمجھتے ہیں!!!

مکاتب کا جوڑ

۹؍شوال المکرم ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۳؍جون ۲۰۱۸ء بروز سنیچر کی رات کو البانیا مرکز پر مکاتب کا بھی ماشاءاللہ! اچھا خاصا جوڑ ہوا، اب ماشاءاللہ! ان ممالک میں مولانا حنیف صاحب کی تنظیم کافی اچھی خدمات انجام دے رہی ہے، نیز وہاں جمعیۃ الاسلام کے نام سے ایک بہت بڑی تنظیم قائم ہے اور اس وقت رئیس العلما ''رجب سلیمانی'' نام کے ایک مشہور عالم ہیں۔

رحمۃ فاؤنڈیشن لیسٹر کی طرف سے قائم کردہ اسکول

اسلامی اخلاق سے عیسائی متأثر

لیسٹر میں ''رحمہ فاؤنڈیشن'' ہے، لیسٹر کی مسجدِ بخاری کے امام صاحب مولانا خلیل پٹیل صاحب اس کے روحِ رواں ہیں، ان کی تنظیم کی بنائی ہوئی اسکول کی بھی ہم نے البانیا میں ملاقات لی، بہت ہی معیاری اسکول بنی ہوئی ہے، اس میں اسلامیات کا گھنٹہ بھی رکھا گیا ہے۔

اس میں مقامی عیسائی بچے بھی بہت بڑی تعداد میں آتے ہیں، ان عیسائی بچوں کے لیے اسلامیات کے گھنٹے کی شرکت لازم نہیں ہے؛ لیکن اسلامی اخلاق سے بچے اتنے متأثر ہوتے ہیں کہ گھر جا کر والدین کے سامنے اس طرز سے پیش آتے ہیں کہ ان کے والدین کو اسلامی اخلاق سے بہت خوشی ہوئی اور ان کے والدین نے آکر زبردستی سفارش کی کہ ہمارے بچوں کو بھی اسلامی گھنٹے میں شرکت کا موقع دیا جائے۔

گویا کچھ ہی وقت بچے اسلامی ماحول میں رہے تو اس کی وجہ سے ان میں خوشگوار تبدیلی نظر آئی؛ کاش کہ ہم خود مسلمان اسلامی اخلاق کو اپنانے والے بن جائیں!

اسکول کے معتمد شیخ جمال سے ملاقات

اس اسکول کے معتمد شیخ جمال سے ہماری ملاقات ہوئی، ان کا گھر ایک باغ میں ہے، انھوں نے بہترین انجیر اور تازے تازے پھل کے ذریعے ہماری ضیافت کی، ان کے والد بڑے عالم دین تھے، انھوں نے کمیونزم کے دور میں دینی کتابیں محفوظ

کرلی تھی، اس میں سے بہت ساری کتابیں انھوں نے ہمیں دکھلائیں، جو تصوف اور فقہِ اسلامی، فقہِ حنفیہ کے موضوع پر تھیں۔

ان ممالک میں حنفی مسلک عام ہے

ان ممالک میں حنفی مسلک عام ہے؛ البتہ اب کچھ بچے جو عرب ملکوں میں تعلیم حاصل کرنے جارہے ہیں تو ان کی وجہ سے سلفیت آہستہ آہستہ آرہی ہے۔

کتب خانے سے مزاج شناسی

جب ہم کسی انسان کے کتب خانے میں جاتے ہیں تو کتابیں دیکھ کر اس انسان کے مزاج کا پتہ لگتا ہے کہ یہ کیسے مزاج کا ہے؟ مثلاً اس کے کتب خانے میں تصوف کی کتابیں زیادہ ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا تصوف سے بڑا گہرا تعلق ہے، اسی طرح احادیث کی کتابوں کے ذخائر دیکھ کر ان کا علمِ حدیث شریف سے شغف معلوم ہوتا ہے۔

مسجدِ سلطان احمد کے طرز کی مسجد

استنبول میں جو سلطان احمد مسجد ہے جس کو بلیو موسک بھی کہا جاتا ہے اس انداز کی عالی شان مسجد کا کام ترکی حکومت نے البانیا میں جاری کررکھا ہے، کافی حد تک اس کا کام ہو چکا ہے، عنقریب اس کی تعمیر مکمل ہوجائے گی۔

البانیا کی ایک مسجد میں خطاب اور اس کی اہم بات

البانیا میں ایک نہایت خوب صورت، عالی شان مسجد میں مغرب کے بعد بیان

ہوا، پہلے بندے کا طویل خطاب ہوا، پھر حضرت اقدس مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا خطاب ہوا، اس بیان میں ہم نے وہاں کے مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے ایک بات کہی کہ:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا میں نہایت خوب صورت چہرے عطا فرمائے ہیں اور آپ کے چہروں کو دیکھ کر یہ آیتِ کریمہ سامنے آجاتی ہے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝۳۸ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝۳۹ (عبس)

ترجمہ: اس دن کتنے چہرے چمکتے ہوں گے؟ ہنستے خوشی مناتے ہوں گے۔

اب ایک سوال یہ ہے کہ آخرت میں یہ چہرے کیسے حسین، چمکتے، ہنستے، کھلتے رہیں؟ تو اس کے لیے ہمیں اعمالِ اسلام کو انجام دینا ہوگا، اسلام پر کامل عمل کرنا ہوگا، اس کی برکت سے قیامت کے دن بھی تمھارے یہ چہرے سفید اور چمک دار رہیں۔

اسی طرح تمھارے جسمانی رنگ سفید ہیں، اور دودھ کا رنگ بھی سفید ہوتا ہے، اور معراج والی حدیث میں دودھ کو علم سے تشبیہ دی گئی ہے؛ گویا کہ زیورِ علم سے آراستہ ہو کر اپنے عمل کو اسلامی طرز کا بناؤ، ان شاء اللہ! تمھارے یہ چہرے آخرت میں بھی دودھ سے زیادہ سفید ہوں گے اور ماشاء اللہ! آپ کی دینی فکریں کرنے والی تنظیم کے سربراہ وہ بھی شیخ حنیف دودھ والا ہے، کتنی چیزیں ایک وقت میں جمع ہوگئی ہیں!

البانیا سے بوسنیا کی طرف

۱۰ رشوال المکرم ۱۴۳۹ھ، ۲۴ رجون ۲۰۱۸ء بروز اتوار ہم البانیا سے بوسنیا کی طرف روانہ ہوئے، وہاں ''بوسناکس'' نام کی قوم کی وجہ سے اس ملک کا نام بوسنیا ہے۔

مونٹی نیگرو میں

راستے میں ایک ملک ''مونٹی نیگرو'' سے ہم لوگوں کا گزر ہوا، عربی میں اس کا ترجمہ ''جبل الاسود'' ہوتا ہے؛ یعنی کالا پہاڑ۔

اس ملک میں ظہر اور عصر کی نماز پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، دوپہر کا کھانا بھی وہاں کھایا، وہاں ایک نئی طرح کی مچھلی کھانے کو ملی، یہاں لوگ مچھلی کی ایک خاص چیز (آئٹم) بناتے ہیں اور وہ ٹھنڈی ہی کھائی جاتی ہے، سوکھی مچھلی کو خاص انداز سے پکا کر اس کو ٹھنڈا کر کے پیش کیا جاتا ہے، بڑی عمدہ اور لذیذ ہوتی ہے۔

بوسنیا کی سرحد پر امگریشن آفسر کو ایمان کی دعوت

اس کے بعد ہم مونٹی نیگرو سے بوسنیا کی طرف آگے بڑھے، یہ اتوار کا دن تھا، بوسنیا کی سرحد پر جب ہم نے قانونی کارروائی کے لیے پاسپورٹ پیش کیا تو سات بجنے میں دس منٹ باقی تھی، وہاں کے ذمے دار امگریشن آفسر نے بتلایا کہ: دس ہی منٹ باقی ہیں؛ اس لیے دوسرا آفسر جو میری جگہ آئے گا وہ آپ کی کارروائی کرے گا۔

صرف دس منٹ باقی تھی پھر بھی وہ سب امگریشن آفسر اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھے رہے، ٹھیک سات بجنے پر نکلے، اس درمیان مولانا حنیف صاحب نے امگریشن آفسر کو ایمان کی دعوت دی، اس کی بات چیت سے پتہ چلا کہ وہ کسی مسلمان کی بیٹی ہے۔

سربیوں کے شہر میں

جب ہم بوسنیا میں داخل ہوئے تو سرحد پر ''سربی'' لوگوں کی آبادی والا ایک

چھوٹا سا شہر آیا، وہاں ہم نے مغرب کی نماز پڑھنے کا ارادہ کیا، وہاں ایک سربی کی دکان تھی، اس کے پاس جا کر بات کی تو اس کی آنکھوں سے غصہ ٹپک رہا تھا اور وہ کوئی صحیح جواب دینے کے لیے بھی تیار نہیں تھا۔

سربی لوگوں کے ہاتھ اور چہروں سے درندگی ٹپکتی ہے، ان کی آنکھ سے خمار اور غصہ ٹپکتا ہے، ان ہی سربیوں نے ۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۵ء تک کے زمانے میں بوسنیا کے مسلمانوں پر بے انتہا مظالم ڈھائے تھے۔

مغرب کی نماز اور ٹھنڈا پانی

بہر حال! ہم نے وہاں مغرب کی نماز پڑھنا موقوف کر دیا اور وہاں سے آگے بڑھے تو ایک شہر آیا، سڑک کے کنارے پر ایک مسجد تھی، مسجد ترکی انداز کی بہت عمدہ بنی ہوئی تھی، اس میں جا کر ہم نے مغرب کی نماز ادا کی، جب ہم وضو کرنے گئے تو نہایت ٹھنڈا پانی تھا، ایسا لگ رہا تھا کہ برف سے پگھل کر پانی آ رہا ہے۔

وہاں بالکل سناٹا تھا، میں مسجد کے ارد گرد والے محلے میں گھومنے بھی گیا؛ لیکن وہاں کوئی انسان نظر نہیں آیا، ہم نے وہاں مغرب کی نماز بہت ہی اطمینان کے ساتھ جماعت کی شکل میں ادا کی اور پھر ہم لوگ وہاں سے آگے بڑھے اور رات دیر بوسنیا کے دار السلطنت پہنچ گئے۔

بوسنیا میں ظہر کی نماز

۱۱/ شوال المکرم ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۵/ جون ۲۰۱۸ء بروز پیر ہم نے بوسنیا کی

ایک مقامی مسجد میں ظہر کی نماز ادا کی، ایک نہایت خوب صورت امام صاحب نے آکر ظہر کی نماز پڑھائی، ماشاء اللہ! تندرست، لمبا چوڑا جسم، نہایت خوب صورت چہرا، نماز کے بعد ان کے ساتھ بہت اچھا مذاکرہ ہوا، انھوں بتلایا کہ: یہاں ایک مدرسہ بھی ہے، مسجد بھی قدیم ترکی طرز پر بنی ہوئی تھی، اس کے ساتھ بہترین باغیچہ بھی تھا۔

ایک عجیب لطیفہ

واٹس ایپ وہ رکھے جس کی معشوقہ (Girl Freind) ہو

وہاں ایک عجیب لطیفہ ہو گیا، ہم نے امام صاحب سے کہا کہ: آپ اپنا فون نمبر دیجیے۔ انھوں نے خوشی سے دیا۔

پھر ہم نے کہا کہ: واٹس ایپ نمبر دیجیے۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ: میں واٹس ایپ نہیں رکھتا ہوں۔

ہم نے پوچھا کہ: آپ واٹس ایپ کیوں نہیں رکھتے ہیں؟

انھوں نے کہا: ہمارے یہاں یہ بات مشہور ہے کہ جس کی گرل فرینڈ ہو وہی واٹس ایپ رکھتا ہے۔

مسجد میں ریکاڈر سے اذان کا افسوسناک واقعہ

اس مسجد میں بہت پیاری اذان ہو رہی تھی، سب ساتھی موبائل میں اذان ریکارڈ کرنے لگے، آدھی اذان ہوئی تو ساتھیوں کو شوق ہوا کہ دیکھیں کہ کون صاحب اتنی پیاری اذان دے رہے ہیں، جب اذان والی جگہ دیکھنے گئے تو حیرت کی انتہا نہ رہی

کہ ریکاڈر سے اذان ہورہی تھی۔

دشمنوں نے حالات ایسے کھڑے کر دیے تھے کہ اِس وقت جو مسجدیں پھر سے آباد ہورہی ہیں وہاں ابھی سب جگہ صحیح اذان دینے والے میسر نہیں ہورہے ہیں۔

بوسنیا کے بازاروں میں عمدہ قلمی کتابیں

ہم نے بوسنیا کے بازاروں میں قلمی کتابوں کے نسخے دیکھے، قلمی قرآنِ مجید بہت عمدہ لکھے ہوئے ملتے ہیں، تصوف، فقہِ حنفی اور حدیث کی بہت ساری کتابیں وہاں کے بازاروں میں مل جاتی ہیں، ہمیں پتہ بھی نہیں چلتا ایسی دکانیں، جہاں پر گھر میں لگانے کے طغرے، تختے، برقع، ٹوپی وغیرہ کی دکانیں ہوتی ہیں، وہاں جا کر ہم کہتے ہیں تو اس طرح کی قلمی کتابیں لا کر ہم کو دکھاتے ہیں۔

بوسنیا میں سربیوں کے مقابلے میں فرشتوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی کھلم کھلی مدد

وہاں کے مسلمانوں نے بتلایا کہ: سربیوں کے مظالم کے دور میں ہمارے پاس اسباب کی بہت کمی تھی؛ لیکن اس کے باوجود ہم نے اللہ تعالیٰ سے لَو لگانے میں کمی نہیں کی، اس کے نتیجے میں ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی کھلی مدد آئی اور ہم لوگ سربیوں کے مقابلے میں کامیاب ہوئے۔

ان سے پوچھا کہ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا مدد آئی؟

بتلایا کہ: یہاں بہت سے سربی عیسائیوں کا بیان ہے اور کچھ ہمارے لوگوں

نے بھی یہ مناظر دیکھیں کہ بڑی بڑی داڑھی والے لوگ میدان میں مقابلے کے لیے آتے تھے اور دشمنوں سے جنگ کرتے تھے؛ حالاں کہ وہاں داڑھی پر پابندی تھی؛ گویا کہ اللہ کی طرف سے فرشتوں نے آکر مقابلہ کیا، یہ ابھی ۱۹۹۵ء کی بات ہے۔

ابھی بھی بوسنیا میں جنگ کے آثار جا بجا دیکھنے کو ملے، بہت سی جگہوں پر ٹوٹی ہوئی عمارتیں دیکھنے کو ملی۔

بہت سی جگہ ہم کو بنکر (مورچے) دیکھنے کو ملے، بتلایا گیا کہ: یہ اس لیے بنائے گئے تھے؛ تاکہ لوگ چھپ کر اپنی جان بچا سکیں۔

بہت سی جگہوں پر "الصلوۃ والسلام علیك یارسول الله" وغیرہ کے طُغرے بنے ہوئے یا ماربل گرینائٹ کے پتھر میں منقش یہ جملے دیکھے، پوسٹروں میں بھی دیکھے۔

اور جو اذان دینے کی جگہ ہوتی ہے وہاں ''یا بلال حبشیؓ'' ایسے بورڈ بھی لگے ہوئے دیکھے۔

ہمارے ملک میں دین پر عمل کی آزادی یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے

واقعہ یہ ہے کہ ہمیں ہمارے ملک میں مدارس، مکاتب، مساجد، دعوت کا کام، خانقاہ ان سب چیزوں کی جو آزادی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور ہمارے بزرگوں کی قربانی کی برکت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے اعمال جب تک اچھے رہیں گے، اللہ تعالیٰ سے تعلقات اچھے رہیں گے اس وقت تک ہم پر حکام بھی اچھے رہیں گے، جہاں ہمارے اعمال بگڑیں تو اللہ تعالیٰ حکمرانوں کو بطورِ عذاب مسلط فرماتے ہیں۔

لہذا ہم لوگ اپنے اعمال کو اچھے بنا کر رکھیں اور یہ جتنے بھی دینی مبارک سلسلے ہیں ان مبارک سلسلوں کی قدر کریں، ان شاء اللہ! اللہ تعالیٰ ہماری آنے والی نسلو کی ایمان کی حفاظت فرمائیں گے اور دنیا کے ان ممالک میں رہنے والے مسلمان بھائیوں کے لیے دعائیں کریں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کارگزاریوں کو ہمارے لیے عبرت اور نصیحت کا سامان بنائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

کارگزاری کا دوسرا حصہ

البانیا سے مونٹی نیگرو ہوتے ہوئے بوسنیا پہنچنے تک

ہمارا یہ لمبا چوڑا سفر۔ جو کئی کئی گھنٹوں پر مشتمل تھا۔مولانا حنیف صاحب دودھ والا، مولانا ڈاکٹر محمود چانڈیا صاحب وغیرہ کے ساتھ بہت سارے علمی ، دینی و تاریخی مختلف مذاکروں میں الحمد للہ! گزرا، جس میں بہت سارے سوالات و جوابات بھی ہوئے ،اور مولانا حنیف صاحب کی تنظیم کی کارگزاری اور کچھ ملک کی تاریخ کے سلسلے میں اچھی خاصی باتیں سامنے آئیں، اس کا خلاصہ یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

ابتدائیہ

اس وقت ہمارا سفر جاری ہے، علمائے کرام اور دیگر مہمانانِ عظام کا وفد بوسنیا کی طرف جا رہا ہیں ، ابھی ہم نے سرحد (بارڈر) عبور کیا ہے اور الحمد للہ! ہم بوسنیا کی سرزمین پر پہونچنے والے ہیں۔

بلقان کا جو علاقہ ہے اس کی عجیب وغریب تاریخ ہے، اس کا جائے وقوع بھی بہت عجیب وغریب ہے، ہر ایک کی نظر اس پر رہتی ہے؛ چونکہ کسی زمانے میں یہاں سے ایک تجارتی راستہ ہوا کرتا تھا، اسی طرح دوسرے مفادات کے لیے بھی یہ علاقہ بہت اہم سمجھا گیا؛ اس لیے ہر استعماری طاقت کی نظر اس علاقے پر رہتی تھی۔

بوسنیا میں داخلہ

مغرب کا وقت ہو چکا ہے، ہم لوگ بوسنیا میں داخل ہو رہے ہیں، ایک ہرا بھرا

اورخوب صورت ملک نظر آ رہا ہے، کمیونزم کے بعد ماضی قریب کا پچیس (۲۵) سال کا یہ جدید ملک ہے، اس سے پہلے یہاں ظلم وستم کا دور تھا، اللہ رب العالمین نے یہاں سے ظلم وستم کا دور ختم کیا، اس ملک میں آزادی ہوئی، ایک مستحکم نظام قائم ہوا۔ ظاہری بات ہے کہ پچیس (۲۵) سال کی مدت ایسی مدت نہیں ہے جس میں ملک کا تعلیمی نظام، اقتصادی نظام، طبّی نظام، ملک کی تہذیب وتمدّن، ملک کا کلچر، ایک ساتھ بیک وقت صحیح اسلوب پر آ جائے، کسی بھی ملک کو ظلم وستم، زوال، انسانوں کی انسانیت کی پستی کے بعد اپنے پُرانے اسلوب اور ترقی پر آنے میں کافی وقت لگتا ہے۔

بوسنیا اور مسلمان

بوسنیا کی لڑائی میں بہت سارے مسلمانوں کو؛ خاص کر مرد اور نوجوانوں کو شہید کر دیا گیا تھا، عورتوں کی عزت لوٹی گئی تھی، گھروں سے بے گھر کر دیے گئے تھے، سربیوں نے عورتوں کے حمل پر قمار اور جوئے کھیلے، زندہ عورت کے حمل کو چاک کیا جاتا تھا، فوجیوں نے اجتماعی عصمت دری کی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایسا اس لیے ہوا کہ ان میں بے دینی بہت عام ہو گئی تھی؛ گویا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعمال واخلاق سنوارنے کے لیے ایک تنبیہ بھی تھی۔

پھر یہاں سب نے مل کر سمجھوتا کیا کہ ہم آپس میں مل کر رہیں گے، آپس میں لڑائیاں نہیں کریں گے جس کا نتیجہ یہ ہوا یہاں بہت سے مسلمان باقی رہے اور کچھ لوگ دوسری جگہ چلے گئے، اس طرح بوسنیا اور دیگر ممالک وجود میں آئے، کمیونزم ختم ہو گیا۔

ہمیں تو یہ سبق لینا ہے کہ انھوں نے کمیونزم کے دور میں کیسے اپنے ایمان کی

اور دینی کتابوں کی اور کلامِ الٰہی کی حفاظت کی، اپنے سینوں میں ایمان کا ولولہ اور جذبہ باقی رکھا اور اپنے بچوں اور نسلوں میں یہ ولولہ بچایا، ان شاء اللہ! چند ہی سالوں کے اندر حالات سازگار نظر آئیں گے۔

بڑوں سے تعلق رکھنے کی برکت

بلیک برن اور اطراف کے ہم دار العلوم بری کے فضلاء دورۂ حدیث شریف کے بعد اپنے اپنے کام میں مشغول ہو گئے تھے، کوئی ۱۹۸۹ء میں فارغ ہوا تھا، کوئی ۱۹۹۰ء میں، کوئی ۱۹۹۱ء میں، کوئی ۱۹۹۲ء میں فارغ ہوا تھا۔

کوئی مکتب پڑھاتا تھا، کوئی مدرسے میں خدمت انجام دیتا تھا تو کوئی تجارت اور کاروبار میں مشغول تھا؛ لیکن وقتاً فوقتاً ہمارے حضرت الاستاذ مولانا یوسف متالا صاحب، حضرت مفتی شبیر صاحب اور حضرت مفتی عبد الصمد دامت برکاتہم کے پاس آنا جانا رہتا تھا، ایک موقع پر حضرت الاستاذ مولانا یوسف متالا صاحب دامت برکاتہم نے پوچھا کہ: دار العلوم سے فارغ ہو کر آپ لوگ کیا کر رہے ہیں؟

ہم نے حضرت کو بتایا کہ: ہم میں سے کوئی مکتب پڑھاتا ہے، کوئی مدرسہ پڑھاتا ہے، کوئی تجارت وکاروبار میں مشغول ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ: یہ سب کام ٹھیک ہیں؛ لیکن اجتماعی شکل میں کوئی ایسا کام کرو جس سے قوم اور امت کو زیادہ فائدہ ہو۔

تنظیم کی بنیاد

ہم فضلائے دار العلوم بری کا معمول تھا کہ ہر اتوار کو فٹ بال کھیلنے کے لیے جمع

ہوتے تھے، ایک مرتبہ فٹ بال کھیلتے کھیلتے دو تین ساتھیوں نے تذکرہ کیا کہ ہم لوگ دار العلوم بری گئے تھے تو حضرت الاستاذ مولانا یوسف متالا صاحب دامت برکاتہم نے اجتماعی طور پر کام کرنے کی بات فرمائی تھی، ایک اور ساتھی نے کہا کہ: حضرت نے مجھے بھی یہ فرمایا تھا؛ چنانچہ کھیل کے درمیان ہی ہم نے مشورہ کیا کہ: ہم اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں، تنظیم کے تعلق سے یہ پہلا مشورہ تھا، اس کے تھوڑے عرصے کے بعد دوسرا مشورہ ہوا، پھر تیسری مرتبہ مشورہ ہوا، ۱۹۹۲ء جولائی، اگست میں ہمارا آخری مرتبہ مشورہ ہوا جس میں نو (۹) ساتھیوں نے شرکت کی، تب سے لے کر آج مئی ۲۰۱۸ء تک چھبیس (۲۶) سال سے یہ نو (۹) ساتھی اللہ کے فضل وکرم سے مل کر اس تنظیم کے پلیٹ فارم سے کام کر رہے ہیں۔

تنظیم کا سب سے پہلا کام

۱۹۹۲ء میں ہم نے سب سے پہلے تنظیم کی طرف سے ایک رسالہ ''یونٹی'' کے نام سے انگریزی زبان میں شائع کیا جو چار (۴) صفحات پر مشتمل ہوتا تھا، اس میں دینی مضامین ہوتے تھے، جب کہ حضرت مولانا یوسف صاحب متالا دامت برکاتہم کی خواہش یہ تھی کہ کوئی بڑا رسالہ نکلے؛ لیکن اہلیت نہ ہونے کی وجہ سے ہم نے چھوٹے پیمانے سے کام شروع کیا۔ تقریباً ایک سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

البانیا کے حالات سے واقفیت

ایک سال کے بعد ہمارے سامنے بلیک برن کے ایک عالمِ دین حضرت مولانا یعقوب صاحب مفتاحی (حزب العلماء (uk) کے جنرل سیکریٹری) کے وساطت

سے البانیا کی کارگزاری آئی کہ: یہ وہ ملک ہے جہاں پر اسلامی حکومت پانچ سو(۵۰۰) سال سے زیادہ رہی تھی، اسلامی حکومت کے زوال کے بعد چالیس سال کمیونزم کا دور آیا اور کمیونزم کے دور کے بعد اس ملک میں چالیس یا پچاس مسجدیں باقی رہی تھیں۔

یہ مختصر کارگزاری سامنے آنے کی وجہ سے تنظیم کے ذمے داروں کے دل میں یہ بات آئی کہ ہم کو البانیا جانا چاہیے، اتفاق سے اسی عرصے میں مجھے حضرت الاستاذ مفتی شبیر احمد صاحب دامت برکاتہم نے حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ کا ایک رسالہ ''اندلس میں چندروز'' دیا تھا، ساتھیوں نے اس کا مطالعہ کیا اور اندلس کے حالات پڑھے۔

البانیا جانے کا پروگرام

۱۹۹۳ء میں البانیا ملک میں آمد و رفت کا نظام معلوم نہیں تھا؛ لہذا ہم نے ایک تنظیم۔ جس کا نام ''اسلامک ریلیف (Islamic Relief)'' ہے، جو بڑی اور مشہور تنظیم ہے اور پہلے ہی سے وہاں کام کر رہی تھی، ان۔ سے رابطہ کیا، اس تنظیم کے ذمے دار: ڈاکٹر ہانی البنا (یو کے) کی وساطت سے البانیا کی تیاری کی، انھوں نے فلائٹس وغیرہ کا نظام بتلایا اور اس تنظیم کے البانیا کے ذمے دار: اسامہ نے البانیا میں ہمارا انتظام کیا۔

۱۹۹۳ء اگست کے مہینے میں مولانا شفیق، مولانا رفیق اور مولانا حسن سیدات یو۔کے سے البانیہ تشریف لائے اور ماشاء اللہ! ان تینوں حضرات نے دو تین ہفتے قیام کیا، تینوں حضرات نے شمال سے لے کر جنوب تک کا دورہ کیا، مسلمانوں کے حالات کیسے ہیں اور ملک کے اندر کیا ضروریات ہیں وغیرہ وغیرہ باتوں کا جائزہ لیا، الحمد للہ!

اسلامک ریلیف کے ذمے داروں نے قیام وطعام اور سفر وغیرہ میں بہت تعاون کیا۔

البسان (Elbasan) میں قاری شبیر کا مدرسہ

البانیا ملک کا ایک علاقہ جس کا نام ''البسان'' ہے وہاں جانا ہوا تو دیکھا کہ ایک چھوٹا سا مدرسہ اور دارالعلوم ہے جس کے مہتمم پڑوسی ملک کے حافظ شبیر صاحب تھے اور بالکل ہمارے ہندو پاک کے طرز پر وہ دارالعلوم اور مدرسہ چلا رہے تھے۔

ہماری معلومات کے مطابق ماضی قریب میں البانیہ میں تعلیمی فکروں کو لے کر ہندو پاک سے سب سے پہلے آنے والے یہ حافظ شبیر تھے اور یہ حافظ شبیر صاحب پیر غلام حبیب صاحب نقشبندی کے ایک خلیفہ شیخ وجیہ الدین کے مرید تھے اور یہی شیخ وجیہ الدین ان کے یہاں البانیا آنے کے سبب بنے تھے۔

دراصل شیخ وجیہ الدین کے کوئی پہچان والے تاجر صاحب تھے۔جن کا البانیا آنا جانا رہتا تھا۔ان تاجر صاحب نے شیخ وجیہ الدین صاحب کو البانیہ کے حالات سنائے تو شیخ صاحب خود حافظ شبیر صاحب کو یہاں لے کر تشریف لائے اور البانیہ کے مفتیٔ اعظم کے ساتھ ملاقات کی اور ان سے درخواست کی کہ: اگر اجازت ہو تو ان حافظ شبیر صاحب کو یہاں چھوڑ کر جاؤں۔

وہ مفتی صاحب یہ سوچ رہے تھے کہ ہندو پاک والوں کیا آتا ہوگا؟ چنانچہ ان مفتی صاحب نے شیخ صاحب سے پوچھا کہ: کیا یہ حافظِ قرآن ہے؟ شیخ وجیہ الدین نے کہا: ہاں۔ان مفتی صاحب نے قرآن سنانے کی درخواست کی۔

حافظ شبیر صاحب بہت شان دار قرآن کریم پڑھتے تھے، قاری شبیر کے نام

سے لوگ ان کو جانتے تھے، جیسے ہی انھوں نے قرآنِ کریم کی تلاوت کی تو وہ مفتی صاحب کہنے لگے کہ: ان کو یہاں چھوڑ دو، اور ان کو مسجد میں امام رکھ لیا، پھر حافظ شبیر صاحب نے ادارے کی شکل میں کام شروع کیا، اور وہ اتنے مقبول ہوئے کہ لوگوں نے ان کو مفتی کا لقب دے دیا۔

واقعی انھوں نے بڑی عجیب قربانیاں دی ہیں، حافظ شبیر صاحب نے بھی ابتدا میں ہمارا بہت تعاون کیا اور تعاون کا حق ادا کر دیا۔

بھارت کے متعلق دنیا کے مختلف ممالک میں ایک تلخ تجربہ (ازمرتب)

دنیا کے مختلف ممالک کے سفر کے موقع پر بعض مرتبہ ایک بڑا تلخ تجربہ یہ ہوا کہ جب دوسرے ملک کے مسلمانوں سے ملاقات ہوئی اور ان سے بھارت میں مدارس، مکاتب، مساجد، خانقاہیں وغیرہ دینی کاموں کا تذکرہ ہوا تو وہ حیرت زدہ رہ جاتے ہیں، وہ بے چارے اسی خیال میں تھے کہ بھارت میں مسلمان نہ ہونے کے برابر ہیں، یا دینی اعتبار سے بالکل پس ماندہ ہیں، جب مذاکرہ ہوا تو ان کی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوا۔

الحمد للہ! ہمارے ملک میں جو دینی کام ہو رہے ہیں وہ بہت سارے مسلم ممالک کہلانے والے ملکوں سے بھی زیادہ ہیں۔

بھارت کے سابق وزیرِ اعظم ''اٹل بہاری واجپائی'' کے سامنے ایک عالم کی حقیقت گوئی

ایک موقع پر بھارت کے سابق وزیرِ اعظم ''اٹل بہاری واجپائی'' کے سامنے

مسلمانوں کی ملکی ایک نمائندہ جماعت کے ایک اہم رکن نے کہا تھا کہ: آپ خوش نصیب ہو؛ اس لیے کہ آپ اس ملک کے وزیرِ اعظم ہو جہاں کے علما اور مفتیانِ کرام کو اسلامی قوانین کی تشریح کسی دوسرے ملک سے حاصل کرنے (ان پورٹ) کی ضرورت نہیں ہے، الحمدللہ! آپ کے ملک میں مذہبِ اسلام کی تمام چیزوں کو گہرائی سے جاننے والے علما اور مفتیانِ کرام کی ایک بہت بڑی جماعت موجود ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑی نعمت اور اس کا احسان ہے۔ (انتہی)

لوگوں کو کیسے قریب کریں؟ اور کیسے دعوت دیں؟

البانیا ملک کے حالات ایسے تھے کہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ: لوگوں کو کیسے قریب کریں؟ اور کیسے دعوت دیں؟

چنانچہ اس تعلق سے ساتھیوں سے مشورہ ہوا، کچھ اصحاب نے سنایا کہ: حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرمایا کرتے ہیں کہ: جس ملک کے طلبہ کسی ملک میں جا کر نہ پڑھتے ہوں یا نہ پڑھ سکتے ہوں تو اس کا واحد علاج یہ ہے کہ ان ملکوں میں علما کو لایا جائے اور ان کے ذریعہ تعلیم دی جائے۔

بیرون ممالک میں مقیم ہونے والے مسلمانوں کا ایک اچھا طریقہ

الحمدللہ! بہت سے مسلمان جو تجارت اور دوسرے مقاصد سے اپنے وطن سے دور جا کر آباد ہوئے ان میں سے بہت سارے حضرات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ توفیق حاصل ہے کہ رمضان اور دوسرے مواقع پر بھارت اور دوسرے ممالک سے علمائے ربانیین کو دعوت دے کر بلاتے ہیں، اور درسِ قرآن، درسِ حدیث اور دینی

مجالس کا انعقاد ہوتا ہے،جس کی برکت سے دینی ماحول قائم رہنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

اس سلسلے میں ہمارے گجراتی مسلمان بھائی بھی پیش پیش ہیں کہ وہ دنیا میں جہاں بھی جا کر آباد ہوتے ہیں بحمد اللہ! رمضان وغیر رمضان میں بھارت اور دوسرے ملکوں سے علمائے ربانیین کو دعوت دیتے ہیں،جس کی برکت سے دینی فائدہ تو ہوتا ہی، ساتھ میں اپنے وطن اور اپنی تہذیب سے بھی جڑے رہتے ہیں۔

بہت سے ممالک کے رہنے والے مسلمان جب مختلف مقاصد سے اپنے وطن سے دور چلے گئے اور انھوں نے علمائے ربانیین سے ربط نہیں رکھا تو دینی اعتبار سے بھی بہت کمزوری آئی اور بہت سی جگہوں پر ارتداد جیسے حالات بھی ہوگئے اور اپنے وطن، اپنی اصلی تہذیب اور اپنی مادری زبان سے بالکل دور ہوگئے،اور جس ملک میں جا کر آباد ہوئے ہر اعتبار سے اسی کے ہوگئے،اللہ تعالیٰ ان مسلمان بھائیوں کو دوبارہ ایمان و ہدایت نوازے۔(از مرتب)

وطن سے دور ہجرت کر کے دوسرے ملکوں میں آباد ہونے والے مسلمان بھائیوں سے دردمندانہ اپیل

جو مسلمان بھائی اپنے آبائی وطن کو چھوڑ کر دنیا کے دوسرے ممالک میں جا کر آباد ہوئے ان میں ایک بہت بڑا طبقہ وہ ہے جو اپنے وطن اور دوسرے ممالک میں خیرات اور مالی تعاون کا سلسلہ قائم رکھے ہوئے ہیں،اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو قبول فرمائے، ان کو مزید ہمت عطا فرمائے؛لیکن ساتھ میں اپنے تجربات کی روشنی میں چند گزارشات عرض کرتا ہوں:

① جن ممالک میں آپ جائیں وہاں آپ کا گھر مسجد اور مدرسے سے قریب ہونا چاہیے؛ تاکہ آپ اور آپ کی اولادان دونوں سے جڑے رہے ہیں۔

اور اگر وہاں پہلے سے کوئی مسجد، مدرسہ یا مکتب قائم نہیں ہے تو تلاش پہلے سے مقیم مسلمانوں کے مکانات کہاں ہیں وہ تلاش کیجیے اوران مسلمانوں کے قریب ہی آپ اپنے لیے مکان کا انتظام کیجیے، پھران مسلمانوں سے مل کر جلد از جلد نماز کی جگہ، بچوں کی تعلیم اور دفن کے لیے قبرستان کی فکر فرمالیں۔

② اپنی اولاد اور خود کی اسلامی تعلیم اور تربیت کے لیے مکتب، مدرسہ، خانقاہ، مسجد، دعوت وتبلیغ اور علمائے ربانیین سے مربوط رہیں۔

③ جس ملک میں آپ آباد ہیں وہاں کے زکوۃ کے مستحق مسلمان اور وہ غیر مسلم جو غریب ہیں شرعی مسئلہ کے مطابق ان پر بھی خیرات ہونی چاہیے، برِ اعظم افریقہ کے تمام ہی ممالک میں اور برِ اعظم امریکہ کے بہت سارے ممالک میں اور یورپی ممالک میں اور ایشیا، آسٹریلیا؛ حتی کہ انگلینڈ، کینیڈا اور پناما جیسے ظاہراً متمول کہے جانے والے ملکوں میں شرعی مسئلے کے لحاظ سے زکوۃ وصدقہ کے مستحق مسلمان بھائی اچھی خاصی مقدار میں ملے ہیں؛ لہذا ان کی طرف بھی خصوصی توجہ ہونی چاہیے۔

④ اسلامی ماحول میں اپنے بچوں کے لیے اسلامی اسکول کا نظم کیجیے۔

⑤ مُردوں کو دفن کرنے کے لیے مسلمانوں کا الگ قبرستان ہو اس کی فکر کیجیے۔

⑥ اسلامی ضابطوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے جس ملک میں آپ آباد ہیں اس ملک کے قوانین کی خوب پابندی کیجیے۔

⑦ نبوی اخلاق کے ذریعے غیر مسلموں کے دل جیتنے کی کوشش کیجیے، اور آپ ایک امن پسند شہری ہیں یہ آپ کے اقوال وافعال سے ان کے سامنے ظاہر ہونا چاہیے۔

⑧ رفاہِ عامہ کے کام خوب کیجیے، اور پورے اخلاص کے ساتھ بعض مواقع پر مقامی اخبار اور میڈیا میں بھی اس کو شائع کروائیے؛ تاکہ وہاں کی حکومت اور وہاں کے اصل باشندوں کے سامنے یہ بات رہے کہ دوسرے ملک سے آنے والے لوگ ہمارے ملک میں آکر ملک اور ملک کے عوام کی بھی خدمت کر رہے ہیں۔ کبھی کبھی غیر مسلموں کو دعوت دے کر مسجد اور مدرسہ بھی دکھانا چاہیے؛ تاکہ ان کے ذہن میں غلط فہمی نہ رہے۔

⑨ اپنی اصلی زبان، اصلی وطنی کھانا، اور اپنی اصلی دینی تہذیب بھی باقی رکھیے۔

⑩ اپنے اصلی آبائی وطن موقع بہ موقع آتے جاتے رہنا چاہیے، اور اپنے رشتے دار، اہلِ خاندان اور اہلِ بستی سے تعلق باقی رکھنا چاہیے، اس کی برکت سے جانبین کو دینی ودنیوی بہت سارے فوائد ان شاء اللہ! حاصل ہوں گے۔ (از مرتب)

بیرون سے تبلیغی جوڑ میں آنے والوں کو داعئ کبیر حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولہ دامت برکاتہم کی آبائی وطن کے متعلق خصوصی ہدایت

عالمِ اسلامی کے داعئ کبیر حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولہ دامت برکاتہم کے متعلق بعض احباب نے بتلایا کہ: دعوت وتبلیغ کی عالمی ترتیب میں جب ہر دو سال میں بیرونی ممالک کا جوڑ ہمارے بھارت میں ہوتا ہے تو اس وقت جو احباب بیرونی ممالک سے تشریف لاتے ہیں اور وہ اصلاً بھارت کے ہوتے ہیں تو جوڑ کے بعد ان

لوگوں کو حضرت مولانا خصوصی ترغیب دیتے ہیں کہ آپ آبائی وطن ضرور جائیے، اور اپنے وطن میں قریبی اور دور کے رشتے داروں اور بستی والوں سے ملاقات کیجیے۔

اس لیے کہ بہت سے لوگ ۱۵۰ یا ۲۰۰ سال سے بیرون منتقل ہو چکے ہیں، ان میں سے بعض کا یہاں سے کوئی ربط بھی باقی نہیں رہا ہے۔

ہمارے ملاوی کے بعض حضرات نے اس سلسلے میں عجیب بات بتلائی کہ جب دوسالہ جوڑ میں حاضر ہوئے اور حضرت مولانا نے جب یہ ترغیب دی تو وہ احباب کہنے لگے کہ: حضرت! ہم کبھی وطن گئے ہی نہیں اور نہ ہمارا وہاں کسی سے تعارف ہے۔

حضرت مولانا نے فرمایا کہ: پھر بھی جاؤ! اور مسجد میں جا کر قیام کرو اور دینی مذاکرہ کرلو اور مقامی لوگوں کو بتلاؤ کہ: فلاں فلاں اتنے سال پہلے یہاں رہتے تھے میں ان کا پوتا ہوں۔ (از مرتب، انتہی)

البانیا میں کام کے لیے علما کیسے تلاش کیے؟ اس کی کارگزاری مفتی محمد علی فلاحی صاحب کی زبانی

میں ۲۰۰۱ء رمضان المبارک کے مہینے میں بلیک برن کی مسجدِ ''ساجدین'' میں بیان کے مقصد سے آیا ہوا تھا، مولانا حنیف دودھ والا سے میری ملاقات ہوئی اور بعد میں تنظیم کے ساتھیوں سے ملاقات ہوئی اور تنظیم کے ساتھیوں نے یہ درخواست کی کہ: ہم کو دو تین ایسے علما چاہیے جو البانیا جا کر خدمت انجام دیں۔

میں نے کہا: ٹھیک ہے، انڈیا جا کر اس سلسلے میں بات کروں گا؛ چنانچہ دار

العلوم فلاحِ دارین ترکیسر میں حضرت مولانا یوسف صاحب ٹنکاروی اور قاری صدیق صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے سامنے عرض کیا اور اس تعلق سے مشورہ کیا۔

مشورہ میں یہ طے ہوا کہ: مولانا مقصود صاحب مناسب رہیں گے؛ کیوں کہ وہ دعوت کے کام سے اچھی طرح منسلک ہیں اور تبلیغی جماعت میں ہمارے امیر صاحب بھی رہ چکے ہیں؛ چنانچہ ان سے رابطہ کیا اور درخواست کی گئی تو الحمد للہ! مولانا مقصود صاحب راضی ہو گئے،اس کے بعد مولانا نذیر موسالی۔ جو کھروڈ اور فلاحِ دارین دونوں جگہ میرے شاگرد رہ چکے تھے۔ان سے بات کی، الحمد للہ! وہ بھی تیار ہو گئے، یہ دونوں حضرات البانیا تشریف لے گئے اور کام شروع کیا، پھر تقاضا ہوا کہ ایک اور ساتھی مل جائے تو بہتر ؛لہذا مولانا سراج صاحب۔ جو اس وقت فلاحِ دارین میں زیرِ تعلیم تھے،اور دعوت وتبلیغ سے کافی جڑے ہوئے تھے۔ان سے بات کی، الحمد للہ! وہ بھی تیار ہو گئے۔

میں خود سوچتا تھا کہ یہ تینوں حضرات کس طرح کام کریں گے؟ لیکن الحمد للہ! انھوں نے ہمت کی، قربانیاں دیں، حالات کا مقابلہ کیا، جمے رہے، اللہ تعالیٰ کی مدد آئی اور آج اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے ان کی قربانیوں کا پھل ہم سب دیکھ رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ: اللہ تعالیٰ ان کو خوب استقامت نصیب فرمائے، ان کے گھر والوں کو بہترین اجر نصیب فرمائے؛ اس لیے کہ ان سے بڑی قربانی ان کے گھر والوں کی ہے، ان کے بچوں کی ہے کہ وہ ایسے حالات میں ان کے ساتھ رہے اور ہمیشہ

ساتھ دیتے رہے اور ان شاء اللہ! ساتھ دیتے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ ان کی قربانیوں کو قبول فرمائے اور ان کے ذریعہ پورے البانیا میں؛ بلکہ پورے عالم میں فیض پہنچائے، آمین۔

مولانا مقصود اور مولانا نذیر صاحب کی البانیا میں آمد: مولانا حنیف صاحب کی زبانی

کسی اجنبی زبان کو سیکھنے کا عجیب طریقہ

میں اور مولانا عثمان اور مولانا شفیق یوکے سے مولانا مقصود اور مولانا نذیر صاحب کے انتظام کے لیے البانیا آئے، پوگرادیس میں ہمارا قیام رہا، چار دن ان کے ساتھ رہے، پھر ان کو الوداع کہہ کر وہاں سے رخصت ہوئے۔

مجھے ابھی تک یاد ہے کہ میں نے مولانا نذیر صاحب کو ایک مرتبہ پوچھا کہ: آپ کو البانیا زبان کا ایک لفظ بھی نہیں آتا تھا، پھر آپ نے البانیا کی زبان کیسے سیکھی؟

مولانا نذیر صاحب نے کہا کہ: ہم جہاں ٹھہرے تھے وہاں قریب میں ایک چھوٹی سی دکان تھی، ہم لوگ وہاں جاتے تھے اور ہر ایک چیز کی طرف اشارہ کر کے اس کا البانی نام نوٹ کرتے تھے، رات کو آ کر پھر اس کی مشق کرتے تھے، اسی طرح یہاں کے کچھ طلبہ عربی جانتے تھے، ان سے عربی سے البانی زبان میں الفاظ لکھواتا تھا اور ان الفاظ کو میں یاد کرتا تھا، اسی طرح البانی زبان میں جو کتابیں تھیں ان سے کچھ الفاظ یاد کیے، اس طرح البانیا کی زبان سیکھ لی۔

اجنبی زبان کے سلسلے میں کچھ سچے لطیفے (از مرتب)

اس سلسلے میں بندے کو پناما میں مقیم ہمارے بعض بھائیوں نے دل چسپ اور سچے لطیفے سنائے کہ جب لوگ بھارت سے یہاں آتے ہیں اور زبان سے واقفیت نہیں ہوتی تو کس انداز میں کام ہوتا ہے؟

(۱) ایک صاحب دکان پر برف لینے گئے، برف کو اسپانی زبان میں کیا کہتے ہیں وہ جانتے نہیں تھے، تو دکان دار کو سمجھانے کے لیے ایک گلاس میں پانی بھرا، زمین سے پتھر کا چھوٹا ٹکڑا اٹھا کر اندر ڈالا اور ہلاتے ہوئے کہا کہ: یہ چیز چاہیے۔
دکان دار نے برف بھی دیا اور برف کو اسپانی زبان میں ''Hielo'' کہتے ہیں وہ بھی بتلایا۔

(۲) جب ہمارے لوگ شروع میں پناما گئے تو گھوم پھر کر چیزوں کو بیچنے کا کاروبار رہا، جس کو پھیری کہتے ہیں، پھیری کے متعلق مشہور ہے کہ جب تک کتّا نہ کاٹے پھیری پھیری نہیں کہلاتی ہے؛ اس لیے کہ پناما میں اسپین سے آئے ہوئے لوگوں کی ایک بڑی تعداد ہے، اور عیسائی لوگ گھروں میں کتا پالتے ہیں، اب جب پھیری کرنے جاتے ہیں تو کتے کاٹ لیتے ہیں۔

بھارت کے رہنے والے دو تین ساتھی کسی دیہات میں پھیری میں گئے ہوئے تھے، ایک ساتھی کو کتے نے کاٹ لیا، دوسرا ساتھی اس کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا؛ لیکن دونوں اسپانی زبان سے ناواقف تھے تو ڈاکٹر کو سمجھائے کیسے؟

جو ساتھی لے کر گئے تھے انھوں نے ڈاکٹر کے سامنے کتے کی آواز نکالی اور

ہلکے سے ڈاکٹر صاحب کو کاٹ لیا، ڈاکٹر صاحب سمجھ گئے، انھوں نے علاج کیا اور بتلایا کہ: کتا کاٹنے کو اسپانی زبان میں ''Perro Mordio'' کہتے ہیں۔

بعض مشترک لفظوں کی وجہ سے عجیب اشتباہ

اسپانی زبان میں بریڈ (pan) کو ''پان (Bread)'' کہا جاتا ہے، اور ہمارے ملک میں پان جس کو کہتے ہیں وہ سب جانتے ہیں، ایک گھر میں بھارت سے آئے ہوئے چند ساتھی رہتے تھے، سالن تیار ہوگیا، مکان مالک نے - جو اسپانی زبان جانتے تھے - بھارت سے گئے ہوئے ایک نو وارد سے کہا کہ: ڈالر لو اور دکان پر جا کر کہو کہ: پان چاہیے۔

بھارت سے گئے ہوئے ساتھی - جو اسپانی زبان میں پان کا مفہوم نہیں جانتے تھے - وہ ہماری زبان کے اعتبار سے پان کا مفہوم سمجھے اور ان میں سے ایک ساتھی بولا: میرا دیسی تمباکو والا لانا - دوسرا بولا: میرا میٹھے مسالے والا لانا - پھر ان کو سمجھایا گیا۔

ابتدا میں کام کیسے کیا گیا اس کی کارگزاری مولانا مقصود صاحب کی زبانی

جب ہم البانیا پہنچے تو کافی ٹھنڈی تھی؛ کیوں کہ تنظیم کے ساتھیوں کی رائے یہ تھی آپ لوگ ایسے وقت پر یہاں پہنچیں کہ آپ لوگ ٹھنڈی کا مقابلہ کر سکیں اور موسم بھی دیکھ سکیں، ابتدائی دور میں کافی برف باری ہوا کرتی تھی، الحمدللہ! ہم پوگرادیس میں چار مہینے رہے، تقریباً دو کلومیٹر اوپر سے ہم نیچے مسجد میں نماز ادا کرنے آتے تھے، پوگرا

دیس کی جس مسجد میں ہم نے نماز پڑھی اس مسجد میں ہمارے پاس بچے آتے تھے، ابتدائی درجے کی تعلیم ان کو دیتے تھے، کلمہ، نماز، وضووغیرہ کی تعلیم دیتے تھے۔

تقریباً چار مہینے البانیا رہ کر ہم اپنے وطن بھارت لوٹے، پھر دوبارہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ واپس آئے، اس مرتبہ ہمارا قیام ''کورچا'' میں رہا، یہ علاقہ سمندر سے پانچ سو میٹر اونچائی پر ہے، نیز یہ علاقہ گریس کی سرحد پر ہے، تین کلومیٹر پر یونان کی سرحد (بورڈر) لگ جاتی ہے جس کی وجہ سے کورچا میں گریس والوں کی محنت زیادہ تھی، بہت کم لوگ تھے جو دینِ اسلام کی طرف مائل تھے، کچھ لوگ مدینہ اور جورڈن تعلیم حاصل کرنے گئے تھے؛ لیکن ابھی تک وہ آئے نہیں تھے، ایسے حالات کے باوجود الحمد للہ! ہم نے وہاں کام شروع کیا۔

اس کے بعد دیہاتوں میں کام شروع کیا، میں اور مولانا نذیر دو دو تین تین دیہاتوں میں جاتے تھے، کافی ٹھنڈی ہونے کے باوجود لڑکے اور لڑکیاں ہمارے پاس پڑھنے آتے تھے، تقریباً دو سو یا تین سو لڑکوں نے ہم سے کلمہ، وضو کا طریقہ، نماز کا طریقہ سیکھا اور ابتدائی تعلیم حاصل کی، اس طرح آہستہ آہستہ کام کرتے رہتے۔

مجھے یاد ہے کہ ۲۰۰۶ء میں حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ تشریف لائے تھے، جب انھوں نے مغرب کی نماز ادا کی تھی تو اس وقت مغرب کی نماز میں صرف چار یا پانچ آدمی تھے۔

الحمد للہ! ابھی یہ کیفیت یہ ہے کہ اسی مسجد میں مغرب، عشا اور فجر کی نماز میں جماعت خانے میں جگہ نہیں ملتی، اسی طرح ابھی ترکیوں نے ایک مسجد بنائی ہے اس میں

بھی دو تین صفیں ہو جاتی ہیں۔

جن طلبہ نے ابتدائی زمانے میں ہم سے تعلیم حاصل کی ماشاء اللہ! وہ نماز کے پابند اور اللہ کے راستے میں نکلنے والے بن گئے، ابتدائی دور میں دعوت وتبلیغ کے اعتبار سے کورچا کا علاقہ بہت کمزور سمجھا جاتا تھا، جماعت کی آمد و رفت نہیں تھی، گریش کے عیسائیوں کی زیادہ محنت تھی، میں نے تقاضا رکھا، الحمدللہ! جماعت کی آمد و رفت شروع ہوئی اور دعوت کا کام بھی شروع ہوا اور دو تین ساتھی چار مہینے کے لیے بھی نکلے، اور الحمد للہ! ابھی تک کام جاری ہے۔

تنظیم کے ماتحت چلنے والے مکاتب

تنظیم کے ماتحت پوگرادیس اور کورچا کے علاقوں میں بیس (۲۰) کلاسیں مکتب کی شکل میں چلتی ہیں، الحمدللہ! تمام مکاتب میں تقریباً دو سو ڈھائی سو طلبہ پڑھنے آتے ہیں، بچوں کو قریب کرنے کے لیے اور ان کی ہمت افزائی کے لیے ہر مہینے کچھ نہ کچھ انعام بھی دیتے ہیں۔

شیخ الحدیث حضرت مفتی احمد صاحب اور بندہ محمود کی طرف سے کام کے متعلق کچھ اہم سوالات اور ذمے داروں کے جوابات

سوال: آپ مستقل کوئی مکتب پڑھاتے ہیں؟

جواب: جی! میں تقریباً تین دیہاتوں میں جاتا ہوں، میری اہلیہ بھی میرے ساتھ آتی ہے۔

سوال: طریقۂ تعلیم کیا ہے؟

جواب: مولانا نذیر موسالی، مولانا مقصود اور مولانا سراج وغیرہ نے ایک کتاب تیار کی ہے، جس میں ابتدائی طلبہ کے لیے ایک خاص نصاب بنایا گیا ہے، ارکانِ اسلام، وضو اور نماز کا طریقہ، دس سورتیں وغیرہ وغیرہ۔ اس کتاب کو ''الامہ ویلفیئر انسٹی ٹیوٹ (U.W.T) تنظیم'' کی جانب سے شائع کیا گیا ہے۔

اور بھی کافی کتابیں خاص خاص موضوع سے، جیسے وضو کے مسائل، نماز کے مسائل، حج کے مسائل وغیرہ لکھی گئی ہیں۔

دوسالہ کورس

ایک دوسالہ کورس مرتب کیا گیا ہے جس میں اسلام کے ارکان، بنیادی عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت کے کچھ مسائل، تصحیحِ قرآن، میت کو غسل، جنازہ اور کفن دفن کے مسائل یہ کچھ بنیادی چیزیں پڑھائی جاتی ہیں، اس سے تیار ہونے والے حضرات کو مختلف علاقوں میں امامت اور مکتب پڑھانے کی خدمت پر لگا دیا جاتا ہے۔

نوٹ: اس طرح کے کورس کم و بیش مدت کے دنیا کے مختلف ممالک میں علاقائی حالات کو سامنے رکھ کر پڑھانے چاہییے؛ تاکہ بنجر بستیوں میں امامت و مکتب پڑھانے کے لیے مدرسین آسانی سے مل سکیں (از: مرتب)۔

دین کی ابتدائی بنیادی معلومات (از: مرتب)

① مکاتب کے بچوں کو صحیح قرآنِ مجید ناظرہ پڑھایا جائے۔

۲ اسلام کے بنیادی عقائد سکھائے جائیں، عام طور پر جو بچے مکتب میں آتے ہیں ان کو دین کے اعتبار سے کوئی معلومات نہیں ہوتی؛ اس لیے پہلے سوالات و جوابات ذہن نشین کرائے جائیں:

[۱] سوال: ہمارے رب کون ہیں؟ جواب: اللہ۔

[۲] سوال: ہم کو کس کی عبادت کرنی ہے؟ جواب: اللہ کی۔

[۳] سوال: ہمارا پیدا کرنے والا کون ہے؟ جواب: اللہ۔

[۴] سوال: ہمارا دین اور مذہب کونسا ہے؟ جواب: اسلام۔

[۵] ہم کو مذہب کی کونسی کتاب پڑھنی ہے؟ جواب: قرآن۔

[۶] ہم کس نبی کو مانتے ہیں؟ جواب: حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

[۷] سوال: ہمیں عبادت کے لیے کہاں جانا ہے؟ جواب: مسجد میں۔

کلمۂ طیبہ وشہادت عربی میں اور اس کا علاقائی زبان میں ترجمہ یاد کروانا بھی بہت اہم اور ضروری ہے۔

تبلیغی جماعتیں جو آتی ہیں ہم ان کو بھی یہ کہتے ہیں کہ جوانوں پر اور بڑوں پر شروع میں انھیں چیزوں پر محنت کی جائے؛ اس لیے کہ بہت سی جگہوں پر حالات یہ ہے کہ بچوں کو جب پوچھا جاتا ہے کہ:

عبادت کے لیے کہاں جانا چاہتے ہو؟ تو جواب ہوتا ہے: چرچ میں۔

کونسی کتاب پڑھنا چاہتے ہو؟ تو جواب ملتا ہے: بائبل۔

یہ سب عیسائیت کی محنت کے اثرات ہیں؛ اس لیے سب سے پہلے ان بنیادی چیزوں پر خوب محنت کرنی چاہیے۔ (انتہی)

مولانا مقصود صاحب سے مزید سوالات وجوابات

سوال: مسلم اور غیر مسلم کا فرق کیسے کرتے ہیں؟

جواب: نام کے ذریعہ فرق کرتے ہیں، کبھی کبھی وہ سامنے سے سلام کرتے ہیں تب پتہ چلتا ہے، بعض مرتبہ ہماری اسلامی شکل دیکھ کر لوگ قریب آتے ہیں۔

سوال: آپ کے ساتھ یہاں کے لوگوں کا کیا رویہ رہا؟

جواب: الحمد للہ! مقامی لوگوں کا اچھا ساتھ اور تعاون رہا، ہم بھی ان کے ساتھ اچھے رہے اور ابھی تک الحمد للہ! سب ٹھیک ہے۔

سوال: آپ لوگوں کو کام کرنے میں کیا کیا رُکاوٹیں اور مشکلات پیش آئیں؟

جواب: ابتدائی دور میں کافی وقت تک ایسا رہا کہ ہمارے پاس کوئی بچہ پڑھنے نہیں آتا تھا؛ لیکن اس کے باوجود مسلسل جاتے رہتے تھے اور مسجد کھول کر اس میں بیٹھے رہتے تھے، پھر اس کے بعد الحمد للہ! بچے آنا شروع ہوئے۔

سوال: اب تک کتنے لوگوں نے آپ کے اندازے کے مطابق ناظرہ قرآنِ کریم مکمل کیا ہوگا؟

جواب: صحیح تعداد کا ریکارڈ نہیں ہے؛ البتہ سو (۱۰۰) کے قریب بچوں نے مکمل کیا ہوگا۔

تجوید کے اعتبار سے یہاں کے طلبہ کا معیار

الحمد للہ! یہاں کے طلبہ قرآنِ کریم کو تجوید کے ساتھ پڑھتے ہیں، شیخ احمد کلایا

جو یہاں کے بڑے عالم اور ایک مسجد کے امام ہیں اور کئی سال سعودی پڑھے ہوئے ہیں، یہاں حفظِ قرآن کا مسابقہ ہوتا رہتا ہے، ایک مرتبہ وہ مسابقہ میں حاضر تھے، الحمد للہ! ہمارے یہاں کے طلبہ اول اور اچھے نمبرات سے کامیاب ہوئے۔

تو وہ فرمانے لگے کہ: دیہات والے (یعنی ہمارے طلبہ) شہر والوں پر غالب آ گئے۔

سوال: یہاں کے وہ مسلم جو آپ کے خیالات کے؛ یعنی حنفی نہیں ہیں ان کی طرف سے آپ کے کام کی کوئی مخالفت یا آپ کے خلاف کوئی پڑوپیگنڈا ہوا؟

جواب: جہاں پر ہمارا مدرسہ قائم ہے اس کے قریب ایک دیہات ہے، وہاں کٹر سلفی حضرات رہتے ہیں، پہلے وہاں ان کی ایک مسجد تھی، پھر ان میں ٹکراؤ ہوا تو دو مسجدیں ہو گئیں، پھر اور ٹکراؤ ہوا تو تین مسجدیں ہو گئیں اور یہ ٹکراؤ اس حد تک ہوا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو کافر کہنے لگے۔

جب ہم نے وہاں مدرسہ قائم کیا تو یہ سب مل کر آپس میں کہنے لگے کہ: یہ حنفی حضرات یہاں آ رہے ہیں، اپنی بدعت لے کر آئیں گے؛ لہذا ان کو یہاں مدرسہ قائم کرنے نہیں دیں گے؛ لیکن ان میں سے ایک دو ساتھی معتدل مزاج کے تھے انھوں نے ذہن سازی کی کہ: یہ اگرچہ حنفی ہیں؛ لیکن کام تو وہ اسلام ہی کا کریں گے، چنانچہ اجازت مل گئی، وہ لوگ ہمارے پاس آئے، ہمارے پڑھانے کا طریقہ دکھا، ہمارا مزاج دیکھا تو الحمد للہ! متأثر ہوئے اور اپنے بچوں کو ہمارے پاس پڑھنے کے لیے بھیج رہے ہیں، ہر سال جب اسکول کی چھٹیاں ہوتی ہیں تو وہاں سے تقریباً آٹھ دس بچے

پڑھنے آتے ہیں، بس! ایک بات ہے کہ مسلکی اعتبار سے ہم سے اختلاف رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ہم ایمانیات سے آگے کی تعلیم نہیں دے سکتے۔

عیسائیوں کا طریقۂ کار

سوال: یہاں پہلے ترکی حکومت تھی، تقریباً اس وقت پورا ملک مسلمان رہا ہوگا، پھر کمیونزم کا دور آیا، کمیونزم تو کسی مذہب کو نہیں مانتا؟ تو پھر یہ عیسائیت کہاں سے آئی؟

جواب: کمیونزم سے پہلے پچانویں (۹۵) فی صد مسلمان تھے، پھر کمیونزم کا دور آیا، کمیونزم کے چلے جانے کے بعد جیسے اسلامی تنظیمیں یہاں کام کرنے کے لیے آئیں اسی طرح عیسائی تنظیمیں بھی آئیں؛ بلکہ اسلامی تنظیموں کے مقابلے میں عیسائی تنظیمیں زیادہ آئی اور فی الحال بھی یہ تنظیمیں اسلامی تنظیموں کے مقابلے میں زیادہ ہیں، اوران کی محنت بھی زیادہ ہیں، ان کے نوجوان لڑکے لڑکیاں اچھے لباس پہن کر راستے میں ٹیبل لگا کر ایک طرف بیٹھ جاتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے رسالے تقسیم کرتے ہیں اور آنے جانے والوں کو اپنے پاس بلا کر عیسائیت کی دعوت دیتے ہیں، الگ الگ انداز میں الگ الگ طریقوں سے عیسائیت کی دعوت دیتے ہیں، اسکولوں میں جاتے ہیں، قلم، کاپی، کتابیں وغیرہ تقسیم کرتے ہیں جس سے وہ عیسائیت کی طرف مائل ہوں، نتیجہ یہ ہے کہ اب مسلمان تقریباً ۷۵ فی صد رہ گئے ہیں۔

سوال: حکومت میں اکثریت کس کی ہے؟ مسلمانوں کی یا عیسائیوں کی؟

جواب: موجودہ حکومت کے اکثر افراد کی ذہنیت کمیونزم والی ہی ہے؛ البتہ اس سے پہلے جو حکومت تھی اس کا میلان مسلمانوں کی طرف زیادہ تھا، بعض لوگوں کا کہنا

ہے کہ: ابھی جو حکومت ہے اس کا تعلق کچھ متشدد یہودیوں کے ساتھ ہے، ابھی الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ذریعہ مسلمانوں کے درمیان کچھ مسائل میں بحث کروا کر ٹکراؤ پیدا کرنا شروع کیا ہے۔

سوال: دیگر اسلامی تنظیموں کے ساتھ آپ کے روابط کیسے ہیں؟

جواب: الحمدللہ! اپنے ہم خیال جو تنظیمیں ہیں ان سے اچھے روابط ہیں، خاص کر کے مسلم کمیونٹی آف البانیا نام کی تنظیم والے جب کوئی پروگرام رکھتے ہیں اور کسی عالم کو مدعو کرتے ہیں تو ہمیں بھی دعوت دیتے ہیں، ہماری طرف سے کوئی پروگرام ہوتا ہے تو ہم کو ان کو دعوت دیتے میں۔

سوال: تعلیمی نظام کیا ہے؟ روزانہ کتنے گھنٹے تعلیم ہوتی ہے؟

جواب: جو طلبہ دار الاقامۃ والے مدرسے میں قیام و طعام کے ساتھ تعلیم حاصل کرتے ہیں ان کا تعلیمی نظام یہ ہے کہ فجر کے بعد فوراً تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ پڑھائی ہوتی ہے، پھر ناشتے کے لیے ایک گھنٹے کا وقفہ ہوتا ہے، اس کے بعد ظہر تک پڑھائی ہوتی ہے؛ یعنی صبح کی تعلیم تقریباً ساڑھے چار یا پانچ گھنٹے ہوتی ہے، پھر مغرب سے عشا تک تعلیم ہوتی ہے، گرمی کے موسم میں عصر سے پہلے بھی ایک گھنٹہ تعلیم ہوتی ہے، ٹھنڈی کے موسم میں وقت کی کمی کی وجہ سے عصر سے پہلے تعلیم نہیں ہوتی۔

جو طلبہ اسکول والے ہیں ان کی تعلیم فجر کے بعد فوراً ہوتی ہے، آٹھ بجے ان کی اسکول ہوتی ہے اس وقت وہ چلے جاتے ہیں، پھر مغرب سے عشا تک ان کی تعلیم ہوتی ہے، اور گرمی کے موسم میں عشا کے بعد بھی ان کی تعلیم ہوتی ہے۔

سوال: قیام وطعام والے طلبہ کی تعداد کتنی ہے؟

جواب: قیام و طعام والے طلبہ کی تعداد بارہ (۱۲) ہیں، اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہوتی، گرمی کے موسم میں غیر اقامتی طلبہ کے لیے والدین کا اصرار ہوتا ہے کہ ہمارے بچوں کو پڑھاؤ تو مسجد وغیرہ میں رہنے کا عارضی نظم کرتے ہیں، ان دو مہینے میں ۲۵، ۳۰ طلبہ تک تعداد ہو جاتی ہے، تعداد بڑھانے کے لیے تنظیم نے نئ عمارت بنانے کا پلان کیا تھا؛ لیکن حکومت کی طرف سے تعمیر کی اجازت نہیں ملی۔

اس کے علاوہ گاؤں کے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو مسجد میں آنے سے کتراتے ہیں، مسجد کا نام سن کر بھاگ جاتے ہیں، الحمد للہ! یہاں عام لوگ تھوڑے اسلام سے مانوس ہونے کی وجہ سے سلام، کلام کرتے ہیں، اگر آپ ہوٹل میں جا کر دین کی بات کریں گے، ایک گھنٹہ کریں گے تب بھی وہ سنیں گے؛ لیکن جب مسجد کی بات کرتے ہیں تو وہ مسجد میں نہیں آتے، ایسے لوگوں کے لیے گاؤں میں کرایہ کے مکان میں ایک مکتب شروع کیا ہے، الحمد للہ! ۱۰، ۱۵ بچے پڑھنے آتے ہیں۔

سوال: کیا آپ کو دار العلوم میں اسکول کی تعلیم دینے کی اجازت ہے؟

جواب: حکومت تو یہی چاہتی ہے کہ دار العلوم میں اسکول ہی کے موضوعات کی تعلیم ہو، ہم لوگ قرآن کی تعلیم اور دیگر دوسری عربی کتابوں کی تعلیم عربی کورس کے نام سے دیتے ہیں۔

سوال: اِس وقت البانیا کی سرزمین پر کتنی مسجدیں ہیں؟

جواب: تقریباً سات سو (۷۰۰) مسجدیں ہیں، کمیونزم کے دور سے پہلے سولہ

سو(۱۶۰۰) مسجدیں تھیں، اکثر مسجدوں کو شہید کر دیا گیا تھا، میوزیم کے طور پر کچھ مسجدیں باقی تھیں، الحمدللہ! ابھی مسجدیں تعمیر ہو رہی ہیں؛ لیکن اکثر مسجدیں ایسی ہیں جو صرف جمعہ کے دن کھلتی ہیں؛ کیوں کہ وہاں نماز پڑھنے والا کوئی نہیں ہے، جب ماحول ایسا ہے تو امام وہاں جا کر کیا کرے گا، بعض جگہ امام جانے کے لیے تیار تو ہوتے ہیں؛ لیکن تنخواہ کم ہوتی ہے تو دو دو، تین تین دن کے بعد مسجد میں جاتے ہیں، باقی دنوں میں مسجدیں بند رہتی ہیں۔

تنظیم نے اساتذہ کو پیش کش بھی کی تھی کہ آپ پورا وقت دیں ہم آپ کو پوری تنخواہ دیں گے؛ لیکن بچے آنے کو تیار نہیں ہوتے، ان کے والدین یہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ مکتب میں پڑھنے گئے تو ان کی اسکول کی تعلیم کمزور ہو جائے گی۔

سوال: لڑکیوں اور عورتوں کی تعلیم کا بھی کوئی نظام ہے؟

جواب: الحمدللہ! میری اہلیہ کے پاس تو تقریباً ۲۵، ۳۰ لڑکیاں دینیات اور ناظرہ قرآنِ کریم کی تعلیم حاصل کر رہی ہیں، اسی طرح ۲۵، ۳۰ عورتیں جمعہ کی نماز میں آتی ہیں، جمعہ کی نماز کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ درس ہوتا ہے، جس میں مسائل سکھائے جاتے ہیں، اطراف کے دیہاتوں میں بھی اہلیہ پڑھانے جاتی ہے۔

اسی طرح یتیموں کی بھی ایک کلاس چلتی ہے، سب جگہ کے کل ملا کر تقریباً ۳۷۰ بچے ہمارے پاس پڑھنے آتے ہیں، جب وہ آتے ہیں تو اپنی اپنی والدہ کے ساتھ آتے ہیں، ان کے لیے بھی مستقل معلمہ ہے۔

اسی طرح بعض عورتیں دور ہونے کی وجہ سے یہاں نہیں آسکتیں اور اہلیہ بھی

وہاں نہیں جاسکتی ہے تو ان کو موبائل کے ذریعہ قرآن پڑھانا شروع کیا، الحمدللہ! روزانہ تھوڑا تھوڑا کر کے پورا قرآنِ کریم سنایا، اسی طرح پانچ منٹ کا مدرسہ کتاب بھی پوری پڑھائی، الحمدللہ! کچھ عورتیں جو اہلیہ کے پاس پڑھی ہوئی ہیں ابھی معلمہ ہیں۔

حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ کی طرف سے ایک اہم مشورہ

فرمایا: جس طرح آپ کے پاس اسکول کے بچے گرمی کے زمانے میں پڑھنے آتے ہیں اور ان کے لیے عارضی قیام وطعام کے ساتھ تعلیم وتربیت کا نظم ہوتا ہے اسی طرح عورتوں کا بھی مستقل دو تین دن یا اس سے کم زیادہ کا پروگرام عارضی قیام وطعام کے ساتھ ہونا چاہیے جس میں ان کو بنیادی باتیں سکھائی جائے، جیسے کلمہ، وضو کا طریقہ، نماز وغیرہ۔

اس مشورے کے جواب میں مقامی ذمے داروں نے عرض کیا: یہاں سے تین (۳) کلومیٹر قریب ایک دیہات ہے وہاں ہفتے میں ایک دن عورتیں جمع ہوتی ہیں؛ لیکن اس طرح تین دن کا پروگرام سوچا جائے، بہت اچھا مشورہ ہے، ان شاء اللہ! اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔

مقامی باشندوں کی کمزوری اور "الامہ" تنظیم کا اہم کارنامہ

دولت کی لالچ اور چرچ

کمیونزم کے دور میں یہاں کے لوگ بہت غربت میں رہ چکے ہیں، ابھی بھی

ان کے ذہن میں یہی ہے کہ ہم غریب ہیں، دنیا کی محبت بھی انسان کے دل میں ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ لوگ پیسوں کی طرف بہت جلدی مائل ہوجاتے ہیں، اگر کوئی عیسائی آ گیا اور اس نے تھوڑی بہت مدد کردی تو اس کے ساتھ چرچ میں جانا شروع کردیتے ہیں اور اگر کوئی مسلمان آ گیا اور اس نے مدد کردی تو اس کے ساتھ مسجد جانا شروع کر دیتے ہیں، الحمدللہ! الامہ تنظیم نے ان حالات کو دیکھ کر یہاں کے لوگوں کو مختلف ناموں سے تحفہ (گیفٹ) دینا شروع کیا؛ جیسے عید گیفٹ، افطار گیفٹ وغیرہ وغیرہ، جس کا فائدہ یہ ہوا کہ بہت سے لوگ مسجد میں آئے، چالیس (۴۰) دن جماعت میں گئے، خود نماز کے پابند ہوگئے اور اپنے گھر والوں کو نماز کا پابند بنایا۔

بظاہر تو یہ لگتا ہے کہ یہ لوگ گیفٹ کی وجہ سے مسجد میں آتے ہیں؛ لیکن الحمدللہ! رفتہ رفتہ ان کے دلوں میں اسلام و ایمان کی اہمیت آ ہی جاتی ہے اور خود بخود پابند ہو جاتے ہیں، ہم ''الامہ'' تنظیم کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انھوں نے کام کو آگے بڑھانے میں بہت مدد کی، اللہ تعالیٰ ان کو بہترین بدلہ عطا فرمائے، آمین۔

الامہ تنظیم

(UMMAH Welfare Trust Bolton)

الامہ تنظیم ۲۰۰۱ء میں قائم ہوئی، اس تنظیم سے اللہ تعالیٰ نے عالمی پیمانے پر امتِ مسلمہ کی عجیب وغریب خدمات لی ہیں، اجڑے ہوئے مصیبت زدہ انسانوں کی بے مثال خدمات یہ تنظیم والے دے رہے ہیں، مدارس، مکاتب، بیوہ، یتاما، فساد زدہ، تعمیر، بورنگ، حفظ فنڈ، ٹیچر فنڈ، میڈیکل فنڈ، افطار کیٹ، پرانے کپڑے ضرورت

مندوں کو پہنچانا وغیرہ بہت ساری خدمات میں وہ ہمیشہ پیش پیش رہتے ہیں اور ہر کام قانونی دائرے میں رہ کر کرتے ہیں۔

یہ تنظیم دنیا کے تقریباً چھبیس (۲۶) رملکوں میں اس طرح کے رفاہی کام کر رہی ہے، اس کا سالانہ خرچ تقریباً تیس ملین پاؤنڈ ہے۔

اس وقت اس کے روحِ رواں حضرت مولانا محمد سیدات صاحب ہے جن کی نظرِ کرم ''نورانی مکاتب'' کے مدرسین کے ساتھ بھی ہے۔

ہمارے ہندی طرز کے دارالعلوم کے قیام کی سخت ضرورت

کمیونزم کے بعد کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو یہاں بہت سی تنظیمیں کام کرنے آئی، خاص کر عرب ملکوں سے، انھوں نے اپنے مسلک سلفیت کی طرف لوگوں کو مائل کیا؛ چونکہ یہاں پہلے سے حنفی حضرات بڑی تعداد میں موجود تھے جس کی وجہ سے عوام میں کافی انتشار اور ٹکراؤ ہوا، عرب یہاں کے لوگوں کی اچھی خاصی امداد کرتے تھے جس کی وجہ سے آہستہ آہستہ یہاں کے لوگ سلفیت سے مانوس ہو گئے، یہاں تک کہ وہ اپنے بچوں کو ان کے حوالے کر دیتے تھے، وہ ان کو سعودیہ میں پڑھانے کے لیے لے جاتے، اور وہاں جا کر سلفیت سے مانوس ہو جاتے تھے، پھر وہاں سے وہ سلفیت لے کر آتے تھے، اسی کا نتیجہ ہے کہ اکثر نوجوان حضرات سلفیت کا ذہن رکھتے ہیں۔

ایسے ماحول میں ایک حنفی ادارہ قائم ہو جائے تو بہت بڑی نعمت ہے، یہاں کے طلبہ بھی چاہتے ہیں کہ کوئی بڑا حنفی دارالعلوم اور ادارہ قائم ہو جس میں باقاعدہ بڑی کتابوں کا درس ہو، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ کوئی ایسی شکل یہاں پیدا فرما دے۔

مولانا حنیف صاحب کی تنظیم کے کام کا اجمالی خاکہ

تنظیم کے ماتحت چلنے والے کل مکاتب:

البانیا: ساٹھ (۶۰)۔ مقدونیا: چودہ (۱۴)۔ کل: چہتر (۷۴)۔

البسان کے قریب بیلش (Belesh) میں قیام وطعام والا مدرسہ بھی قائم ہوا، طلبہ کی تعداد کم وبیش ہوتی رہتی ہے، اسکول کی چھٹیوں میں زیادہ، باقی دنوں میں کم طلبہ ہوتے ہیں، یومیہ بارہ پندرہ رہتے ہیں، اساتذہ بھی ضرورت کے مطابق دو، تین، چار ہوتے ہیں۔

کل تین سو (۳۰۰) یتیم کو ہر ماہ پچیس پاؤنڈ وظیفہ دیا جاتا ہے، ہر یتیم کے لیے کم از کم ہفتے میں ایک مرتبہ مکتب میں حاضری ضروری ہے اور مہینے کے آخر میں مکتب میں بلا کر وظیفہ دیا جاتا ہے اور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر دین کی بات ان کو سنانے کا موقع مل جاتا ہے۔

دنیا کے مختلف علاقوں میں دینی کام کرنے والوں سے چند گزارشات

نوٹ: حضرت مولانا حنیف دودھ والا اور ان کی تنظیم کے ذمے داروں نے ہمارے حضرت شیخ الحدیث مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ، حضرت مولانا ابراہیم صاحب پانڈور مدظلہ اور بندہ محمود سے باقاعدہ درخواست کی تھی کہ آپ کی طرف سے چند مفید مشورے ہم کو دیے جائیں؛ تاکہ ہمارے لیے کام کرنے میں مدد مل سکے، ان

کی درخواست پر ان کی اور دیگر تنظیموں کے فائدے کے لیے یہ چند گزارشات پیش کی جاتی ہے، الحمدللہ! یہ تمام چیزیں تجربات اور اس سے حاصل شدہ مفید نتائج کی روشنی میں پیش کی جارہی ہے، اور بحمد اللہ! نورانی مکاتب میں تقریباً ان ہی ہدایات پر عمل ہوتا ہے اور ان شاء اللہ! اس پر عمل کرنے سے بین فائدہ نظر آئے گا۔

① ایسی بستیاں تلاش کی جائیں جہاں مسلمان موجو ہیں اور اب تک وہاں عبادت گاہ، مسجد، مکتب کسی بھی چیز کا نظم نہیں ہے، اور اس کے قیام کی اولِ مرحلے میں فکر کی جائے، اس سلسلے میں صوبۂ گجرات اور اس کے اطراف میں اللہ کے فضل وکرم سے جن امور کی رعایت سے کامیابی ہوئی اس کو بھی عرض کردیتے ہیں:

[۱] اولاً کسی درخت کے نیچے یا کسی چبوترے پر نماز اور تعلیم کی شروعات کی جاسکتی ہے۔

[۲] کسی جگہ کنٹیز رکھ کر نماز اور مکتب کا کام کیا جاسکتا ہے، خدا نہ کرے آئندہ کسی مسئلے کی وجہ سے منتقل کرنا ہو تو آسان ہوجائے۔

[۳] کسی بڑی عمارت کا پارکنگ یا چھت مل جائے تو اس میں بھی یہ مبارک سلسلے جاری ہوسکتے ہیں۔

[۴] کرایہ یا عاریت کی جگہ یا مکان یا کمرے میں بھی کام شروع ہوسکتا ہے۔

[۵] پترے، ٹین وغیرہ کا سیڈ بنا کر یا ایسی چیز کا جو آسانی سے کھولا جاسکتا ہو، اور دوبارہ استعمال کیا جاسکتا ہو ایسے سامان کی عارضی عبادت گاہ اور مکتب میں بھی کام ہوسکتا ہے۔

[٦] پھر جب جماؤ نظر آئے تو مستقل زمین خرید کر یا وقف زمین مل جائے تو اس پر تعمیر ہوسکتی ہے اور الحمدللہ! مسلمانوں میں مکتب، مسجد کی تعمیر کے لیے معاونین بہت آسانی سے مل جاتے ہیں، البتہ تعمیر میں یہ ملحوظ رہے کہ ضرورت کے مطابق اور سادہ تعمیر زیادہ بہتر ہے؛ تاکہ نظرِ بد سے بھی حفاظت ہو اور مصارف بھی آسان ہو۔

② نوجوان، بوڑھے، مردوں اور عورتوں میں تعلیم کا سلسلہ شروع کیا جائے، چاہے روزانہ کچھ وقت ہو یا ہفتے میں ایک دو دن ہو۔

③ مکتب پڑھانے والے مدرسین سے درخواست کی جائے کہ آپ جہاں مکتب پڑھا رہے ہیں وہاں سے سال میں کم از کم ایک دو بچے حفظ اور عالمیت یا امامت وتدریس کے مختصر کورس کے لیے ترغیب دے کر لائیں اور اس طرح کا کام کرنے والے مدرسین کو ہر ایک طالبِ علم پر سالانہ خصوصی انعام دیا جائے اور تنخواہ میں ترقی کی جائے۔ جب بستی میں علما، حفاظ اور ائمہ تیار ہو جائیں گے تو بڑی سہولت ہو جائے گی۔

اسی طرح بنجر بستی میں جو طلبہ حفظ یا عالم یا مختصر کورس کے لیے آئیں ان کی نگرانی کی بھی فکر کی جائے، اور ان آنے والے طلبہ کے گھریلو مسائل پر بھی توجہ دی جائے؛ تاکہ وہ عافیت سے تکمیل کرلیں اور تکمیل کے بعد حتی الامکان کوشش یہ رہے کہ ہم ان کو کسی نہ کسی مناسب جگہ پر تدریس وامامت کے لیے متعین کردیں۔

④ جب بچہ ناظرہ کی تکمیل کرلے تو محلوں یا بستیوں میں چھوٹا پروگرام کر کے مقامی لوگوں کو ناشتے یا طعام پر مدعو کیا جائے، تکمیل کرنے والوں کو علی الاعلان مبارک بادی دی جائے، اور ایسے موقع سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں میں قرآن اور دینی تعلیم کی

اہمیت پر مجلس ہوجائے۔

⑤اسکول کی تعطیلات کے موقع پر تین روز کا یا ایک روز کا یا آدھے روز کا یا اس سے کم یا زیادہ ایک تربیتی کیمپ رکھا جائے، جس میں قیام وطعام کا نظم بھی ہوتو بہت بہتر ہے اوراس میں قرآن کی تصحیح، طہارت ونماز، دین کی بنیادی معلومات اور میڈیا کے ذریعہ پیش آنے والے دین کے متعلق شکوک وشبہات کا ازالہ، نوجوانوں کے مسائل، ان کی الجھنیں، اس پر مذاکرے اور بیانات رکھے جائے۔

نوجوانوں کے ساتھ وہ سمجھ سکیں ایسی زبان میں بات کی جائے اور وہ علما سے مانوس ہوں ایسا انداز اختیار کیا جائے، ان کو دل چسپی ہو اس کے لیے سوال وجواب کا سلسلہ بھی رکھا جائے۔

اس سلسلے میں ہمارے جن اکابر علما کو مہارت اور تجربہ ہیں ان میں سے بعض حضرات کسی قدر کھیل اور تفریح کو بھی ایسے پروگرام میں شامل کرتے ہیں۔

ایسی مجالس میں جو واقعی شرعاً حرام چیزیں ہیں اس کا تعارف ضرور کرایا جائے؛ تاکہ نوجوان اس سے بچ سکیں۔

ایسی مجالس بغیر قیام وطعام کے بھی منعقد کرسکتے ہیں۔

⑥نوجوانوں کو اور بڑی عمر کے لوگوں کو جو زیادہ وقت نہیں دے سکتے ہیں ان کو نہایت اہم چیزوں سے کم وقت میں واقف کرایا جائے:

[۱] کلمۂ شہادت، ایمانِ مجمل ومفصل کا خلاصہ۔

[۲] سورۂ عصر، کوثر، اخلاص، اور سورۂ فاتحہ زبانی یاد کرانا۔

[۳] وقت میں تھوڑی سی بھی گنجائش ہوتو سورۂ فیل سے سورۂ ناس مع سورۂ فاتحہ یاد کرانا۔

[۴] وضو، غسل، نماز کے صرف فرائض، ارکان وواجبات سمجھا دینا۔

⑦ مقامی زبان میں پمفلٹ یا چھوٹے رسالے عقائد، اخلاق اور دینی معلومات پر شائع کیے جائیں۔

⑧ واٹس ایپ پر گروپ بنا کر چھوٹی چھوٹی کلپ بنا کر روزانہ یا ہفتے میں ایک دو مرتبہ دینی ضروری باتیں شائع کی جائیں۔

⑨ بیوہ، یتامیٰ کو جب تعاون کیا جاتا ہے یا کوئی اور اس طرح کی تعاون کی مجلس ہو تو اس میں چند منٹ ضرور دینی باتوں کا مذاکرہ کر لیا جائے اور ضروریات کی چیزوں کے دینے کے ساتھ کوئی دینی رسالہ یا پمفلٹ دیا جائے۔

⑩ ذکر واذکار اور خانقاہ کی ترغیب دینے والے بزرگان کا دورہ کروایا جائے۔

⑪ دوسری جو تنظیمیں یا افراد کام کرتے ہیں ان کے ساتھ بھی کبھی کبھی رابطہ و ملاقات کا سلسلہ رہے اور مشورے سے علاقے یا کام کو تقسیم کیا جا سکتا ہے اور ہر تنظیم والے ایک دوسرے کے متعلق اچھے الفاظ ہی کہے، مخالفت یا تنقیص نہ کرے، حلیف بن کر کام کریں، حریف بن کر کام نہ کریں اور اللہ کے دربار میں قبولیت کی دعا کا اہتمام کریں اور کرواتے رہیں۔

⑫ سالانہ یا اس سے کم مدت میں اپنی تنظیم یا ان سے منسلک افراد کے ساتھ کھلے دل سے مل کر مذاکرہ ہو کہ: کیا کمیاں اور کوتاہیاں ہیں اور سب مل کر اس کے ازالے کی کوشش کریں، کمی وکوتاہی پر نظر رکھنا اور تلافی کی کوشش کرنا یہ ترقی کا بہترین

ذریعہ ہے اور دوسرے اس لائن کے ماہرین سے بھی پوچھا جائے کہ ہماری کمی وکوتاہی پر آپ نشان دہی فرمائیں اور صحیح رہنمائی کو کھلے دل سے قبول بھی کر لیا جائے۔

⑫ اسلامی ماحول کی اسکولیں قائم کی جائیں، اس سلسلے میں مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں حسنی ندویؒ کے بیان کا ایک فکر انگیز اقتباس بعینہ نقل کیا جاتا ہے:

نئی نسلوں کو اسلام پر باقی رکھنے کے لیے معیاری اسکولوں کی ضرورت

مونٹیسری اسکول، نرسری اسکول، کنڈرگارڈن وغیرہ قسم کے مدارس اب نہایت ضروری ہو گئے ہیں، ہم مسلمانوں کو توجہ دلائیں گے کہ اب صرف کنویں بنانا اور صرف مسجد کے مقابلے میں مسجد بنانا صرف یہی ایک نیکی کا کام نہیں ہے؛ بلکہ بڑی نیکی کا کام یہ ہے کہ آپ اس نئی نسل کو بچائیں اور ایسے معیاری سکول قائم کریں جن کا انتظام، جن کے اساتذہ کی سطح؛ یعنی ایلیفکیشن، ان کا تجربہ کسی طرح دوسرے اسکولوں سے کم نہ ہو جس کو دوسرے فرقوں نے قائم کیے ہیں؛ بلکہ بہتر ہونا چاہیے۔

مسلمانوں کو ہر میدان میں سبقت لے جانے کی کوشش کرنی چاہیے، اور پھر اس کا ڈسپلن، رکھ رکھاؤ، اس کی صفائی اور اس کا نظم ونسق وہ ہر طرح سے ایسا ہو کہ کھاتے پیتے لوگ اور جن کا معیارِ زندگی بلند ہے وہ اپنے بچوں کو وہاں بھیجنے میں ذرا بھی تامل نہ کریں۔

آپ سب جانتے ہیں کہ میں مدرسہ کا آدمی ہوں، اب بھی مدرسہ ہی کا خادم ہوں اور عربی مدارس کی دعوت دیتا ہوں؛ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ میں آپ سے یہ کہہ رہا ہوں کہ: اب آپ زمانے کو سمجھیے، زمانے کے تیور کو سمجھیے، اور آپ ہر جگہ ایسے اسکول

قائم کیجیے جہاں اچھے،خوش حال اور تعلیم یافتہ لوگ اپنے بچوں کو بے تکلف بھیجیں۔

آپ یہ امید نہ رکھیں کہ سب عربی مدارس میں آ جائیں گے، یہ ہو جاتا تو بڑا اچھا ہوتا؛لیکن ہر تمنا پوری نہیں ہوتی ہے،اس کا ہمیں لحاظ رکھنا چاہیے کہ ایسا نہیں ہو سکے گا،ان کے لیے ایسے اسکولوں کو قائم کرنا بہت ضروری ہو گیا ہے کہ جہاں بقدرِ ضرورت دینیات سے واقفیت ہو جائے،نماز اور روزے کے پابند ہو جائیں ،اردو پڑھ لکھ سکیں اور اسلام کی خوبی کا نقش ان کے دل پر قائم ہو جائے،وہ اپنے مسلمان ہونے پر فخر کریں اور اس کی کوشش کریں کہ مسلمان رہیں۔

اور دوسرے یہ بھی کہ جو بچے غیر مسلم اسکولوں میں پڑھتے ہیں آپ کا تعلیمی نتیجہ ان سے بہتر ہونا چاہیے،آپ کے بچے جب وہاں جائیں تو وہ ان کے مقابلے میں بہتر ہوں،اگر آپ اس میں کامیاب ہوئے تو بڑی خدمت انجام دیں گے۔

اور کبھی یہ نہ سمجھیے گا کہ آپ کوئی غلط کام کر رہے ہیں،کوئی صاحب اگر آپ کو اس میں وسوسہ پیدا کر دیں کہ میاں! کہاں کس جھنجھٹ میں پڑے ہو؟ سیدھے سیدھے ایک سرائے بناؤ جہاں مسافر ٹھہریں یا کسی لنگر کا انتظام کرو یا مسجد میں ایک اور مینارہ بنا دو،دو مینارے ہیں اس میں ایک اور مینارہ بن جائے،تو آپ کبھی ایسے آدمیوں کی بات میں نہ آیئے گا،ہم لوگ بھی دین کا تھوڑا بہت علم رکھتے ہیں اور خدا کے فضل سے دینی مدارس ہی کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں؛لیکن آپ جو کام کر رہے ہیں اس کو ہم سراہتے ہیں،ہم اس کی قدر کرتے ہیں اور ہم خود اس کی ضرورت سمجھتے ہیں۔

(اقتباس از خطاب ۲۴؍ ۱۹۷۱ء اُجین، مدھیہ پردیش،تحفۂ انسانیت ص:۸۶)

❁ ❁ ❁

بلقان ریاستوں کا سفر

از: شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

دامت برکاتہم العالیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بلقان ریاستوں کا سفر

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام علىٰ رسوله الكريم وعلىٰ اٰله وأصحابه أجمعين وعلىٰ كل من تبعهم بإحسان إلىٰ يوم الدين، أما بعد!

آج سے بارہ سال پہلے میں نے مشرقی یورپ کے ملک البانیہ کا سفر کیا تھا، اور دینی لحاظ سے اس کی حالتِ زار کا مفصل تذکرہ اپنے سفرنامے میں کیا تھا جو میری کتاب ''سفر در سفر'' میں چھپ چکا ہے۔ یہ سفر میں نے برطانیہ کی تنظیم ''مسلم ویلفئر انسٹی ٹیوٹ'' کی دعوت پر کیا تھا۔

اس رمضان ۱۴۳۹ھ میں مجھے اسی تنظیم کے سربراہ مولانا حنیف صاحب نے بتایا کہ: وہ برطانیہ کے متعدد علما کے ساتھ بلقان ریاستوں کا دورہ کررہے ہیں، جن میں البانیہ کے علاوہ مقدونیہ، مونٹی نیگرو اور بوسنیا بھی شامل ہیں، ان کا کہنا تھا کہ: پچھلے بارہ سال کے دوران ان ملکوں میں دعوتی اور تبلیغی کام خاصا آگے بڑھا ہے، اور اب ضرورت ہے کہ اس کو مزید آگے بڑھانے کے لیے علما کا ایک دورہ ہو جس سے کام کرنے والوں کی ہمت افزائی بھی ہوگی، اور مزید کام کے لیے بنیادیں بھی ڈالی جاسکیں گی۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ: ڈابھیل کے مفتیٔ اعظم حضرت مولانا احمد خانپوری صاحب مدظلہم نے بھی اس سفر میں ساتھ رہنے کا وعدہ فرمالیا ہے، ان کی خواہش تھی کہ عید کے بعد فوراً میں بھی ان کے قافلے میں شامل ہوجاؤں، تو ان شاء اللہ! دورے کے مفید اثرات میں اضافہ ہوگا۔

اگرچہ عمر کے اس حصے میں اس قسم کی طوفانی دورے میرے لیے مشکل ہوتے ہیں؛ لیکن البانیہ کے پچھلے سفر میں میں نے جو حالات دیکھے تھے ان کی وجہ سے میں نے اللہ تعالیٰ کے نام پر یہ دعوت قبول کرلی، اور ۴/شوال ۱۴۳۹ھ کا دن گذار کر رات کے ساڑھے چار بجے ''دوحا'' کے راستے مقدونیہ (Macedonia) کے دار الحکومت اسکوپیا (Scopia) کے لیے روانہ ہوا، اور مقدونیہ کے وقت کے مطابق (جو ہم سے تین گھنٹے آگے ہے) صبح کے سوا گیارہ بجے اسکوپیا کے ہوائی اڈے پر اترا، جہاں مولانا حنیف صاحب کے نمائندے مولانا رجب صاحب نے استقبال کیا جو رائے ونڈ کے مدرسے کے پڑھے ہوئے ہیں، اور اردو اچھی طرح بولتے اور سمجھتے ہیں۔ طویل سفر اور رات کی بے خوابی کی بنا پر وہ دن کچھ آرام اور اسکوپیا کے قریبی تاریخی مقامات دیکھنے میں گذرا۔

یہ سارا علاقہ جزیرہ نمائے بلقان کا ایک حصہ تھا، جزیرہ نمائے بلقان یورپ کا ایک مثلث نما جزیرہ ہے جو شمال میں وسطیٰ یورپ اور جنوب میں بحرِ ابیض کے مشرقی حصے سے ملتا ہے۔ بلقان کے بیشتر علاقوں کے کنارے ایڈریاٹک یا بحرِ ایجین یا بحرِ اسود سے ملتے ہیں، کسی زمانے میں بلقان کا بیشتر حصہ خلافتِ عثمانیہ کا ایک ڈویژن تھا۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد بلقان کے جو حصے خلافت کے ماتحت تھے، ان میں سے اکثر رفتہ رفتہ خلافت کے تسلط سے نکلتے گئے۔ البانیہ نے ایک مستقل ریاست کی حیثیت اختیار کر لی، اور کچھ عرصہ کے بعد بلغراد، مقدونیہ، مونٹی نیگرو اور بوسنیا پر آسٹریا کا تسلط رہا، پھر کمیونسٹ انقلاب کے بعد اس کے بیشتر حصے یوگوسلاویہ کا حصہ بن گئے تھے، یوگوسلاویہ کی تحلیل کے بعد ۱۹۹۱ء سے اب یہ ایک مستقل ملک ہے۔

کمیونسٹ حکومت کے دور میں یہاں مسلمانوں پر اتنے مظالم تو نہیں ہوئے جتنے البانیہ میں ہوئے؛ لیکن پھر بھی کمیونسٹ حکومت کے تحت مسلمانوں کو زندگی بسر کرنا مشکل ہوگیا، اس کے صرف ایک مشرقی شہو بتولا (Bitula) میں جو درحقیقت بیت اللہ کی بگڑی ہوئی صورت ہے، بہتّر مسجدیں تھیں جن میں مدارس بھی تھے، کمیونسٹ انقلاب کے بعد ان کی اکثریت کو شہید کر دیا گیا، اور صرف دس مسجدیں باقی رہ گئیں جن میں سے صرف چار استعمال میں ہیں، اور ایک کو عجائب گھر بنا دیا گیا ہے؛ اس لیے مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد مختلف ملکوں میں جا بسی، چناں چہ اب یہاں مسلمانوں کا تناسب تقریباً چالیس فی صد رہ گیا، اسکوپیا ایک خوب صورت شہر ہے جو دریائے واردار کے دونوں طرف آباد ہے۔ مولانا رجب نے بتایا کہ: اس کے ایک طرف زیادہ تر عیسائیوں کی آبادی ہے اور دوسری طرف زیادہ تر مسلمانوں کی۔

الحمد للہ! یہاں خلافتِ عثمانی کے زمانے کی خوب صورت مسجدیں اب بھی موجود ہیں، اور ہماری قیام گاہ ہوٹل بوشی کے بالکل ساتھ سلطان سلیم کے ایک وزیر مصطفیٰ پاشا کی بنائی ہوئی شاندار مسجد تھی جو ۱۴۹۲ء میں تعمیر ہوئی تھی، یعنی وہ تقریباً پونے چھ سو سال پرانی ہے؛ لیکن اس کا شکوہ اب بھی برقرار ہے، ہم نے ظہر کی نماز اسی مسجد میں پڑھی؛ لیکن نمازیوں کی ایک صف بھی پوری نہیں تھی، کچھ مسجدوں میں بچوں کے لیے مکتب بھی قائم ہیں۔

ہمارا پہلے سے نظم یہ تھا کہ بدھ کی صبح تبلیغی مرکز میں حاضری دیں گے، اور وہاں خطاب بھی ہوگا، اب برطانیہ سے حضرت مفتی شبیر صاحب مدظلہم اور ان کے ہونہار صاحبزادے مولانا یوسف صاحب (جو آخر وقت تک میری کار میں میرے بہترین

رفیق رہے، اور ان کے علمی ذوق کا مجھے پہلے سے بڑا خوشگوار تجربہ تھا) اور میرے عزیز دوست مولانا ابراہیم راجہ صاحب بھی بندہ کی رفاقت کے لیے ہمارے ساتھ شامل ہو گئے تھے، اور مسلم ویلفیئر انسٹی ٹیوٹ کے ٹرسٹی بلیک برن کے استاذ مولانا رفیق صاحب اپنی اہلیہ اور صاحبزادے حماد سلمہ کے ساتھ اور احمد آباد انڈیا کے افضل میمن صاحب بھی اپنی اہلیہ کے ساتھ لندن سے اوہرد (Ohird) ایئرپورٹ پر اتر کر تقریباً چار گھنٹے کا سفر کر کے میرے پاس اسکوپیا پہنچ گئے تھے، اور قافلے کے منتظم حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہم اور دوسرے رفقا کے ساتھ اوہرد شہر میں ٹھہر گئے تھے، چناں چہ مولانا رجب صاحب اوہرد سے آنے والوں کے ساتھ تین گاڑیوں میں ہمیں وہاں لے جانے کے لیے اسکوپیا سے روانہ ہوئے۔ میری گاڑی میں مولانا ابراہیم راجہ اگلی سیٹ پر تھے۔

مولانا رجب صاحب پہلے مقدونیہ کے جنوبی شہر تیتووا (Tetovo) لے گئے جس میں تقریباً نوے فی صد مسلمانوں کی آبادی ہے، اور اس کے بعد مضافاتی دیہات میں سو فی صد مسلمان ہیں، یہاں بھی شرینہ مسجد کے نام سے ایک ۱۴۹۵ء میں بنی ہوئی تقریباً پونے چھ سو سال پرانی نہایت خوب صورت مسجد ہے جس کی آب و تاب الحمد للہ! اب تک برقرار ہے، یہ مسجد دو بہنوں نے تعمیر کروائی تھی، ان دونوں بہنوں کا مزار بھی مسجد کے احاطے میں ہے۔ نیز اس مسجد میں بچوں کی دینی تعلیم کے لیے ایک مکتب بھی سالہا سال سے قائم تھا، ترکی کے صدر رجب طیب اردگان صاحب نے یہاں کا دورہ کیا تو اس مکتب کے لیے ایک اچھی عمارت بھی تعمیر کرا دی۔

ہم اس مدرسے میں گئے تو وہاں ایک چھیاسی سالہ بزرگ شیخ محمود سے

ملاقات ہوئی جنھوں نے بتایا کہ: وہ پچاس سال سے یہاں قرآنِ کریم اورابتدائی دینی تعلیم کی خدمت انجام دے رہے ہیں، اوراب تک ایک سواسّی بچوں کوحافظ بنا چکے ہیں، کمیونسٹ دور میں یہ کام قدرے چھپ چھپ کرکیا گیا، البتہ آزادی کے بعداب کوئی روک ٹوک نہیں ہے، ان کی تپائی پرایک کتاب رکھی تھی، دیکھا تووہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''احیاءعلوم الدین'' تھی۔ ہم نے ان سے مولانا رجب صاحب کی ترجمانی کے ذریعے پوچھا کہ: انھوں تعلیم کیسے حاصل کی؟ توانھوں نے یہ مختصر جواب دیا کہ: ''کچھ مشائخ سے''۔ بظاہر دوسرے کمیونسٹ علاقوں کی طرح انھوں نے بھی چھپ چھپ کرہی پڑھا ہوگا۔

اس چھوٹے سے خوب صورت شہر میں جگہ جگہ خواتین باپردہ نظر آئیں، اورشہر پرعمومی طورسے مسلمانوں کا شہر ہونے کا تأثر ملا، یہ جمعرات کا دن تھا، اور یہاں بڑے سلیقے کے ساتھ جمعرات بازار لگا ہوا تھا جس کے خاتمے پر تیتووا شہر کے عثمانی حاکم کی رہائش گاہ تھی جووسیع توبہت تھی؛ لیکن عمارتیں سادگی کا نمونہ۔

اسی شہر کے مضافات میں تبلیغی مرکز الحمدللہ تعالیٰ قائم ہو چکا ہے، شروع میں کچھ اللہ کے بندوں نے ایک گھر میں کام شروع کیا تھا، اب اس کے لیے ایک خاصی وسیع عمارت تعمیر ہوگئی ہے، یہاں ہم نے نمازِ ظہر ادا کی، اس کے بعد بندے نے حاضرین سے خطاب کیا جس میں یہاں کے مسلمانوں کومبارک باد دے کر یہاں کی دینی ضروریات کی تکمیل کے لیے تبلیغی کام اورتعلیم کی اہمیت پرزوردیا، بیان کا مقامی زبان میں ترجمہ مولانا رجب صاحب نے کیا، حضرت مولانا مفتی شبیر صاحب نے بھی خطاب فرمایا۔

ان حضرات نے کھانے کا پرتکلف انتظام کیا ہوا تھا جس میں خود ذبح کیے ہوئے بکرے کا نہایت لذیذ گوشت بھی شامل تھا؛ لیکن چوں کہ ہمیں یہاں سے البانیہ کے ایک شہر پوگرادیس جانا تھا، جہاں مولانا حنیف صاحب اور ان کے رفقا اوہرد شہر کا دورہ کر کے پہنچنے والے تھے، اور مغرب کے بعد ایک اجتماع بھی تھا، اور دوپہر کے کھانے کے بعد میرے لیے سفر بہت تعب کا باعث ہوتا ہے؛ اس لیے میں نے کھانا کھانے کے بجائے یہاں کے نہایت شیریں تربوز اور خربوزے پر اکتفا کیا۔

البانی مسلمانوں کی ایک تنظیم "منتدى الشباب الإسلامي" کا ایک مرکز مقدونیہ میں بھی ہے، اس کے سربراہ شیخ احمد میمیتی ازہر کے فارغ التحصیل بڑے فاضل اور فعال نوجوان ہیں، اور آج کل سوئٹزرلینڈ میں مقیم ہیں، انھوں نے ہی مجھے اس سے پہلے سوئٹزرلینڈ میں اپنی تنظیم کے کنونشن میں مدعو کیا تھا جس کی تفصیل میرے داماد مولانا عبداللہ نجیب سلمہ نے لکھ کر البلاغ میں شائع بھی کی تھی، اس کے بعد ایک مرتبہ میں ان کی دعوت پر آسٹریلیا کے دارالحکومت "ویانا" بھی گیا تھا، انھیں جب معلوم ہوا کہ میں مقدونیہ آرہا ہوں، تو انھوں نے کوشش کی کہ وہ اس موقع پر میری رفاقت کے لیے یہاں آجائیں؛ لیکن انھیں چھٹی نہ مل سکی؛ البتہ ان کی خواہش تھی کہ میں ان کے مرکز میں بھی حاضری دے کر نوجوانوں کو کچھ نصیحت کروں۔ یہ مرکز مزید جنوب میں کچھ فاصلے پر ایک شہر گوستی وار (Gostivar) میں ہے، جو وادی پولاک میں واقع ہے، اور اس کی آبادی تقریباً اسّی ہزار ہے، چناں چہ تبلیغی مرکز سے روانہ ہو کر اس شہر میں پہنچے جہاں بیس بیس کیلوں کے تربوز دکانوں میں رکھے نظر آئے۔

اسی شہر کے درمیان ایک خوب صورت قدیم مسجد کے سامنے کا "منتدی

الشباب الإسلامي'' مرکز ہے، جہاں ان کے نوجوان نمائندے شیخ معمر (فاضل ازہر) نے ہمارا استقبال کیا، اور اپنی لائبریری دکھائی، جو عربی اور مقامی زبانوں میں اسلامی علوم پر وقیع کتابوں سے بھری ہوئی تھی، یہاں ہم نے ایک ایسی کتاب بھی دیکھی جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ یہ ''لوامع القول شرح راموز الأحاديث''تھی، یہ مرکز اسلامی علوم کے طلبہ اور اساتذہ کے لیے ایک مفید دار المطالعہ کا کام کرتا ہے، نیز اس میں بعض درس بھی ہوتے ہیں، شیخ احمد سے جو سوئٹزرلینڈ میں تھے، ساتھیوں نے اسکائپ پر رابطہ کرایا، وہ ہماری آمد پر انتہائی مسرور تھے اور بار بار شکریہ ادا کر رہے تھے۔

اب تقریباً چار بجے سہ پہر کا وقت ہوگا جب ہم یہاں سے البانیہ کے لیے روانہ ہوئے، تقریباً دو گھنٹے کا یہ سفر نہایت خوب صورت سرسبز پہاڑوں اور زرخیز زمینوں پر مشتمل تھا، اس کے بعد ہم مقدونیہ اور البانیہ کی سرحد پر پہنچے جہاں ساتھیوں کی امیگریشن میں بہت دیر لگ گئی، مقدونیہ اور البانیہ کو مشرقی یورپ کی مشہور جھیل ''اوہرد لیک''(Ohrid Lake) تقسیم کرتی ہے جس کے ایک طرف مقدونیہ کے پہاڑ ہیں اور دوسری طرف البانیہ کے، سرحد سے نکل کر ہم مسلسل اس جھیل کے کنارے سفر کرتے رہے، پوگرادیس ابھی کچھ دور تھا، اور خطرہ تھا کہ وہاں پہنچنے تک نمازِ عصر کا وقت نہ نکل جائے؛ اس لیے راستے کی ایک مسجد میں ہمارا تین گاڑیوں کا قافلہ رُکا، قریب میں ایک بستی تھی، ہمیں دیکھ کر پورے محلّے کے مرد، عورتیں اور بچے جمع ہو گئے، نہ وہ ہماری زبان سمجھتے تھے اور نہ ہم ان کی؛ لیکن ان کے چہروں سے مسرت پھوٹی پڑ رہی تھی، وہ آگے بڑھ کر ہماری کچھ نہ کچھ مدد کرنے کی فکر میں تھے، ہمارے قافلے میں تین خواتین بھی تھیں، مقامی خواتین انھیں اصرار کر کے اپنے گھروں میں لے گئیں، ایک خاتون مسلسل

میری اہلیہ کا ہاتھ پکڑے رہیں، اور وضو سے لے کر نماز تک ہر کام بڑی محبت سے کراتی رہیں، نماز کے بعد وہ اور دوسری خواتین اپنے بچوں پر مجھ سے دَم کرانے کے لیے لے آئیں، بعض بچوں سے سورۂ فاتحہ سنوائی، اور جو خاتون میری اہلیہ کے ساتھ تھیں وہ اپنے گھر سے بڑی لذیذ چیریاں ایک تھیلے میں لائیں، اور میری اہلیہ کے ہاتھ میں دیدیں، اور بار بار ''السلام علیکم ورحمة اللّٰه وبرکاته'' کہتی رہیں، سلام کے علاوہ ہم ان کی اور وہ ہماری کوئی بات نہیں سمجھ سکتے تھے؛ لیکن ان کے چہروں سے ایمانی رشتے کی محبت اور اس کی چمک دل ودماغ کو شاداب کر رہی تھی۔

پوگرادیس اوہرد جھیل کے کنارے ایک خوش منظر شہر ہے، پروگرام یہ تھا کہ مغرب کے بعد وہاں ایک مسجد میں اجتماع سے خطاب کرنا ہوگا؛ لیکن ہمیں راستہ تلاش کرنے میں دیر ہوگئی، یہاں برطانیہ سے مولانا حنیف صاحب، حضرت مولانا مفتی احمد صاحب مدظلہم اور اپنے دوسرے رفقا کے ساتھ پہلے سے پہنچے ہوئے تھے؛ اس لیے اس اجتماع میں ان حضرات نے شرکت کی، اور ہم جھیل کے کنارے براہِ راست ہوٹل ملینیم پہنچ گئے، یہاں اس سفر میں پہلی بار حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہم سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا جن سے مل کر مجھے ہمیشہ ایک روحانی سرور محسوس ہوتا ہے، اور ان کی شفقت ومحبت کی مٹھاس رگ وپے میں محسوس ہوتی ہے۔

عشا سے پہلے اسی ہوٹل میں مسلم ویلفیئر انسٹی ٹیوٹ سے تعلق رکھنے والے ملک بھر کے کارکنوں کا اجتماع تھا اور بہت سے البانی مسلمان نیز میری یہاں آمد کو سن کر لندن، مانچسٹر، لیسٹر، اسکاٹ لینڈ اور برطانیہ کے مختلف علاقوں سے دسیوں علما اور دوسرے احباب بھی یہاں پہنچے ہوئے تھے، اور اسی ہوٹل میں کمرے بک کرائے

ہوئے تھے، ہوٹل کے وسیع ہال میں ان کا اجتماع ہوا، اس اجتماع سے میں نے خطاب کیا، اور کارکنوں کو مبارک باد دیتے ہوئے عرض کیا کہ: بارہ سال بعد اس مرتبہ البانیہ آ کر مجھے اس بات کی بڑی خوشی ہوئی کہ اس عرصے میں یہاں کی فضا میں نمایاں تبدیلی محسوس ہو رہی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ آپ حضرات کی مخلصانہ جدو جہد کا نتیجہ ہے، پھر مجھے اس علاقے میں جن مزید کاموں کی ضرورت محسوس ہوئی ان کا ذکر کرتے ہوئے اخلاص للہ اور رجوع الی اللہ کرنے اور کرتے رہنے کی تلقین کی۔

مولانا حنیف صاحب نے تنظیم کے کاموں کا مختصر تعارف کرایا، پھر قریبی جھیل کی مچھلی سے سب کی تواضع کی، بعد میں جھیل کے کنارے ہوٹل کے صحن میں ہم نے نہایت خوشگوار اور روح پرور ہواؤں کے درمیان نمازِ عشا ادا کی جس کا وقت ان دنوں ساڑھے دس بجے ہو رہا تھا، اور ہم نے گیارہ بجے نماز پڑھی۔

دن بھر کے اس طویل سفر کے بعد رات ہم نے پوگرادیس میں گذاری۔

اگلے دن جمعہ تھا، اور ہمیں البانیہ کے دارالحکومت ''ترانا'' میں دو دن قیام کرنا تھا؛ اس لیے صبح نو بجے ہم ترانا کے لیے روانہ ہوگئے، اور تقریباً تین گھنٹے کا فاصلہ پہاڑوں اور سبزہ زاروں کے درمیان طے کرتے ہوئے ترانا پہنچے۔

جب میں بارہ سال پہلے ترانا آیا تھا تو یہاں اِکّا دکا مسجدیں تھیں، باقی سب کمیونسٹ دور میں یا شہید کر دی گئی تھیں یا ان کو کسی عمارت میں تبدیل کر دیا گیا تھا؛ لیکن اب بفضلہٖ تعالیٰ بہت سی مسجدیں دوبارہ تعمیر ہوگئی ہیں، جن کے منارے دور سے نظر آتے ہیں، اُس وقت تبلیغی مرکز بھی ایک جھونپڑی میں تھا، اور اس میں کام کرنے والے بھی اکا دکا تھے؛ لیکن اب ماشاءاللہ! شہر کے مضافاتی علاقے میں ایک بڑی جگہ لے کر

اس میں مرکز تعمیر کیا گیا ہے، ڈیوزبری کے حافظ پٹیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو یہاں دعوت کا کام بڑھانے کی بڑی فکر تھی، اور انہی کی کوششوں سے یہ مرکز بنا، اور انھوں نے ہی اس کا سنگِ بنیاد رکھا تھا، اور اللہ تعالیٰ انھیں اپنی خاص رحمتوں سے نوازیں کہ الحمد للہ! اس کی عمارت اب اتنی وسیع بن گئی ہے کہ اس میں اچھا اجتماع ہوسکتا ہے، اور الحمد للہ! اس مرکز کے سامنے والی سڑک بھی انہی کے نام سے سرکاری طور پر حافظ پٹیل روڈ کہلاتی ہے۔

یہاں جمعہ سے پہلے میرا بیان ہوا، بارہ سال پہلے کسی دینی بیان میں اتنے اجتماع کا تصور مشکل تھا؛ لیکن آج بفضلہٖ تعالیٰ ہال حاضرین سے بھرا ہوا تھا جس میں عام البانوی مسلمانوں کی بھی ایک بڑی تعداد موجود تھی، میں نے اپنے بیان میں البانی حضرات سے کہا کہ: انھوں نے اسلام کے خاطر جو قربانیاں دی ہیں ان کی وجہ سے انھیں ایمان کی وہ حلاوت نصیب ہے جو ہم جیسوں کے لیے قابلِ رشک ہے جنھیں ایمان بیٹھے بٹھائے مل گیا۔ پھر میں نے عام مسلمانوں کو تبلیغی جماعت سے وابستہ رہنے اور اپنے بچوں کی دینی تعلیم پر توجہ دینے پر زور دیا، بیان کے ساتھ ساتھ البانوی زبان میں ترجمہ مولانا رجب صاحب نے کیا جو اسکوپیا سے آخر تک سفر میں ہمارے ساتھ رہے، حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری اور مفتی شبیر صاحب مدظلہما نے الگ الگ دو دوسری مسجدوں میں بیان فرمایا۔

اسی دن شام چار بجے سے تبلیغی مرکز میں ایک اور بڑا اجتماع تھا جس سے مذکورہ دو بزرگوں نے خطاب فرمایا، اور مغرب سے عشا تک خطاب میرا رکھا گیا تھا، چناں چہ میں نے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بیان کیا جس میں دعوتِ دین کے بنیادی اصول تفصیل کے ساتھ ذکر کیے اور اس بات پر زور دیا کہ اس ملک میں مسلمانوں کی جو

مختلف جماعتیں یا تنظیمیں قائم ہیں، ان کے درمیان باہمی تعاون اور ربط کی ضرورت ہے جس میں فروعی یا تنظیمی اختلافات رکاوٹ نہیں بننے چاہییں۔ جو شخص بھی کسی دوسرے شخص کو جس طرح بھی دین سے قریب لا رہا ہے ہر ایک کو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ اس کا اپنا کام کر رہا ہے، اور اس کی قدر پہچاننی چاہیے، الحمد للہ! اس کا اچھا اثر محسوس ہوا۔

اسی شام مسلم ویلفئیر انسٹی ٹیوٹ کے تحت خواتین کا ایک اجتماع رکھا گیا تھا جس میں بہت سی معلمات بھی موجود تھیں، اور شہر کی دوسری خواتین بھی، اس اجتماع کے بارے میں مولانا حنیف صاحب نے مجھے پہلے سے بتایا ہوا تھا کہ اس سے میری اہلیہ کو خطاب کرنا ہے؛ چناں چہ وہاں میری اہلیہ نے خطاب کیا جس کا البانی ترجمہ ایک مقامی خاتون نے البانی زبان میں کیا، بعد میں معلوم ہوا کہ الحمد للہ! اس خطاب کا بھی خواتین نے بہت اچھا اثر لیا، اور بعد میں میری اہلیہ سے رابطہ بھی کرتی رہیں۔

اگلے دن مسلم ویلفیر انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے ترانا کے مرکزی علاقے میں ترانا انٹرنیشنل ہوٹل میں ایک کانفرنس کا اہتمام کیا تھا جس میں البانیہ کے مشیخۃ اسلامیہ کے رئیس اور مختلف شہروں کے مفتی حضرات اور عرب ملکوں کے سفارتی نمائندوں کو جمع کیا گیا تھا، مشیخۃ اسلامیہ کے رئیس بذاتِ خود کسی سفر کی وجہ سے نہ آسکے؛ لیکن اپنے نائب رئیس کو بھیجا۔

البانیہ میں غالباً صدیوں سے یہ نظام چلا آتا ہے کہ مشیخۃ اسلامیہ ایک پرائیویٹ تنظیم ہوتی ہے جس کے عہدہ داروں کو تقرر حکومت نہیں کرتی؛ بلکہ خود علما کرتے ہیں، اور اس کی آمدنی بھی عوامی چندوں کے ذریعے ہوتی ہے، یہی ادارہ مختلف شہروں میں مفتیوں کا تقرر کرتا ہے، ان علاقوں میں مشیخۃ اور اس کے مقرر کردہ مفتی

حضرات وہی فرائض انجام دیتے ہیں جو عام طور پر وزارت مذہبی امور انجام دیا کرتی ہے، اور حکومت اس ادارے کو اسی حیثیت میں تسلیم بھی کرتی ہے، ملک پر جو حالات گذرے ہیں ان کی وجہ سے ان حضرات کی علمی حیثیت عموماً کمزور ہوتی ہے؛ لیکن جو کام وہ کرتے ہیں انھیں غیر جانب دار علما کی تنقید کے باوجود گئے گذرے حالات میں غنیمت ہی سمجھنا چاہیے۔

کانفرنس کا آغاز تلاوتِ قرآنِ کریم کے بعد مشیخہ کے نائب رئیس کی تقریر سے ہوا جس کا انگریزی ترجمہ ساتھ ساتھ کیا گیا، انھوں نے زیادہ تر مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان پُرامن بقائے باہمی پر بات کی، اور دہشت گرد گروپ اسلام کی جو غلط نمائندگی کر رہے ہیں ان کی تردید پر زور دیا، ان کے بعد البانیہ کے ایک سابق مفتی مصطفی نے بڑی پُراثر تقریر کرتے ہوئے بڑے پُردرد انداز میں کمیونزم دور کے واقعات سنائے کہ کس طرح مسجدوں کو شہید کیا گیا، نماز روزے پر پابندیاں لگائی گئیں، اور جس شخص کے گھر میں کوئی دینی کتاب پائی جاتی اسے کس درندگی کے ساتھ سزائیں دی جاتی تھیں، انھوں نے خود اپنے بارے میں بتایا کہ: انھوں نے اپنی دینی کتابیں اپنے گھر کے صحن میں گڑھا کھود کر اس میں دفن کی تھیں، ان کی اثر انگیز تقریر کا انگریزی ترجمہ مسلم ویلفیئر انسٹی ٹیوٹ کے ایک ذمے دار نے کیا، اور حاضرین پر اس کا بڑا اثر ہوا۔

اس کے بعد حضرت مولانا مفتی شبیر صاحب مدظلہم کو یہ فریضہ سونپا گیا تھا کہ وہ بتائیں کہ انگلینڈ میں مسلمانوں نے اپنی نسلوں کی حفاظت کے کس طرح انتظامات کیے ہیں؛ چناں چہ انھوں نے اپنی مختصر تقریر میں اپنے تجربات کی روشنی میں دو پیغام دیے،

ایک ایمان کی حفاظت اور نئی نسلوں کے تحفظ کے لیے تعلیم و تربیت کا مناسب انتظام، اور دوسرے باہمی تعاون کے ساتھ یہاں کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش۔ انھوں نے سابق مفتی صاحب کی تقریر کے بارے میں کہا کہ: میرا دل چاہتا ہے کہ میں ان کی پیشانی اور ہاتھوں کو بوسہ دوں، اور ان سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ کتابیں جو زمین میں دفن کر کے محفوظ کی گئیں ان کو ایک میوزیم میں یادگار کے طور پر رکھا جائے۔

جنوبی افریقہ سے مولانا ابراہیم صاحب منگیرا بھی کانفرنس میں مدعو تھے، اور انھوں نے بتایا کہ: جنوبی افریقہ میں مسلم اقلیت کے دینی تحفظ کے لیے کس طرح اقدامات کیے گئے، اور انھیں کیا کامیابی نصیب ہوئی، اس کے بعد پروگرام کے مطابق حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہم کو خطاب کرنا تھا جو اسٹیج پر تشریف فرما تھے، اور میری بڑی خواہش تھی کہ میں ان کا بیان سنوں؛ لیکن وقت کی کمی کی وجہ سے حضرت مدظلہم نے مجھے حکم دیا کہ: میرے حصے کا وقت بھی تم لے لو، اور کھل کر ضروری باتیں کرلو۔

رفقا نے یہ بھی مشورہ دیا کہ میرا خطاب عربی میں ہو؛ تاکہ کم از کم مشیخہ اور مفتی حضرات، نیز عرب ملکوں کے نمائندے تمھاری بات کسی مترجم کے واسطے کے بغیر سن سکیں؛ چناں چہ میں نے عربی میں خطاب کیا، اور مسجد دینا ہوسگا (Dina Hoxha) کے امام شیخ احمد کلایا نے جو مدینہ یونیورسٹی کے فاضل اور ملک کے مقبول ترین علما میں سے ہیں، البانی زبان میں اس کا ترجمہ کیا، میں نے عرض کیا کہ: یوں تو الحمد للہ! بچپن ہی سے تمام مسلمانوں کی محبت دل میں پیوست ہے؛ لیکن جو مما لک ستر سال سے زیادہ کمیونزم کے تسلط میں رہے ان کے مسلمانوں سے سب سے زیادہ محبت ہے؛ کیوں کہ انھوں نے

ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹنے کے باوجود جس غیرت وحمیت کے ساتھ اپنے دین کا تحفظ کیا، اس کی وجہ سے انھیں ایمان کی جو قدر و قیمت اور اس کی جو حلاوت نصیب ہوئی، ہم اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے، انہی کی جد وجہد سے بفضلہٖ تعالیٰ اب انھیں آزادی نصیب ہوئی، اور اس کے بعد انھوں نے جس طرح نئی مسجدیں تعمیر کیں اور ادارے بنائے، اس پر مبارک باد دینے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ اور حضرت مفتی شبیر صاحب کی تجویز میں پہلے ہی سابق مفتی صاحب کی پیشانی چومنے کا شرف حاصل کر چکا ہوں۔

میں بارہ سال پہلے یہاں آیا تھا تو اس وقت حالات بڑے افسوس ناک تھے؛ لیکن بارہ سال بعد یہاں کا دورہ کرتے ہوئے الحمد للہ! نمایاں تبدیلیاں محسوس ہوتی ہیں، ان تبدیلیوں میں مسلم ویلفیر انسٹی ٹیوٹ کا بھی قابلِ قدر حصہ ہے؛ لیکن اب یہاں کے علما اور اہلِ دین کو ایک دوسرے بڑے چیلنج کا سامنا ہے، اور وہ یہ کہ ستر سال میں الحمد للہ! آپ اپنے ایمان کے تحفظ میں کامیاب ہوئے؛ لیکن کمیونسٹ استعمار کی تاریک رات نے اپنے بہت سے برے اثرات نئی نسلوں پر چھوڑ دیے ہیں، اب ضرورت اس بات کی ہے کہ نوجوانوں کی تعلیم وتربیت کی طرف بھرپور توجہ دی جائے، اور انھیں اسلامی احکام اور اسلامی ثقافت سے روشناس کرایا جائے، الحمد للہ! مسجدیں بن رہی ہیں، اور ان میں مکاتب بھی قائم ہو رہے ہیں، اب انھیں آباد کرنے کی ضرورت ہے، اور اس عظیم کام کے لیے جو خدمت بھی ہمارے لائق ہو، ہم اس کے لیے حاضر ہیں، اور مسلم ویلفیئر انسٹی ٹیوٹ اس کے لیے عملی طور پر سرگرم ہے، اس کے ذریعے ہم بھی کوئی خدمت انجام دینے کو اپنی سعادت سمجھیں گے۔

کانفرنس کا اختتام ظہرانے پر ہوا، اور اس میں بہت سے معززین سے مفید

گفتگو کا موقع ملا۔

اس کانفرنس کے ساتھ ساتھ دوسری طرف مسلم ویلفیر انسٹی ٹیوٹ نے البانی بیواؤں اور یتیموں کا ایک اجتماع دوسری جگہ منعقد کیا ہوا تھا، اصل میں تو یہ بیواؤں اور یتیموں کا اجتماع تھا جن کی سرپرستی یہ تنظیم کررہی ہے؛ لیکن اس میں دوسری خواتین اور بچیاں بھی شریک ہوئیں، اورانھوں نے عربی تلاوت اورالبانی نظمیں پیش کیں، اورآخر میں میری اہلیہ نے ان سے خطاب کیا جس کا ترجمہ بھی پچھلے دن کی طرح البانی خاتون نے کیا۔

اس کے بعد اصل پروگرام یہ تھا کہ ہم یہاں سے دِرّوس شہر جا کر وہاں ایک مسجد میں نمازِ مغرب ادا کریں اور وہاں بھی کچھ بیانات ہوجائیں؛ لیکن وہ شیخ احمد صاحب کلایا جنھوں نے میری تقریر کا عربی سے ترجمہ کیا تھا، ان کا اصرار ہوا کہ آج شام میں ان کی مسجد میں حاضر ہوکر وہاں کے لوگوں سے خطاب کروں۔

مولانا حنیف صاحب نے مجھے بتایا کہ: یہ مسجد سلفی حضرات کی ہے، اور یہ زیادہ مفید ہوگا کہ آپ کا خطاب وہاں ہو، اورآپ جو دعوت تبلیغی مرکز میں دے کرآئے ہیں کہ یہاں سلفی اور غیر سلفی کے اختلافات کو نہ چھیڑا جائے، اس بات کو وہاں بھی پہنچانے کی ضرورت ہے، اور یہ ایک اچھی بات ہے کہ انھوں نے آپ کو خود دعوت دی ہے؛ اس لیے آپ کا وہاں جانا ان شاء اللہ تعالیٰ زیادہ فائدہ مند ہوگا، جہاں تک دِرّوس کا تعلق ہے وہاں ہم حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری اور مفتی شبیر صاحب کو پہلے لے جائیں گے، اور ان سے مستفید ہوں گے، آپ مغرب کے بعد وہاں خطاب کرکے دِرّوس پہنچ جائیں، چناں چہ یہ حضرات دِرّوس کے لیے روانہ ہوگئے، اور میں مغرب

سے پہلے دینا ہوگسا کی مسجد میں پہنچ گیا۔ یہ مسجد ترانا شہر کے بالکل وسط میں واقع ہے۔

شیخ احمد کالا یا صاحب اور ان کے کچھ رفقا پہلے سے انتظار میں کھڑے تھے۔ مغرب کی اذان میں چند منٹ باقی تھے، انھوں نے اس دوران مسجد اور اس کی کارکردگی کا تعارف کرایا، مسجد کے دروازے پر ایک چھوٹا سا اسٹال لگا ہوا تھا جس پر البانی زبان میں چھوٹے چھوٹے کتابچے رکھے تھے جو دلچسپ انداز میں اسلام اور اس کے مبادی اور انبیاء اور صحابہ کے واقعات پر مشتمل تھے۔

امام صاحب نے بتایا کہ: مسجد کے سامنے ایک چلتا ہوا بارونق اور ماڈرن بازار ہے، بعض لوگ چلتے چلتے اچانک مسجد دیکھنے کے لیے رُک جاتے ہیں، یہ کتابچے انھیں دے دیے جاتے ہیں، اور ان کی وجہ سے نوجوانوں کو مسجد میں آنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے، چوں کہ مسجد میں الحمدللہ! دین کی ہلکی پھلکی باتیں بھی سکھائی جاتی ہیں؛ اس لیے بفضلہٖ تعالیٰ نوجوانوں میں مسجد آنے کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔

امام صاحب نے اصرار کیا کہ مغرب کی نماز میں پڑھاؤں، چناں چہ ایسا ہی ہوا، مغرب کے بعد انھوں نے البانی زبان میں میرا مختصر تعارف کرایا، پھر مجھے عربی میں خطاب کرنے کی دعوت دی، اگرچہ یہ خطاب بہت مختصر نوٹس پر ہوا تھا؛ لیکن مجمع یہاں کے لحاظ سے کافی بڑا تھا، اور بڑی توجہ سے سننے کے لیے بیٹھا تھا۔

امام صاحب کا کہنا تھا کہ: انھیں اور ان کے رفقا کو حدیث کی اجازت بھی دوں؛ اس لیے میں نے اپنے خطاب کا آغاز حدیثِ مسلسل بالاولیۃ سے کیا؛ یعنی حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ حدیث:

”الراحمون یرحمهم الرحمٰن تبارک وتعالیٰ، ارحموا من في الأرض

یرحمکم من في السماء“۔

یعنی رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

پھر میں نے اسی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے عرض کیا کہ: محدثین نے اپنے شاگردوں کو حدیث کی تعلیم دینے کے لیے سب سے پہلے اس حدیث کو منتخب فرمایا جس کا تقاضا یہ ہے کہ اسلام کے طالبِ علم کو سب سے پہلے رحم کرنے کا درس دینا مقصود ہے، جو اسلام کی ایک بنیادی تعلیم ہے، پھر رحم کرنے کے لیے صرف مسلمانوں کا لفظ استعمال نہیں فرمایا گیا؛ بلکہ تمام ”زمین والوں“ کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تمام انسانوں پر رحم کھانے کی تاکید فرمائی گئی ہے؛ البتہ رحم کے عنوانات مختلف ہوتے ہیں، غیر مسلموں پر سب سے بڑا رحم یہ ہے کہ انھیں دوزخ کی آگ سے بچایا جائے، اور اگر کوئی پُرامن غیر مسلم کسی مصیبت یا تکلیف میں ہو تو اس کا ازالہ کیا جائے، غیر مسلموں کی ذات سے نفرت نہیں؛ بلکہ ان کے کفر سے نفرت ہونی چاہیے، جیسے ایک بیمار سے نہیں اس کی بیماری سے نفرت کی جاتی ہے، اور اس کا علاج کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، دعوت وتبلیغ اسی قسم کے رحم کھانے کا ایک طریقہ ہے جسے پیغمبرانہ اسلوب میں انجام دینا چاہیے۔

اسی بات کو مختلف مثالوں سے واضح کرنے کے بعد میں نے عرض کیا کہ: آج ہمارا حال یہ ہوگیا ہے کہ غیر مسلم تو درکنار ہم اپنے سے کوئی فروعی اختلاف رکھنے والوں کو بھی اجنبی سمجھتے اور اسے برا بھلا کہنے میں مصروف رہتے ہیں، جو شخص حنفی ہے وہ سلفیوں سے اور جو سلفی ہے وہ حنفیوں سے نہ صرف مغایرت برتتا ہے؛ بلکہ بعض اوقات اسے

مطلقاً گمراہ؛ بلکہ کافر اور مشرک قرار دینے سے بھی نہیں چوکتا۔

میں نے عرض کیا کہ: آپ ایک ایسے ملک میں رہتے ہیں جہاں مسلمانوں پر کمیونزم کی انتہائی پُرتشدد اندھیری رات گذری ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ یہ رات گذر گئی، اور مسلمانوں نے کم از کم نام اور عقیدے کی حد تک اپنا ایمان محفوظ رکھا؛ لیکن اس تاریک رات میں جو نسلیں پروان چڑھی ہیں، وہ دن کے مبادی تک سے بے خبر ہیں، الحمدللہ! آپ حضرات کی کوششوں سے اب صورتِ حال میں خاصی تبدیلی آرہی ہے؛ لیکن اگر ایسے موقع پر حنفی، سلفی کے جھگڑے کیے گئے تو خطرہ ہے کہ نوجوان اصل دین سے برگشتہ نہ ہوجائیں، ہمارے درمیان بیشک فروعی اختلافات موجود ہیں؛ لیکن ان باتوں کی تعداد کہیں زیادہ ہے جن پر ہم متفق ہیں، اپنے اپنے دائروں میں بیشک اپنے طریقوں پر عمل کریں؛ لیکن کسی دوسرے کے طریقے پر طعن وتشنیع سے باز رہیں۔

اجتہادی امور میں کوئی جانب منکر نہیں ہوتی؛ اس لیے ان پر نکیر بھی جائز نہیں، نیز نوجوان جس کسی کی کوشش سے اسلامی زندگی کی طرف آجائے اسے غنیمت سمجھیں اور اپنی کوششوں کو دین کے مبادی پر مرکوز رکھیں۔

امام صاحب ساتھ ساتھ میرے بیان کا البانی ترجمہ کررہے تھے، اور پورا مجمع ہمہ تن گوش تھا، یہاں تک کہ عشا کا وقت ہوگیا۔

اس موضوع کی میری نظر میں اہمیت اس لیے تھی کہ بلقانی ریاستوں میں مسلمان حنفی ہیں؛ لیکن جو لوگ سعودی یونیورسٹیوں میں پڑھ کر لوٹے ہیں، بفضلہٖ تعالیٰ وہ کام تو اچھا کررہے ہیں؛ لیکن بعض جوشیلے نوجوان سلفیت کے جوش میں غیر ضروری مسائل چھیڑ کر بحث ومباحثہ کی فضا پیدا کردیتے ہیں، ان کے مقابلے میں حنفی علما ان کی

تردید کرتے ہیں، اس طرح یہاں کے عام مسلمان جو دین کے مبادی سے ناآشنا ہیں وہ دین کے بارے میں سخت کشمکش کا شکار ہوجاتے ہیں، خدا کرے کہ میری یہ کمزور؛ مگر دردمندانہ آواز کوئی اثر پیدا کرسکے۔ امام صاحب بذاتِ خود سعودی عرب سے تعلیم حاصل کرکے آئے تھے؛ لیکن انھوں نے میری عاجزانہ گذارشات کی تائید کی، اور بتایا کہ: الحمدللہ! ہم اسی نہج پر کام کی کوشش کررہے ہیں، آپ کی باتیں بالکل درست ہیں، اور ہم سب کو اسی طرح مل کر کام کرنا چاہیے۔

تمام حاضرین بہت محبت سے ملے، اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بیان کا بہت اچھا اثر نظر آیا۔ معلوم ہوا کہ یہ بیان انٹرنیٹ پر براہِ راست نشر ہورہا تھا؛ اس لیے الحمدللہ! بڑے پیمانے پر سنا گیا اور لوگوں نے بتایا کہ: اس پر مثبت تبصرے ریکارڈ کیے گئے۔

نمازِ مغرب یہاں ساڑھے آٹھ بجے اور عشا ساڑھے دس بجے ہورہی تھی؛ اس لیے مسجد سے گیارہ بجے کے بعد نکلے، یہاں سے ہمیں دِرّوس جانا تھا، جہاں ہمارے بہت سے رفقا پہلے ہی پہنچ چکے تھے، رات ہمیں وہیں گذارنی تھی۔

دِرّوس بحیرۂ ایڈریاٹک کے کنارے ایک شہر ہے جس کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ: ترانا شہر سے ۴۵ / منٹ کے فاصلے پر واقع ہے؛ لیکن چند در چند غلط فہمیوں کی بنا پر ہمارا راستہ بہت طویل ہوگیا، اور ہم جب دِرّوس کے ہوٹل پہنچے تو رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا، ہمارے ساتھیوں نے کچھ کھانا ہمارے لیے بچا کر رکھا ہوا تھا، غرض! بستر پر جاتے جاتے دو بج گئے۔

میرے لحاظ سے دِرّوس آنے کا مقصد صرف یہاں رات گذارنا تھا؛ کیوں کہ یہاں حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہم خطاب کرچکے تھے، اور مجھے

مغرب کے بعد ترانا ہی کی مسجد میں بیان کرنا تھا، اگلی صبح ہمیں دراصل بوسنیا جانا تھا؛ لیکن یہاں سے بوسنیا کے قریب ترین شہر کا فاصلہ کم سے کم بارہ گھنٹے کا تھا، اور مولانا حنیف صاحب کو معلوم تھا کہ سڑک کے راستے میرے لیے اتنا لمبا سفر نا قابلِ تحمل ہے، اس لیے انھوں نے درمیان میں مونٹی نیگرو کے ایک شہر ''اُلسن'' میں ہمارے رفقا کے لیے بکنگ کرائی ہوئی تھی؛ تا کہ ایک رات بیچ میں آرام کی مل جائے؛ البتہ حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہم کو کل صبح ہی بوسنیا سے انڈیا روانہ ہونا تھا؛ اس لیے انھوں نے مولانا حنیف صاحب اور ان کے رفقا کے ساتھ بارہ گھنٹے مسلسل سفر کی مشقت گوارا فرمالی، اور وہ ہم سے پہلے بوسنیا کے لیے روانہ ہوگئے، اور ہم رات دیر تک جاگنے کی وجہ سے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے صبح روانگی کے لیے تیار ہوئے۔

دِرّوس شہر میں نے اپنے پہلے دورۂ البانیا میں دیکھا تھا، یہ بحیرۂ ایڈریاٹک کے ساحل پر واقع ہے، اور صبح کے وقت ہوٹل سے اس کا منظر بڑا دل فریب تھا، یہاں سے ہم روانہ ہوئے تو تقریباً دو ڈھائی گھنٹے البانیہ ہی میں چلتے رہے، البانیہ کا آخری شہر ''شکودرہ'' تھا جس میں میں پہلے بھی جا چکا ہوں، یہ بڑے بڑے علما کا شہر رہا ہے، اور شیخ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ اسی شہر میں پیدا ہوئے تھے، اس شہر کے باہر گذرتے ہوئے ہم دو بجے مونٹی نیگرو کی سرحد پر پہنچ گئے۔

مونٹی نیگرو کے معنیٰ ہیں ''سیاہ پہاڑ''؛ اسی لیے اس کا عربی نام ''الجبل الأسود'' ہے، اور اس کے پہاڑوں کو دیکھ کر یہ نام بالکل درست معلوم ہوتا ہے؛ اس لیے کہ یہاں کے پہاڑ اگرچہ نہایت سرسبز اور بہت خوش منظر ہیں؛ لیکن ان کی تہہ میں پہاڑوں کی سیاہی محسوس کی جا سکتی ہے، مونٹی نیگرو 13810 کیلومیٹر کے رقبے میں

پھیلا ہوا ہے، یہاں سے تقریباً تین گھنٹے کا سفر اس طرح طے ہوا کہ ہمارے دائیں طرف اونچے اونچے سرسبز وشاداب پہاڑ تھے، جو قدرتی طور پر انجیر، زیتون اور خوبانی کے درختوں سے مالا مال نظر آرہے تھے، اور بائیں طرف بحرِ ایڈریاٹک اور اس کے حسین جزیرے تھے، ایڈریاٹک کے دوسری طرف اٹلی کا علاقہ تھا، موسم بھی بہت خوشگوار ٹھنڈا تھا، اور پورے سفر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت اور صناعی کے کرشموں سے آنکھیں ٹھنڈی ہورہی تھیں، بھائی جان مرحوم کا شعر یاد آیا:

اس آئینہ خانے میں سبھی عکس ہیں تیرے
اس آئینہ خانے میں تُو یکتا ہی رہے گا

مونٹی نیگرو کا دارالحکومت پوڈ گوریکا (Podgorica) ہے؛ لیکن بوسنیا جاتے ہوئے وہ راستے میں نہیں پڑتا؛ اس لیے ہم اس کے ایک اور شہر اُلسنج (Ulcinj) جانا تھا جو بوسنیا سے نسبتاً قریب تھا، وہاں ایک ہوٹل میں عصر کے بعد قیام کیا، نزدیک ہی ایک مسلمانوں کا ریسٹورنٹ تھا، اور معلوم ہوا کہ یہاں مسلمان اچھی خاصی تعداد میں آباد ہیں، اور یہاں بھی حلال کھانا آسانی سے میسر آجاتا ہے، رات ہم نے یہاں گذاری، اور اگلی صبح ہم دس بجے کے بعد یہاں سے بوسنیا کے لیے روانہ ہوگئے، یہ پورا راستہ بحرِ ایڈریاٹک کے کنارے کنارے اتنا حسین راستہ تھا کہ نگاہیں اس سے ہٹتی نہیں تھیں۔ سمندر، پہاڑ اور اس پر آسمان کو چھوتے ہوئے قدرتی درخت بوسنیا کی سرحد تک دعوتِ نظارہ دیتے رہے، پونے دو بجے کے قریب ہم بوسنیا کی سرحد پر پہنچے، یہاں ایڈریاٹک ہم سے جدا ہوگیا، اور سرسبز میدانی اور پہاڑی علاقے شروع ہوگئے جن کے بیچ میں بہتی ہوئی ندیاں اور جھیلیں بار بار نظروں کو تازگی بخشتی تھیں۔

بوسنیا کے علمی شہر موستار میں

بوسنیا کا دار الحکومت سرائیوو (Sarajevo) ہے، اور ہماری منزل وہی تھی، بوسنیا ہرزیگونیا ۵۱۱۸۰ کیلومیٹر رقبے پر پھیلا ہوا ہے، سرائیوو شہر کافی دور تھا؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری سہولت کا یہ غیبی انتظام فرمایا کہ سرائیوو سے تقریباً دو گھنٹے کی مسافت پہلے ایک تاریخی شہر موستار (Mostar) آتا ہے۔

یہاں دمشق کے پڑھے ہوئے ایک نوجوان عالم شیخ جواد کو میری یہاں آمد کا پتہ چلا، تو انھوں نے امریکہ میں اپنے کسی دوست کو فون کر کے ان سے میرا یا میرے کسی ساتھی کا نمبر لینا چاہا، تو انھوں نے مفتی شبیر صاحب کے صاحبزادے مولانا یوسف شبیر کا نمبر دے دیا جو اس سفر میں ہر وقت میرے ساتھ تھے، ان سے بات کر کے انھوں نے کہا کہ: سرائیوو سے پہلے ان کا شہر موستار آتا ہے، اور وہ چاہتے ہیں کہ ہمارے قافلے کی وہ مہمانی کریں، چناں چہ ہم نے موستار میں ان کے گھر پر قیام کیا، انھوں نے ہم گیارہ افراد کے لیے بہترین کھانے کا انتظام کر رکھا تھا جو مقامی انداز کا کھانا تھا؛ لیکن سب نے اس کا بہت لطف اٹھایا، ان کے ڈرائنگ روم کو دیکھا، تو وہ کتابوں سے بھرا ہوا تھا، اور ان میں میری بھی کئی کتابیں موجود تھیں جن پر انھوں نے میرے دستخط لیے، انھوں نے بتایا کہ شہر موستار علما کا شہر رہا ہے جہاں سے بڑے بڑے علما اور مصنفین پیدا ہوئے ہیں۔ انھوں نے یہاں کے علما کی تالیفات کے مخطوطے دکھائے اور ساتھ ہی یہ لرزہ خیز حقیقت بھی کہ ان مصنفین کے وارث اب مسلمان بھی نہیں رہے، انا لله وإنا إليه راجعون۔

ایک اہم مخطوطہ اصولِ فقہ حنفی پر شیخ مصطفی ایوبی زادہ معروف بہ شیخ یویو کی شرح "المنتخب" کا تھا، "المنتخب في أصول المذهب" درحقیقت اس کتاب کا نام ہے جو ہمارے درسِ نظامی میں "حسامی" کے نام سے مشہور ہے، اور اپنے مؤلف شیخ حسام الدین محمد بن محمد بن عمر الاخسیکثی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مناسبت سے اسے حسامی کہا جاتا ہے، شیخ مصطفی ایوبی رحمۃ اللہ علیہ جو موستار ہی کے باشندے تھے، انھوں نے حسامی کی یہ مبسوط شرح لکھی تھی۔

شیخ جواد نے ایک مطبوعہ کتاب "الجوهر الأسنى في تراجم علماء وشعراء بوسنه" بھی دکھائی جس میں بوسنیا کے علما کے حالات ذکر کیے گئے ہیں، شیخ جواد خود بھی نہایت علم دوست اور وسیع المطالعہ نوجوان ہیں، اور ہمارے ساتھ رہنے کے دوران مسلسل علمی سوالات کرتے رہے، انھوں نے میرے قیلولہ کے لیے ایک کمرہ تیار کر رکھا تھا جہاں کچھ آرام کرنے کے بعد وہ شہر موستار دکھانے لے گئے، اس شہر میں پچاس فیصد آبادی مسلمانوں کی اور پچاس فیصد سرب عیسائیوں کی ہے، شہر میں پندرہ مسجدیں ہیں، اور یہاں بھی مسلمانوں کو قید و بند اور خونریزی کا نشانہ بنایا گیا تھا، شیخ جواد نے بتایا کہ: ان کے والد کو قید کیا گیا، اور ان کے چچازاد بھائی شہید ہوئے۔

یہ شہر دریائے نیریتوا (Neretva River) کے دونوں طرف آباد ہے، یہاں پہاڑ کی بلندی پر ایک پرانا پُل ہے جو اس دریا پر بنا ہوا ہے، اور سیاحوں کی دلچسپی کا مرکز ہے، اس پُل سے دریا ایک آبشار کی صورت میں گرتا نظر آتا ہے، یہیں سے سیڑھیاں کوسکی محمد پاشا (Koski Mehmed Pasha) مسجد تک پہنچاتی ہیں جس کے میناروں سے شہر کا طائرانہ منظر نظر آتا ہے۔

موستار کے مضافات میں ایک قدیم خانقاہ بھی ہے جو درویش خانقاہ کہلاتی ہے، خلاصہ یہ کہ اس علما اور اولیا کے شہر میں آج ہم دین کے نام لیوا بطورِ خاص اپنے لباس میں بالکل اجنبی محسوس ہوتے تھے۔

عزیزم مولانا یوسف نے کہا کہ: بعض جگہ سیاح ہمیں اس طرح دیکھتے ہیں جیسے ہم بھی سیاحوں کی دلچسپی کی چیز (tourist attraction) ہوں۔

مغرب یہاں تقریباً دس بجے ہورہی تھی، ہم نے ایک ایسی مسجد میں نماز ادا کی جو 894 سال پہلے سلطان سلیمان کی بنائی ہوئی تھی، مغرب کے بعد شیخ جواد نے تمام ساتھیوں کے لیے عشائیہ کا انتظام کیا، اور ان کا اصرار تھا کہ ہم رات میں انھی کے یہاں قیام کریں، اور صبح کو سرائیوو روانہ ہوں، اگرچہ سرائیوو یہاں سے دو ڈھائی گھنٹے کی مسافت پر تھا، اور طویل سفر کے بعد یہ مزید سفر شاق معلوم ہورہا تھا؛ لیکن رائے یہی بنی کہ یہ مشقت اسی وقت اٹھائی جائے؛ تاکہ سرائیوو پہنچ کر اطمینان ہو کہ اب سڑک کا کوئی اور سفر نہیں ہے، چناں چہ ہم شیخ جواد سے معذرت کر کے روانہ ہو گئے، رات کے وقت سڑک بالکل صاف تھی؛ اس لیے بفضلہٖ تعالیٰ ہم دو گھنٹے میں سرائیوو کے ہوٹل میں پہنچ گئے، اس وقت رات کے تقریباً دو بج رہے تھے، ان علاقوں میں یہ ایام ایسے تھے کہ جن میں یہاں رات کو شفق غروب نہیں ہوتی؛ اس لیے نمازِ فجر اس وقت پڑھی جا سکتی تھی، چناں چہ نمازِ فجر ادا کر کے ہم سو گئے اور دل مطمئن ہو گیا کہ اب چار دن تک سڑک کا کوئی لمبا سفر نہیں ہے۔

بوسنیا کی مختصر تاریخ:

آگے بڑھنے سے پہلے بوسنیا کا مختصر تعارف کرا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے،

بوسنیا یورپ کے جنوب مشرق میں جزیرہ نمائے بلقان کی ایک انتہائی سرسبز وشاداب ریاست ہے۔ خلافتِ عثمانیہ کے دور میں یہ علما، فقہا اور ادبا کا ایک اہم مرکز تھی، یہاں خلافتِ عثمانیہ کی حکومت ۱۴۶۳ء میں قائم ہوئی، اور چار سو سال تک شان وشوکت اور خوش حالی کے ساتھ جاری رہی، جب خلافتِ عثمانیہ کمزور پڑنی شروع ہوئی تو یورپ کی بڑی طاقتوں، خاص طور پر برطانیہ، فرانس اور آسٹریا کی نگاہیں اس خطے پر مرکوز تھیں، یہاں بار بار یہ آوازیں اٹھائی جاتیں کہ یہاں کی عیسائی آبادی کو اس کے حقوق نہیں دیے جارہے ہیں، اس بہانے کو تقویت دینے کے لیے بعض اوقات ایسے انتہا پسندوں کو بھی تیار کیا گیا جو واقعۃً عیسائیوں کے خلاف پُرتشدد کارروائیاں کرتے، اور مذکورہ بالا یورو پی حکومتیں خلافتِ عثمانیہ کے پاس شکایتیں لے کر پہنچ جاتیں، اور اسے مجبور کرتیں کہ بلقان کی ان ریاستوں کو زیادہ سے زیادہ خودمختاری دی جائے۔

اس سازش کی پوری تفصیلات شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خودنوشت سوانح یات ''نقشِ حیات'' میں بیان فرمائی ہیں۔ خلافتِ عثمانیہ چوں کہ اس وقت کمزور پڑ چکی تھی اس لیے وہ رفتہ رفتہ انھیں خودمختاری دینے پر مجبور ہوئی، اور اگرچہ اب بھی انھیں خلافتِ عثمانیہ کے ایک اہم صوبے کی حیثیت حاصل تھی؛ لیکن اس پر مرکز کی گرفت ڈھیلی پڑتی گئی اور آخر کار ۱۸۷۸ء میں معاہدۂ برلن کے نتیجے میں یہ علاقہ آسٹریا، ہنگری کے کنٹرول میں آ گیا۔

اس حکومت کے خلاف سرب عیسائیوں نے ایک خفیہ مہم شروع کی جس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ جب آسٹریا کے ایک ولی عہد آرچ ڈیوک فرینز فرڈی نینڈ نے بوسنیا کے شہر سرائیوو کا دورہ کیا تو ۲۸ / جون ۱۹۱۴ء کو سرب عیسائیوں کے اس گروپ نے اسے

اور اس کی بیوی کو قتل کر دیا، یہ قتل ہی پہلی جنگِ عظیم کا نقطۂ آغاز بنا، اور آسٹریا، ہنگری نے سلطنتِ سربیا کو جنگ کا الٹی میٹم دے دیا، اور بڑی بڑی طاقتیں اس جنگ میں شریک ہوگئیں جس کی وجہ سے جنگِ عظیم جولائی ۱۹۱۴ء سے لے کر ۱۱/ نومبر ۱۹۱۸ء تک جاری رہی، اور اس کے نتیجہ میں بوسنیا سلطنت سربیا کے تحت آ گیا، جس کا نام بعد میں یوگوسلاویہ رکھ دیا گیا۔

۱۹۲۹ء میں سلطنتِ یوگوسلاویہ قائم ہوگئی، اور بلقان کی تمام ریاستیں اس کے زیرِ نگیں آ گئیں، اس زمانے میں بھی علاقے کے لوگوں، بالخصوص مسلمانوں پر جبر وتشدد کا بدترین دور گذرا۔ دوسری جنگِ عظیم میں ہٹلر نے حملہ کر کے ۱۹۴۱ء میں یوگوسلاویہ پر قبضہ کرلیا، یہ قبضہ ۱۹۴۵ء تک جاری رہا، اور ہٹلر کی شکست کے بعد یہاں کمیونسٹوں نے ''سوشلسٹ ری پبلک آف یوگوسلاویہ'' کے نام سے اپنی حکومت قائم کرلی۔ کمیونزم کا یہ دور ۱۹۴۵ء سے ۱۹۹۲ء تک جاری رہا، اس دور میں کمیونسٹوں نے مذہب کو فنا کرنے کے لیے مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں پر بدترین مظالم ڈھائے، مسجدوں پر پابندی عائد کی گئی، دینی تعلیم ممنوع قرار پائی، دینی کتابیں گھروں میں رکھنے پر بدترین سزائیں جاری کی گئیں۔ البتہ یہاں کا حال البانیہ سے اس لیے بہتر تھا کہ یہاں تمام مسجدیں شہید نہیں کی گئیں، اور دکھانے کے لیے کچھ دینی ادارے بھی برقرار رہنے دیے گئے۔

۱۹۹۰ء تک کمیونسٹ یوگوسلاویہ کی حکومت جاری رہی، اور جب کمیونسٹ ریاستیں ناکام ہوکر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئیں تو یوگوسلاویہ کی ریاستیں بھی خودمختار بننے لگیں، بوسنیا میں اکثریت مسلمانوں کی تھی، اور اسے آزاد ریاست قرار دینے میں بہت سی رکاوٹیں ڈالی گئیں، آخر کار بوسنیا کے سربراہ علیجا عزت بیگ نے اس کی آزادی کا

اعلان کر دیا، سربیا اور کروشیا وغیرہ نے اس کی مخالفت میں سابق یوگوسلاویہ کی فوج کے ساتھ مل کر بوسنیا کے دار الحکومت سرائیوو پر حملہ کر دیا۔ ایک طرف حملہ آور سربوں کے پاس اسلحہ کا بڑا ذخیرہ تھا اور بوسنیا کے مسلمانوں کے پاس ساز و سامان کی کمی تھی، اس غیر متوازن صورتِ حال میں بوسنیا پر ایک مصیبت اقوامِ متحدہ نے یہ ڈال دی کہ اس علاقے میں اسلحہ کی سپلائی پر مکمل پابندی عائد کر دی، اس پابندی کے بارے میں بوسنیا کے ایک لیڈر حارث سلیازک (Haris Silajdzic) نے یہ جملہ کہا تھا کہ:

''اس پابندی نے صرف مظلوم کو سزا دی ہے، اور جارحیت کے اس مرتکب کی حمایت کی جس کے پاس اتنا اسلحہ تھا جسے وہ سنبھال بھی نہیں سکتا تھا''۔

اس مشکل صورتِ حال میں بوسنیا کے مسلمانوں نے بڑے صبر و استقامت کے ساتھ یہ جنگ لڑی، اور اس جنگ میں بوسنیا کے مسلمانوں کی مدد کے لیے بہت سے مسلم ممالک کے رضا کار مجاہدین اطرافِ عالم سے وہاں پہنچ گئے، ان میں مشرقِ اوسط، شمالی افریقہ، افغانستان، پاکستان، ترکی، اسپین، جرمنی وغیرہ کے مسلمان شامل تھے، جو شروع میں امدادی کارروائیوں کے لیے وہاں رہے، اور بعد میں انھوں نے بوسنیا کی فوج کے ساتھ شانہ بشانہ جنگ میں حصہ لیا، اس تین سالہ جنگ کے دوران بوسنیا کے سربراہ عزت بیگ کو امن کی کئی تجویزیں پیش کی گئیں جن میں ایک تجویز یہ تھی کہ بوسنیا کو تقسیم کر کے مسلمانوں کو دو علاقوں کے بیچ میں ایک غیر مسلم حکومت قائم کی جائے، اس تجویز کو مسترد کرتے ہوئے عزت بیگ مرحوم کا یہ جملہ تاریخ کا حصہ بن گیا ہے کہ:

We choose the certainty of war over the uncertainty of prace, and we will fight.

یعنی: ''ہم غیر یقینی امن کے مقابلے میں جنگ کی یقینی حالت کو اختیار کرتے ہیں، ہم لڑتے رہیں گے''۔

اور آخر کار بوسنیا ہرزگونیا کے نام سے ایک آزاد ریاست وجود میں آ گئی، جب یہ لڑائی جاری تھی تو الحمد للہ! پاکستان اور اس کے عوام کی طرف سے اس میں بوسنیا کے مسلمانوں کے لیے ممکنہ امداد بھیجی گئی تھی، جس کا ذکر آگے ان شاء اللہ تعالیٰ! آئے گا؛ لیکن سچی بات یہ ہے کہ اس جنگ کی تفصیلات اور اس کی نوعیت اب اس دورے میں سمجھ میں آئی۔

سرائیوو کا دورہ

سرائیوو پہنچنے کے بعد حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہم اور ان کے دوساتھیوں کے علاوہ جو علی الصبح یہاں سے ہندوستان روانہ ہو گئے، اب ہمارے قافلے کے دوسرے تمام ارکان یکجا ہو چکے تھے، اس دورے کے محرک مولانا محمد حنیف صاحب نے آج کے دن (منگل ۲۶ / جون ۲۰۱۸ء کو) یہ پروگرام بنایا ہوا تھا کہ سرائیوو شہر کا دورہ کیا جائے جس میں بعض ملاقاتیں بھی شامل تھیں۔

سرائیوو (Sarajevo) بوسنیا ہرزگونیا کا دارالحکومت ہے جس کے درمیان دریائے ملجیکا (Milkeca) بہتا ہے، اور تین طرف سے الپ کے فلک بوس پہاڑ سے گھرے ہوئے ہیں، سربوں کی فوجیں ان پہاڑوں پر قابض تھیں، اور پورا شہر ان کے نشانے پر تھا جہاں سے وہ مسلسل شہر پر گولہ باری اور فائرنگ کا سلسلہ جاری کیے ہوئے تھے، شہر کی بہت سی عمارتیں اور بے شمار انسان اس گولہ باری کی نذر ہوئے۔ دوسری طرف بوسنیا کے مسلمانوں کی فوج کم بھی تھی، اور ان کے پاس اسلحہ بھی بہت تھوڑا

تھا، اس اسلحہ کے ذریعے پہاڑوں پر بیٹھی ہوئی فوج کا مقابلہ کرنا انتہائی مشکل تھا۔ دوسری طرف ان کو باہر سے اسلحہ ہی نہیں، کھانے پینے کی چیزوں کی سپلائی بھی اس لیے بند تھی کہ سپلائی کے راستوں پر یا تو دشمن کا قبضہ تھا، یا اقوامِ متحدہ کی فوجیں حائل تھیں، یہاں آکر ہی صحیح اندازہ ہوتا ہے کہ جنگ کے دوران بوسنیا کے مسلمان کن صبر آزما حالات سے گذرے ہیں۔

ہم سب سے پہلے شہر کی قدیم ترین مسجد میں گئے جو سلطان محمد فاتح ثانی نے ۱۴۶۲ء میں بنائی تھی، اور اب ''شاہی مسجد'' (Emperors Mosque) کہلاتی ہے۔ یہاں شیخ صدر الدین نے ہمارا استقبال کیا جو اس مسجد کے امام اور اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے فارغ التحصیل ہیں، انھوں نے ہمیں بوسنیا کی جنگ کی تفصیلات بتائیں، اور ساتھ یہ کہا کہ: اگر چہ اس جنگ میں دو لاکھ مسلمان شہید ہوئے؛ لیکن آخر کار اس لحاظ سے مسلمانوں کے لیے ایک رحمت ثابت ہوئی کہ مسلمانوں پر دین کی جو گرفت پچھلے دور میں کمزور پڑ چکی تھی، اس جنگ نے ان کے اندر ایک نئی روح پھونک دی، اور اب رفتہ رفتہ یہاں کے دینی حالات بہت بہتر ہو رہے ہیں۔

سرائیوو کے قدیم شہر میں ایک یونیورسٹی ہے جس میں اسلامی علوم کا ایک مضبوط شعبہ ہے، اس کے سربراہ پروفیسر احمد ہیں جنھوں نے میری انگریزی کتاب ''انٹروڈکشن ٹو اسلامک فائنانس'' کا بوسنیا کی زبان میں ترجمہ شائع کیا ہے، انھوں نے دعوت دی تھی کہ ہم ان کی یونیورسٹی کا دورہ کریں، چناں چہ اس یونیورسٹی میں انھوں نے ہماری بڑی محبت سے استقبال کیا، اور میری کتاب کے بوسنین ترجمے کے متعدد نسخے ہمیں تحفے میں دیئے، اور کہا کہ: الحمدللہ! یہ کتاب یہاں کافی مقبول ہوئی ہے۔

پھر انھوں نے بتایا کہ: صرف پرانے شہر میں اسّی مساجد ہیں جو خلافتِ عثمانیہ کے وقت سے چلی آتی ہیں، اسلامی علوم کا یہ شعبہ ۱۸۸۴ء میں قائم ہوا تھا جب یہاں آسٹریا کی حکومت تھی اور اس کا اصل مقصد یہ تھا کہ یہاں مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے قاضیوں کی تربیت کی جائے۔ یہ تربیت ۱۹۴۵ء تک جاری رہی، اور یہاں سے نکلنے والے قاضی شرعی عدالتوں میں شرعی فیصلے کرتے رہے؛ لیکن ۱۹۴۶ء سے ۱۹۷۱ء تک کمیونسٹ دور میں اس کو بند کر دیا گیا تھا۔ ۱۹۷۱ء میں دین پر پابندیوں میں کچھ کمی آئی، جس کے بعد اس فیکلٹی نے دوبارہ کام کرنا شروع کیا۔ اب اس کے تحت چھ مدرسے چل رہے ہیں جن میں دو ہزار طلبہ تعلیم حاصل کرتے ہیں، ان میں سے ۱۵۰۰ حضرات مساجد میں امام مقرر ہیں۔

انھوں نے بتایا کہ: ہماری فیکلٹی اب یونیورسٹی آف سرائیوو کا ایک حصہ ہے، اور الحمدللہ! اب یہاں کے حالات بہت بہتر ہیں، ملک میں تمام دینی کام ایک تنظیم کے تحت انجام پاتے ہیں جو مشیخہ کہلاتی ہے اور مختلف مقامات پر مفتیوں کا تقرر بھی یہی تنظیم کرتی ہے۔

پروفیسر احمد نے کہا کہ: بوسنیا کی زبان میں دینی کتابوں کی کمی ہے اور ہم سے مشورہ کیا کہ: مزید کن کتابوں کا ترجمہ یہاں کے لیے مفید ہوگا؟ میں نے انھیں چند کتابوں کے نام بتائے، اور انھوں نے شروع میں میری کتاب ''آسان نیکیاں'' کا ترجمہ شائع کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔

یونیورسٹی سے نکلنے کے بعد ہم نے نمازِ مغرب یہاں کی ایک اور قدیم مسجد غازی خسرو بیگ میں ادا کی جو ۱۵۳۱ء میں تعمیر ہوئی تھی، غازی خسرو بیگ خلافتِ عثمانیہ

کی طرف سے یہاں گورنر بن کر آئے تھے، اور انھوں نے یہاں ایک عالی شان مسجد، مدرسہ، کتب خانہ اور مہمان خانہ قائم کیا تھا، اس مسجد کے اطراف میں پرانے طرز کا ایک بارونق بازار ہے جس میں پچاس دکانیں ہیں، یہ ساری دکانیں غازی خسرو بیگ رحمۃ اللہ علیہ نے وقف کر کے ان کے کرائے کی آمدنی اسلامی مقاصد کے لیے مختص کر دی تھی، کمیونسٹ دور میں یہ سلسلہ ختم کر دیا گیا تھا، اب ایک قانون کے ذریعے ان اوقاف کو بحال کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔

بوسنیا کی جنگ کے دوران اس عالی شان مسجد پر مختلف اوقات میں تقریباً سو گولے داغے گئے جس سے مسجد کو بہت نقصان پہنچا تھا، ۲۰۰۰ء میں اس کی بڑی پیمانے پر مرمت اور بحالی کا کام ہوا جس کے نتیجے میں اب وہ اپنے پرانے شکوہ کے ساتھ نمایاں نظر آتی ہے، غازی خسرو بیگ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مزار بھی مسجد کے متصل واقع ہے، ہم نے اس عظیم مجاہد کی قبر پر سلام عرض کیا اور ان کے لیے ایصالِ ثواب کیا۔

اگلے دن مولانا حنیف صاحب نے یہ پروگرام بنایا تھا کہ ہم سب بوسنیا کے ایک قصبے سرے برینکا (Srebrenica) جائیں، یہ قصبہ اس لحاظ سے ایک منفرد قصبہ ہے کہ اس میں بوسنیا کی جنگ کے دوران آٹھ ہزار مسلمانوں کا اس بری طرح قتلِ عام ہوا تھا کہ وہاں اب تمام تر بیواؤں اور یتیموں کی آبادی ہے، یہاں کے دورے کا مقصد ان کی ضروریات جاننا اور ان کو مدد پہنچانا تھا؛ لیکن لوگوں نے بتایا کہ: یہ قصبہ یہاں سے کم از کم چار گھنٹے کی مسافت پر ہے، اور سڑک بھی خراب ہے۔ میں پہلے ہی لمبے سفر سے بہت تھکا ہوا تھا؛ اس لیے رفقا نے مشورہ دیا کہ میں وہاں نہ جاؤں، اور جو حضرات جارہے ہیں انہی سے وہاں کے حالات معلوم ہوجائیں گے اور ان ہی

کے ذریعے کچھ امدادی رقم بھی بھیجی جاسکے گی۔

چناں چہ میں اور میرے رفقا جو مقدونیہ سے میرے ساتھ تھے، وہاں خود نہیں گئے، اور مولانا حنیف صاحب کی قیادت میں ایک بس وہاں کے لیے روانہ ہوگئی، جو حضرات وہاں گئے انھوں نے رات کو واپس آکر بڑے دردناک حالات بیان کیے، ان کی ملاقات ایک ایسے نوجوان سے ہوئی جو اس قتلِ عام کے زمانے میں کسی طرح پہاڑوں پر جابسا تھا، اور دو مہینے اس نے پہاڑوں کے اُگے ہوئے پودوں پر گذارا کیا، وہاں کی آبادی کے بیشتر مرد سربوں کی اس سفاکی کا شکار ہوئے جسے اقوامِ متحدہ کے سیکریٹری جنرل نے تاریخ کا بدترین قتلِ عام قرار دیا تھا، وہاں چوں کہ بڑی تعداد بیواؤں اور یتیموں کی ہے؛ اس لیے مولانا حنیف صاحب اور ان کے رفقا نے وہاں منظم امداد فراہم کرنے کے لیے کچھ مقامی حضرات کو اعتماد میں لیا، اور ان سے مستقل رابطہ رکھنے کا انتظام کیا۔

امید کی سرنگ

جب یہ حضرات سرے برنیکا (Srebrenica) روانہ ہوگئے، تو ہم اور ہمارے رفقا بوسنیا کی جنگ میں مسلمانوں کا ایک عجوبۂ روزگار کارنامہ دیکھنے کے لیے گئے، یہ ایک سرنگ ہے جسے اب ''امید کی سرنگ'' (Tunnel of Hope) کہا جاتا ہے، جیسا کہ میں پہلے عرض کرچکا ہوں، سرائیوو شہر اونچے اونچے پہاڑوں میں گھرا ہوا ہے جن پر سرب فوج قابض ہوکر مسلسل گولہ باری کررہی تھی، دوسری طرف ائیر پورٹ پر اقوامِ متحدہ کی فوج تعینات تھی جس نے اس علاقے میں اسلحہ کی سپلائی پر وہ پابندی لگائی ہوئی تھی جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے؛ لہٰذا سرائیوو میں اسلحہ تو درکنار، کھانے پینے کی

چیزیں بھی باہر سے آنے کا کوئی راستہ نہیں تھا، لوگ فاقہ کشی کا شکار تھے، ہسپتالوں میں دوائیں اور علاج کے آلات ختم ہو چکے تھے، مجھے ایک بزرگ نے بتایا کہ: ایک مرتبہ جنگ کے دوران میری ٹانگ میں گولی لگی جس سے خون بری طرح بہ رہا تھا، میں ہسپتال پہنچا تو وہاں متعلقہ آلات نہیں تھے جن سے علاج کیا جاتا، میں نے ان سے کہا کہ: اس جگہ عام قسم کی پٹی باندھ دو، پھر میں وہ پٹی بندھوا کر پھر جنگ میں شریک ہو گیا۔

ان مشکل حالات میں بوسنیا کے مسلمانوں نے سپلائی بحال کرنے کے لیے ایک خفیہ سرنگ کھودی جو آٹھ سو میٹر لمبی، ایک میٹر چوڑی اور ایک اعشاریہ چھ میٹر اونچی تھی، اور ایسے علاقے میں نکلتی تھی جہاں سے سپلائی ممکن تھی، اس سرنگ کا کچھ حصہ یادگار کے طور پر اب بھی محفوظ رکھا گیا ہے جس میں ہم نے داخل ہو کر دیکھا، تو یہ اتنی تنگ سرنگ ہے کہ اس میں انسان جھک جھک کر چل سکتا ہے، پوری قوم اس سرنگ کے کھودنے میں شریک تھی، اور بہت سے مرد اور خواتین ہمیں وہ ملے جو اس کی کھدائی میں شریک تھے، یہ سرنگ چار مہینے (مارچ تا جون ۱۹۹۳ء) میں مکمل ہوئی جس کے نتیجے میں سپلائی بھی بحال ہوئی، اور اس راستے سے افرادی قوت بھی مہیا ہوئی۔

یہاں کے تمام لوگوں کو ہم نے پاکستان کا شکر گزار پایا، ان کا کہنا تھا کہ ان صبر آزما حالات میں ہمیں سب سے بڑی مدد پاکستان سے ملی جس نے ہمیں اسلحہ اور دوسری ضروریات فراہم کیں، ہمارے گائیڈ ہارون ہوجا، جو سرنگ کی کھدائی میں شریک تھے، انھوں نے ہمیں بتایا کہ: سربوں نے سرائیوو کا محاصرہ تین سال جاری رکھا، اور اس دوران روزانہ کی بنیاد پر تقریباً تین سو گولے شہر پر برسائے جاتے تھے، شہر کی کوئی کھڑکی ایسی نہ تھی جو سلامت رہی ہو، ساڑھے گیارہ ہزار افراد اس جنگ میں شہید

ہوئے، اورتقریباً چھپن ہزار افراد زخمی ہوئے؛ لیکن اس سرنگ کے ذریعے ہم نے اسلحہ اور گولہ بارود ہی نہیں، گیس اور بجلی فراہم کرنے کا بھی انتظام کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ سرنگ بوسنیا کے مسلمانوں کے صبر واستقلال، ہمت وشجاعت اور پامردی کا ایک شاہکار ہے جس کی نظیر کہیں اور ملنا مشکل ہے۔

یہاں سے ہم سرائیوو شہر کے باہر پہاڑوں اور جھیلوں کا ایک ایسا منظر دیکھنے گئے جو قدرتی نظاروں میں اپنی مثال آپ ہے، اگمان نامی پہاڑ کے دامن میں پانچ جھیلیں الگ الگ نکل رہی ہیں جو کہیں ملتی اور کہیں جدا ہو جاتی ہیں، اور ان کے درمیان چھوٹے چھوٹے آبشار گرتے نظر آتے ہیں، اس علاقے کو ایک وسیع وعریض پارک کی شکل دے دی گئی ہے جس میں ہر قدم پر ایک نیا منظر دعوتِ نظارہ دیتا ہے۔

بوسنیا چوں کہ سالہا سال علم وفضل کا مرکز رہا ہے؛ اس لیے یہاں ایک نہایت قیمتی کتب خانہ مشہور ہے جس میں مطبوعات اور مخطوطات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ مذکورہ بالا پارک کی سیر کے بعد ہم اس کتب خانے میں پہنچے جو غازی خسرو بیگ لائبریری کے نام سے موسوم ہے۔ لائبریری کے سربراہ ڈاکٹر مصطفی نے ہمیں بتایا کہ: اس میں عربی، فارسی، ترکی اور بوسنین زبان کے دس ہزار مخطوطات موجود ہیں، اور کل کتابوں کی تعداد بیس ہزار ہے، اس کتب خانے کی فہرست اٹھارہ جلدوں میں شائع ہوئی ہے، اس میں بہت سی کتابیں ایسی ہیں جو بروکلمان کی فہرستوں میں بھی موجود نہیں ہے۔ انھوں نے اس فہرست کی سی ڈی ہمیں دی، اور کہا کہ: ان میں سے جس مخطوطے کو آپ چاہیں ای میل کے ذریعے منگوا سکتے ہیں؛ کیوں کہ تمام مخطوطات کو اسکین کر لیا گیا ہے، انھوں نے ہمیں بتایا کہ: جنگ کے دوران ان کاتبوں کی حفاظت ہمارا سب سے

بڑا مسئلہ تھا، ہم نے تمام کتابوں اور مخطوطات کو کیلے کے چھلکوں میں چھپا کر صندوق بنا لیے تھے، اور جنگ کے دوران آٹھ مختلف جگہوں پر انھیں زمین دوز تہ خانوں میں منتقل کرتے رہے، اگرچہ سٹی ہال کے کتب خانے میں تقریباً بیس لاکھ کتابیں جل گئیں؛ لیکن غازی خسرو بیگ لائبریری کی کتابیں اس طرح محفوظ رہ گئیں۔

مغرب کی نماز ہم نے شاہ فہد مسجد میں ادا کی جو سعودی عرب نے ۲۰۰۰ء میں تعمیر کرائی ہے، اور اس وقت سرائیوو کی سب سے بڑی مسجد ہے۔

ہم واپس ہوٹل پہنچے تو وہاں بوسنیا کے ایک معروف اسکالر ڈاکٹر صفوت ہمارے منتظر تھے، یہ ازہر کے فارغ التحصیل ہیں، اور متعدد کتابوں کے مصنف اور اس علاقے میں "**الاتحاد العالمي لعلماء المسلمين**" کے سربراہ ہیں، انھوں نے کہا کہ: بوسنیا کو سلطان محمد فاتح نے استنبول کی فتح کے صرف آٹھ سال بعد فتح کیا تھا، اور یہاں صدیوں علم وفضل کا چرچا رہا، اور ۱۹۹۲ء کی جنگ اس علاقے میں اسلام کی بقا کی جنگ تھی جس کے نتیجے میں الحمد للہ تعالیٰ! یہاں سے اسلام اور مسلمانوں کو فنا کرنے کا منصوبہ ناکام ہوا، انھوں نے بتایا کہ: آزادی کے بعد ہمیں یہاں دو بڑے مسئلوں کا سامنا ہے، ایک تو برطانوی سفارت خانے کی مدد سے یہاں قادیانیوں نے اپنی تبلیغ کا کام شروع کیا ہوا ہے، اور جو مسلمان ان کی حقیقت سے ناواقف ہیں وہ انھیں بے ضرر سمجھ کر ان کے ساتھ لگ رہے ہیں۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ یہاں کے مسلمان سالہا سال سے حنفی مذہب کے پیرو ہیں، اس وقت سب سے بڑا مسئلہ نوجوانوں کو دین کی بنیادوں سے باخبر کرنا ہے؛ لیکن کچھ لوگ سلفیت کے نام پر یہاں ایسی بحثیں شروع کر دیتے ہیں جنھوں نے نوجوانوں کو سخت ذہنی کشمکش کا شکار بنایا ہوا ہے۔

اگلے دن صبح ہم پہلے بوسنیا کے قومی عجائب گھر (میوزیم) دیکھنے گئے جو ۱۹۱۴ء میں قائم ہوا تھا، اور اس میں پتھر کے زمانے سے لے کر خلافتِ عثمانیہ کے اختتام تک کی یادگاریں جمع ہیں، اس میوزیم کے معائنے میں ہماری رہنمائی دو صاحبان نے کی، ایک جناب سیاد جو بوسنیا کے باشندے ہیں، اور انھوں نے برطانیہ میں تعلیم حاصل کی ہے، اور دوسرے ایک قومی ہیرو جناب فؤاد جو بوسنیا کے صدر جناب علیجا عزت بیگ مرحوم کے دوست رہے ہیں اور جنھوں نے بڑی بہادری اور جاں نثاری کے ساتھ بوسنیا کی جنگ میں حصہ لیا تھا، انھوں نے بار بار ذکر کیا کہ: پاکستان اور اس کے عوام نے اس جنگ میں ہماری کتنی مدد کی۔ خلافتِ عثمانیہ کے دور کی زندگی اور ثقافت کے مظاہرے کے لیے کئی ہال مخصوص ہیں جن میں دکھایا گیا ہے کہ خلافت کے دور میں کونسی شاندار ایجادات ہوئیں ان کا طرزِ معاشرت کیسا تھا، خواتین کس طرح پردے میں رہتی تھیں، اور شادی بیاہ کے طور طریقے کیا تھے۔

اسی دن ظہر کے بعد ہمیں بوسنیا کے سابق مفتیٔ اعظم جناب مصطفیٰ سیرک نے اپنے گھر پر دعوت دی تھی، چناں چہ ان کے مکان پر پہنچے، اور انھوں نے مجھے یاد دلایا کہ مختلف مقامات پر ان سے میری ملاقات ہوتی رہی ہے، ان کے ساتھ کافی دیر تک مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی، اور انھوں نے پہلی بار یہ انکشاف کیا کہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب مرحوم جو ایوب خان صاحب کے دور میں پاکستان کے ادارۂ تحقیقات کے ڈائرکٹر تھے، اور ان کے تحریف آمیز نظریات کی بنا پر علمائے پاکستان نے ان کی مخالفت کی، اور ان کے خلاف مہم چلائی، انھوں نے اپنی عمر کے آخری دور میں اپنے ان نظریات سے رجوع کر لیا تھا، خدا کرے کہ یہ بات صحیح ہو۔

میرے بوسنیا آنے کی خبر معلوم کر کے سرائیوو کے مختلف اداروں کی طرف سے دعوتیں ملی تھیں کہ اپنے رفقا کے ساتھ ان کے یہاں جاؤں؛ لیکن وقت کی کمی کی وجہ سے سب کی دعوت قبول کرنا مشکل تھا؛ اس لیے مولانا حنیف صاحب نے آج مغرب کے بعد ایک عمومی اجتماع ہمارے ہوٹل ہی میں رکھ لیا تھا؛ تاکہ ان سب سے یکجا ملاقات بھی ہو جائے، چناں چہ مغرب کے بعد یہ اجتماع ہوا جس میں بوسنیا اور سربیا کے معززین نے بڑی تعداد میں شرکت کی جس میں مساجد کے ائمہ، تاجر حضرات، سرکاری اداروں کے نمائندے اور یونیورسٹی کے طلبہ اور اساتذہ شامل تھے، بعض حضرات سربیا سے پانچ گھنٹے کا سفر طے کر کے یہاں پہنچے تھے۔

اس کانفرنس میں تلاوتِ کلام پاک کے بعد مولانا حنیف صاحب نے اپنی تنظیم مسلم ویلفیر انسٹی ٹیوٹ کا تعارف کراتے ہوئے انگریزی میں بڑی اثر انگیز تقریر کی اور بتایا کہ: کس طرح انھیں بلقان کی ریاستوں میں کام کرنے کا داعیہ پیدا ہوا، اور بوسنیا کے مہاجرین کس حالت میں بلیک برن آئے تھے، اور صدر بوسنیا جناب علیجا عزت بیگ صاحب مرحوم سے ان کی کس طرح ملاقات ہوئی تھی، انھوں نے بتایا کہ: ان کی تنظیم نے پہلے البانیہ میں کام کا آغاز کیا، پھر اسے مقدونیہ تک وسیع کیا گیا، اور اب ہم اس کام کو بوسنیا میں آگے بڑھانے اور ضروریات کا جائزہ لینے کے لیے یہاں آئے ہیں۔

ان کے بعد مجھ سے عربی میں خطاب کی فرمائش کی گئی، میں نے شروع میں بتایا کہ: بلقان کے ساتھ ہمارے اکابرِ دیوبند کا کتنا گہرا اور جذباتی تعلق تھا، پہلی جنگِ عظیم کے موقع پر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے کس طرح جنگِ بلقان کو مدد پہنچانے کی کوشش کی، یہاں تک کہ ہندوستان کی مسلمان خواتین نے اپنے اپنے زیور بلقان کی

جنگ میں تعاون کے لیے نچھاور کیے، اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان سے امدادی دستے بلقان روانہ فرمائے جس کے واقعات ہم نے اپنے والدِ ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ سے سنے؛ اس لیے ہم اپنے بچپن ہی سے بلقان کے نام سے نہ صرف آشنا تھے؛ بلکہ اس کی محبت دل میں پیوست تھی۔

آج الحمد للہ تعالیٰ! ہمیں یہاں براہِ راست آنے کا موقع ایسے وقت ملا ہے جب بوسنیا کے مسلمان ایک خونریز جنگ میں فتحیاب ہو کر یہاں اپنی حکومت قائم کر چکے ہیں، اس کے بعد میں نے اس بات پر اہلِ بوسنیا کو مبارک باد دی کہ انھوں نے جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد یہاں اسلام کے احیا کا کام شروع کیا ہوا ہے، اور ان کی حکومت قائم ہونے کے بعد یہاں بڑی تعداد میں مسجدیں قائم ہوئی ہیں؛ لیکن چوں کہ اس علاقے پر جبر واستبداد کا ایک لمبا عرصہ گذرا ہے؛ اس لیے نوجوان نسلوں کے دین کی حفاظت اور ان کی دینی تربیت اب بھی ایک بڑا اہم مسئلہ ہے جسے بڑی حکمت، تدبر اور علما اور دانش وروں کے باہمی اتحاد کے ذریعے ہی حل کیا جا سکتا ہے۔

میں نے یہاں کی مساجد میں دیکھا کہ تقریباً ہر مسجد میں داخلے کی جگہ پر نماز کا مفصل طریقہ، یہاں تک کہ سورۂ فاتحہ وغیرہ بھی عربی کے علاوہ بوسنین رسم الخط میں لکھی ہوئی ہوتی ہے؛ تاکہ نوجوان اسے دیکھ کر نماز پڑھ سکیں۔

میں نے تجویز پیش کی کہ ہر مسجد میں عام مسلمانوں کی آگاہی کے لیے ایسے دروس کا سلسلہ باقاعدگی کے ساتھ شروع کرنے کی ضرورت ہے جو مسلمانوں کو بنیادی دینی احکام سے روشناس کرا سکیں۔ نیز عام مسلمانوں کے لیے بوسنیا کی زبان میں ایسے عام فہم کتابچے تیار کیے جائیں جو مسلمان اپنے گھروں میں پورے خاندان کے ساتھ

رات کو سونے سے پہلے پڑھا کریں۔

تقریر کے بعد سوال وجواب کی ایک طویل نشست ہوئی جس میں حاضرین نے عربی یا انگریزی میں مختلف مسائل کے بارے میں سوالات کیے، اور میں نے ان کے مفصل جوابات دینے کی کوشش کی، کانفرنس کے بعد سب عشائیہ میں شریک ہوئے، اوراس کے دوران بھی گفتگو کا سلسلہ جاری رہا، رات گئے اس نشست کا اختتام ہوا۔

اگلا دن جمعہ تھا جو ہماری واپسی کا دن تھا، سرائیوو سے قطر ایرلائنز کے ذریعہ دوحہ، اور وہاں سے بفضلہٖ تعالیٰ بعافیت کراچی واپسی ہوئی۔

پانچ دن بوسنیا میں شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ کے ساتھ

از: فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا محمد ابن شیخ الحدیث آدم مانیکپوری دامت برکاتہم العالیہ (جامع مسجد لیسٹر)

بوسنیا جانے کی دو وجہیں:

① بوسنیا جانے کی پہلے سے بہت دلی خواہش تھی، خاص طور پر جب بوسنین کی جنگ (war) ہوئی تو اور شوق بڑھا کہ وہاں سفر کیا جائے اور اس کی تاریخ معلوم کی جائے۔

② مجھے معلوم ہوا کہ مولانا حنیف صاحب اپنی جماعت (MWI) کے ساتھ بوسنیا کا سفر کر رہے ہیں اور ان میں حضرت الاستاذ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ بھی ہیں تو اور زیادہ اشتیاق ہوا کہ بوسنیا کا سفر کیا جائے؛ تاکہ حضرت شیخ الاسلام کے صحبت اور معیت میں کچھ وقت گزرے۔

بوسنیا کی مختصر تاریخ

بوسنیا ساؤتھ ایسٹ یورپ میں واقع ہے، سرائیوو (Sarajevo) اس کا کیپیٹل ہے جو سب سے بڑا شہر بھی ہے۔ اس کے حدود پر کروشیا (Croatia)، سربیا (Serbia) ہے، مونٹی نیگرو (Montenegro) ہے۔ یہ ملک پہلے رومن امپائر کے تحت تھے، پھر خلافتِ عثمانیہ کا دور آیا، تقریباً چار صدی تک خلافتِ عثمانیہ کی حکومت

رہی، خلافتِ عثمانیہ ہی کی بدولت یہاں اسلام آیا، خلافتِ عثمانیہ میں بہت ترقی ہوئی، بہت سارے شہر آباد ہوئے، جیسے موسٹار (Mostar) وغیرہ وغیرہ، پھر کمیونزم کا دور آیا، اس دور میں مسلمانوں پر بہت سے مظالم ڈھائے گئے، نماز وغیرہ پر پابندی لگ گئی، اسلام پر عمل کرنا ایک جرم بن گیا، پھر کمیونزم کا دور ختم ہوا، ۱۹۹۲ء میں بوسنیا میں آزادی کا اعلان کر دیا گیا، پھر بوسنین مسلمان اور سربیوں کے درمیان لڑائی ہوئی، بوسنیا کے مسلمانوں پر سربیوں نے بہت سے مظالم ڈھائے، عورتوں کے ساتھ زنا بالجبر کیا گیا، تقریباً آٹھ ہزار مسلمان شہید ہو گئے، جولائی ۱۹۹۵ء میں یہ لڑائی ختم ہوئی، پھر سے یہ ملک ازسرِ نو تعمیر ہو رہا ہے۔

پہلا دن ۲۵/جون ۲۰۱۸ء بروز پیر

استنبول ہوتے ہوئے فلائٹ سے تقریباً صبح ۱۰ بجے سرائیوو پہونچا، استنبول کے ائیر پورٹ پر دیکھا کہ بہت سے غلف (Gulf) کے حضرات بوسنیا جا رہے تھے؛ گویا کہ بوسنیا سیر و تفریح کی جگہ بن چکی ہے، MWI کے کچھ ساتھی ائیر پورٹ پر لینے آئے ہوئے تھے، ان کے ساتھ ہوٹل پہنچا، دوپہر کھانے کے وقت حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ اور دیگر علمائے کرام سے ملاقات ہوئی، کھانے کے بعد موسٹار جانا طے ہوا؛ چوں کہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم ہمارے ساتھ نہیں تھے، وہ مونٹی نیگرو سے آرہے تھے تو یہ طے ہوا کہ ہم موسٹار چلے جائیں وہاں ان کی ملاقات بھی ہو جائے گی اور موسٹار کی زیارت بھی ہو جائے گی؛ لہذا ہمارا پورا گروپ موسٹار کے لیے روانہ ہوا، راستے میں سرسبز و شاداب اور خوب صورت مناظر

دیکھے، اسی وجہ سے حضرت شیخ الاسلام سے بہت سی مرتبہ سنا کہ: بوسنیا دنیا کی جنت ہے۔

موستار کی زیارت

موستار ایک بہت پرانا شہر ہے، جو نریٹیوا ندی (Neretva River) کے پاس واقع ہے، اس شہر میں پچاس فی صد مسلمان آباد ہیں، اور پچاس فی صد عیسائی آباد ہیں، موسٹار میں شیخ جواد بہت ذی علم اور بہت ذی استعداد عالم ہیں، اور شام میں میرے رفیقِ درس رہ چکے تھے، ان سے ملاقات کی؛ چوں کہ ان کو وہاں کی کافی معلومات تھی، لہذا ان کی معیت میں ہمارا پورا گروپ موسٹار دیکھنے کو نکلا۔

ایک پرانی خانقاہ کی زیارت

سب سے پہلے ہم نے ایک پرانی خانقاہ کی زیارت کی، جو موستار کے بالکل باہر ایک گاؤں میں واقع ہے، جس کا نام بلاگاج ولیج (Blagaj Village) ہے، یہ خانقاہ تقریباً ۶۰۰ سال پرانی ہے، عثمانیوں نے یہ خانقاہ بنائی تھی؛ تاکہ ذکر کے ذریعے سکون حاصل ہو، اور جگہ جگہ بورڈ پر ''ھو، ھو، ھو'' لکھا ہوا تھا جس سے وہ ذکر کرتے تھے، اس کے پاس بونا ندی (Buna River) کا بڑا چشمہ ہے، جس کی وجہ سے ایک خوب صورت منظر معلوم ہوتا ہے۔

پرانا برج (Stari Most) کی زیارت

سولہویں (۱۶) صدی میں عثمانیوں نے اس پرانے پل (Old Brigde) کو بنایا تھا، ۴۲۷ سال تک یہ پل رہا، ۱۹۹۳ء میں بوسنین وور میں (War) یہ پل

ٹوٹ گیا تھا، ۲۰۰۴ء میں اس کی دوبارہ تعمیر کی گئی۔

محمد پاشا مسجد کی زیارت

اس مسجد کو بھی عثمانیوں نے بنایا تھا، یہاں کے مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ: جنگ کے زمانے میں دوسربیوں نے بم کے ذریعہ اس مسجد کو شہید کردیا تھا، اس کے بعد دوبارہ تعمیر کی گئی، اس کے بعد ہم نے سلطان سلیمان مسجد میں نماز پڑھی، یہ مسجد بھی خلافتِ عثمانیہ کے دور کی ہے، مغرب کی نماز پڑھ کر تقریباً دوڈھائی گھنٹے کا سفر کرکے اپنے مقام پر واپس آئے۔

دوسرا دن ۲۶/جون ۲۰۱۸ء بروز منگل

سرائیوو (Sarajevo) کی زیارت

سرائیوو اصل میں ''سرے'' سے بنا ہے، ترکی زبان میں اس کا مطلب پیلیس (Palace) ہوتا ہے، خلافتِ عثمانیہ میں سرائیوو کا نام ''سرائے بوسنہ'' تھا، ۱۵ صدی میں عثمانیوں نے اس کو آباد کیا تھا، یہ شہران کے لیے ایک خاص جگہ کی حیثیت رکھتا تھا، اس کا پہلا گورنر ''عیسا بیگ'' تھا، اس نے چھوٹے چھوٹے گاؤں ملاکر ایک بڑا شہر بنادیا، بہت سی چیزیں تعمیر کرائیں، جیسے مساجد، مدارس، مارکیٹ پیلیس، ہاسٹل وغیرہ وغیرہ۔

اس کا دوسرا گورنر ''غازی خسرو بیگ'' تھا، اس کے زمانے میں بہت ترقی ہوئی، مساجد، مدارس کافی تعمیر ہوئی، ۱۶ صدی تک تقریبا ۱۰۰ مساجد بن چکی تھیں، خلافتِ عثمانیہ کے دور میں استنبول کے بعد ''سرائیوو'' دوسرا بڑا شہر سمجھا جاتا تھا؛ لیکن پہلی

عالمی جنگ کے بعد تنزلی شروع ہوئی، بوسنین وور (War) میں بہت ساری عمارتیں ٹوٹ گئیں، اب اس کی تعمیر ہورہی ہے، نئی تعمیر کے بعد بیسٹ سٹی (Best City) کہا جاتا ہے، اور ٹوپ ٹین ویزٹ (Top Ten Visit) کی فہرست میں اس کا نام بھی آچکا ہے۔

سرائیوو مقبرہ کی زیارت

پہلے ہم ایک پہاڑ پر گئے، جہاں سے پورا قبرستان؛ بلکہ پورا شہر نظر آتا ہے، پھر ہم قبرستان میں آئے تو قبروں کے پتھر پر جو لکھا ہوا تھا اس سے معلوم ہوا کہ اکثر قبریں ۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۴ء کی ہیں، یعنی اکثر قبریں بوسنین وور میں جو لوگ شہید ہوئے تھے ان کی تھیں، قبروں کے پتھر پر سورۂ بقرہ کی یہ آیت لکھی ہوئی ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴿۱۵۴﴾

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل (یعنی شہید) کیے جائیں ان کو تم (عام مُردوں کی طرح) مرے ہوئے مت کہو؛ بلکہ وہ تو سب زندہ ہیں؛ لیکن تم کو (ان کی زندگی کا) احساس نہیں ہے۔

آج یہ قبرستان جنگی یادگار ہے، ایصالِ ثواب کرکے ہم لوگ وہاں سے ہوٹل آ گئے۔

سرائیوو کے پرانے علاقے کی زیارت

یہ پرانہ علاقہ دمشق، قاہرہ، مراکش کی طرح لگتا ہے، یہاں ہم نے سب سے پہلے ایک مسجد کی زیارت کی، جس کا نام ''سلطان محمد فاتح مسجد'' ہیں، ۱۴۶۰ء میں یہ مسجد

بنائی گئی تھی، عثمانی حکومت کے پہلے گورنر نے اس کی تعمیر کروائی تھی؛ چونکہ سلطان محمد فاتح اس کی زیارت کے لیے آئے تھے؛ اس لیے اس کا نام ''سلطان محمد فاتح'' رکھا۔

اس کے بعد ہم نے امام صدرالدین صاحب سے ملاقات کی جو اسلام آباد یونیورسٹی سے پڑھے ہوئے تھے۔

پھر ہم ان کے ساتھ ''كلية دراسة علوم الاسلامية'' گئے، جو وہاں سے بالکل قریب تھی، ہم نے وہاں ''ڈاکٹر احمد البسیج'' جو اس کے پرنسپل تھے ان سے ملاقات کی، ماشاءاللہ! انھوں نے خوشی ظاہر کی، انھوں نے اس کالیج کی تاریخ بتلاتے ہوئے کہا کہ: بہت پہلے سے قائم ہے؛ مگر ۱۹۹۷ء میں اس کا دوبارہ افتتاح ہوا، یہاں بوسنین زبان میں ایم .اے. (.M.A) اور بی.اے. (.B.A) کی تعلیم دی جاتی ہے اور یہ کالیج حکومت کے تحت چلتی ہے۔

غازی خسرو بیگ مسجد کی زیارت

اس کے بعد ہم غازی خسرو بیگ مسجد میں گئے، یہ مسجد ۱۶ صدی میں بنائی گئی تھی، بہت خوب صورت مسجد ہے، خاص طور پر اس کا وضوخانہ، بوسنین وور میں اس مسجد پر بہت سے بم گرائے گئے تھے، اس کے بعد اس کی دوبارہ تعمیر کی گئی، ہم نے اس میں مغرب کی نماز پڑھی، نماز کے بعد غازی خسرو بیگ کی قبر پر گئے، جو وہاں سے قریب پر واقع تھی، فاتحہ خوانی کر کے ہم اپنے مقام پر واپس آ گئے۔

تیسرا دن ۲۷ جون ۲۰۱۸ء بدھ

پھر تیسرے دن ہم تین جگہوں پر گئے: پہلی جگہ Tunnel Of Hope

یعنی امید کی سرنگ، یہ ایک عجیب وغریب دیکھنے کے لائق سرنگ ہے، یہ سرنگ بوسنین آرمی نے ایئر پورٹ کے نیچے بنائی تھی، اور اس کے ذریعے سربیوں کے علاقے کو پورا الگ کر دیا تھا، اس سے لوگ آتے تھے اور دوسرے ملکوں سے کھانا، ہتھیار وغیرہ چیزیں آتی تھیں، یہ بالکل ایک عجوبہ ہے، خود مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم بہت حیرت میں پڑ گئے تھے۔

دوسری جگہ جو ہم نے دیکھی وہ تھی ''Spring of River Bosna''، اس میں بہت خوب صورت چشمے ہیں، جس میں ماشاء اللہ! صاف شفاف پانی بھی ہے، نیچے کا حصہ صاف نظر آ رہا تھا، ہم نے وہ پانی بھی پیا۔

اس کے بعد تیسری جگہ ہم نے دیکھی ''غازی خسرو بیگ لائبریری''، لائبریری کے ایک ذمے دار نے اس کی تفصیل بتائی، اور ایک سی ڈی بھی دی جس میں لائبریری میں موجود بہت سارے نادر مخطوطات کی فہرست بھی تھی، خاص طور پر بوسنین مؤلفین کے مخطوطات، اور اسی طرح اردو، عربی، فارسی اور ترکی وغیرہ کے بھی مخطوطات تھے، ان میں سب سے پرانا جو مخطوطہ تھا وہ امام غزالیؒ کی احیاء العلوم کا تھا۔

اس کے بعد ہم نے مغرب کی نماز ایک نئی مسجد میں پڑھی جس کا نام ''کنگ فہد مسجد'' تھا۔

پھر ہم ہوٹل پر آ گئے اور حضرت مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم کی بعض مقامی علما کے ساتھ ایک علمی مجلس ہوئی جس میں ڈاکٹر صفوت اظہری اور شیخ جواد بھی شامل تھے۔

آخری دن ۲۸ / جون ۲۰۱۸ء جمعرات

جمعرات کو سب سے پہلے ہم نے وہاں کا نیشنل میوزیم دیکھا، یہ میوزیم بہت پرانا ہے، اور اس میں مختلف شعبے ہیں، اس میں سے بہت ساری چیزوں کو تو ہم نے نہیں دیکھا، ہاں البتہ! جو چیزیں عہدِ عثمانی کی تھیں وہ ہم نے دیکھی۔

اس کے بعد بوسنیا کے سابق مفتی ڈاکٹر مصطفیٰ سے ملاقات ہوئی، ان کے گھر چائے پی اور بہت ساری چیزوں پر تبادلۂ خیال فرمایا۔

اس کے بعد آخر میں ''MWI'' نے ایک کانفرنس منعقد کی تھی جس میں بوسنیا اور باہر سے علمائے کرام اور طلبۂ عظام کو بھی دعوت دی گئی تھی۔

سب سے پہلے ''MWI'' کے روحِ رواں مولانا حنیف دودھ والا نے انگلش میں اس سفر کا مقصد اور اپنی تنظیم کے کاموں پر روشنی ڈالی اور اس کے بعد شیخ الاسلام مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم نے عربی میں بیان کیا، حضرت مفتی صاحب نے تین نصیحتیں خاص طور پر بیان کی:

① آپ لوگ اپنی تمام مساجد میں دروس کے حلقے قائم کرو۔

② اپنے گھروں میں روزانہ سیرت وغیرہ کتابوں کی تعلیم کا رواج عام کرو۔

③ اختلافی باتوں کو بالکل مت چھیڑو؛ بلکہ سب اتحاد و اتفاق کے ساتھ رہو۔

اس کے بعد سوال وجواب کی نشست ہوئی، مختلف حضرات نے مختلف سوالات کیے اور حضرت مفتی صاحب نے اس کے جوابات دیے اور اس طرح یہ آخری دن ختم ہو گیا۔

خلاصہ

اس ملک کی زیارت ضرور کرنی چاہیے، کیوں؟

① اس ملک کی معیشت کو بھی مدد مل سکے۔

② یہ ایک بہترین قدرتی جگہ ہے۔

③ اس ملک کی تاریخ سے واقفیت ہو۔

نیز ہم اپنی زبان میں بڑی آسانی کے ساتھ یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ کیسے لوگ ہیں جو مسلمان ہونے کے باوجود اسلامی احکامات پر عمل نہیں کرتے ہیں؛ لیکن ہم یہ نہیں دیکھتے کہ وہاں جو کمیونسٹ قوانین تھے وہ اتنے سخت تھے کہ آدمی اسلام پر برقرار نہیں رہ سکتا، اس کے باوجود وہ لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے رہے یہی ان کے لیے بڑی غنیمت کی بات ہے، اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور وہاں دعوت وغیرہ کا کام شروع کرنا چاہیے اور وہاں کے لوگوں کو دین کے قریب کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

''نورانی مکاتب'' کے مقاصد

(۱) چھوٹے چھوٹے دیہات جہاں مسلمانوں کے چند ہی مکانات ہوں اور نماز تعلیم کا کوئی نظم نہ ہو، وہاں نماز اور تعلیم کا نظم کرنا۔

(۲) شہروں کی کالونیوں اور جھونپڑوں میں بسنے والے غریب مسلمانوں اور ان کی اولاد میں دینی تعلیم اور نماز کی فکر کرنا۔

(۳) مرتد یا مرتد جیسے دین سے دور مسلمانوں میں دین اور ایمان بچانے کی فکر کرنا۔

(۴) جہاں کہیں مکتب، مسجد یا عبادت خانہ نہیں ہے، وہاں اُس کے قیام کی فکر کرنا۔

(۵) پہلے سے جاری مکاتب میں تعلیم و تربیت کی ترقی کے لیے کوشش کرنا۔

(۶) مکتب کے معلمین کی تربیت کے لیے قیام وطعام کا نظم کرنا۔

(۷) انوکھا، آسان عام فہم، قابلِ دید و قابلِ ترویج طریقۂ تعلیم و تربیت کو امت کی خدمت میں پیش کرنا۔

(۸) یتامیٰ، بیوگان کی خدمات اور غریب علما اور مسلمانوں کی طبی خدمات اور غریب لڑکے لڑکیوں کی شادی میں معاونت۔

(۹) شعبۂ نشر واشاعت کے ماتحت اردو، ہندی، گجراتی، انگریزی زبانوں میں چھوٹی بڑی کتابیں، رسائل اور پمفلٹ شائع کروانا۔

اِس وقت اکابر کے مشورہ سے پورے گجرات میں یہ خدمات کا سلسلہ جاری ہے، آپ بھی اِس مبارک سلسلے میں شامل ہو سکتے ہیں۔ مزید تفاصیل ہماری ویب سائٹ (www.nooranimakatib.com) پر ملاحظہ فرمائیں۔

آں حضرت ﷺ کا سفرِ طائف
اور طائف کی کارگزاری

اقتباس

طائف کا سفر حیاتِ طیبہ کا ایک بہت بڑا موڑ ہے،اب تک اللہ کا آخری نبی دشمنوں کے حوالے تھا کہ جس طرح چاہیں پرکھ لیں، سیرت وکردار کی کسوٹی پر، صداقت و امانت کے معیار پر، چاہے طنز و استہزا کے تیر چلائیں، دشنام و زبان درازی کے تازیانے برسائیں، معاشی ناکہ بندی کا ہتھیار آزمائیں، معاشرتی بندھنوں کی زنجیریں کاٹ دیں، سرِ بازار رسوا کریں، سنگ باری سے جسمِ اطہر لہولہان کریں...

اب نبی تمام آزمائشوں سے گزر کر کامیاب ہوتا ہے، دنیوی نقطۂ نظر سے سنگ باری اذیت کی انتہا ہے اور روحانی اعتبار سے سرخ روئی۔

بندہ آزمایا گیا، دبایا گیا، پست کیا گیا اور امتحان میں کامیاب ہو گیا تو اٹھایا گیا، بلند کیا گیا، معراج نصیب ہوئی۔

شعبِ ابی طالب کی نظر بندی اور طائف کے بازاروں میں رسوائی کا انعام: افلاک کی نظر نوازی اور عرشِ بریں پر عزت افزائی ہے (از: سیرتِ احمدِ مجتبیٰ)

❁❁❁

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا کَمَا اَمَرَ، وَ أشْھدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہ لَا شَرِیْکَ لَہ فِي الْخَلْقِ وَ الْأمْرِ ، وَأشْھدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہ وَرَسُوْلُہ،اَلْمَبْعُوْثُ اِلٰی الْاَسْوَدِ وَالْاَحْمَرِ لِتَتْمِیْمِ مَکَارِمِ الْاَخْلَاقِ،لَا یُخْلَقُ نَبِيٌّ وَ لَا رَسُوْلٌ بَعْدَہُ وَلَا اُمَّۃَ بَعْدَ اُمَّتِہِ وَ لا کِتابَ بعدَ کتابِہ وَلَا شَرِیْعَۃَ بَعْدَ شَرِیْعَتِہِ، صَلَوَاتُ اللّٰہِ تَبارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیْہ وَ عَلٰی اٰلِہ وَاَصْحَابِہ ، اَلَّذِیْنَ ھُمْ مَفَاتِیْحُ الرَّحْمَۃِ وَ مَصَابِیْحُ الْغُرَرِ،اَلَّذِیْنَ ھُمْ کَالنُّجُوْمِ لِلْإِقْتِدَاءِ وَالْإِھْتِدَاءِ، وَھُمْ اَفْضَلُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ، أما بعد !

اَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴿۵۶﴾ (الاحزاب)

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ مَنْ صَلّٰی وَصَامَ ، وَ صَلِّ کَذٰلِکَ عَلٰی جَمِیعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی الْمَلَائِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ.

تمہیدی بات

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا بڑا فضل وکرم ہے کہ تقریباً سال ۲۰۰۵ء میں سفرِ حج کے ساتھ ساتھ ایک مبارک سفر نصیب ہوا، جس جگہ کو ہم ایک مدت سے کتابوں میں پڑھتے تھے، بیانوں میں سنتے تھے، میری مراد اس سے طائف کا سفر ہے، اس کی کارگزاری

آپ کے سامنے ذکر کرتا ہوں۔

آقائے نام دار، تاج دارِ مدینہ، سرکارِ دو عالم ﷺ کس طرح طائف تشریف لے گئے تھے اور طائف میں آج تک آپ ﷺ کی یادگار کونسی کونسی جگہیں ہیں اس کی بھی تھوڑی سی کارگزاری آپ حضرات کے سامنے پیش کرنا مقصود ہے۔

قرآن میں طائف کا ذکر

قرآن میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿٣١﴾

ترجمہ: اور وہ (کافر لوگ) کہنے لگے کہ: یہ قرآن (ان) دونوں بستیوں (یعنی مکہ اور طائف) کے کسی (بڑے) آدمی پر کیوں نہیں اتارا گیا؟ (الزخرف)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا.

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے تم پر قرآن عربی زبان میں وحی کے ذریعہ اتارا؛ تاکہ تم مرکزی بستی (یعنی مکہ والوں) کو اور اس کے آس پاس والوں کو ڈراؤ۔ (شوریٰ)

اور مکہ کے اطراف میں طائف واقع ہے۔

طائف کا جائے وقوع

طائف مکہ سے تقریباً پینسٹھ (٦٥) کلومیٹر کے فاصلے پر مشرق کی طرف ایک پہاڑی علاقہ ہے، نہایت سرسبز وشاداب اور زرخیز مقام ہے، جگہ جگہ قدرتی چشمے جاری

ہیں، مختلف قسم کے میوہ جات کے باغات بکثرت ہیں، اہلِ حجاز کے لیے ایک صحت افزا مقام کی حیثیت رکھتا ہے، پرانے زمانے میں مکہ کے سرداروں کے یہاں باغات تھے، زمین کی زرخیزی اور شادابی نے اہلِ طائف کو بڑا مغرور، متکبر اور سخت مزاج بنادیا تھا۔

عامُ الحُزْن؛ یعنی غم کا سال

آپ ﷺ کو نبوت ملنے کے دسویں سال کو سیرت لکھنے والے ''عام الحزن'' یعنی غم کے سال سے یاد کرتے ہیں؛ کیوں کہ اسی سال آپ ﷺ کے دو بڑے سہارے آپ کو چھوڑ کر اِس دنیا سے چلے گئے تھے: ایک ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جنھوں نے ہر موقع پر آپ ﷺ کا ساتھ دیا، ان کی یاد آپ ﷺ کے دل سے کبھی ختم نہیں ہوئی، اکثر یاد کرتے اور ان کی بڑی تعریف فرماتے، ارشاد فرمایا کرتے جس کا خلاصہ یہ ہے:

جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا تو خدیجہ نے میری تصدیق کی۔

جب لوگ کافر تھے تو وہ اسلام لائی۔

جب میرا کوئی مددگار نہیں تھا انھوں نے میری مدد کی۔

جب میری کمائی نہیں تھی تو انھوں نے اپنے مال میں مجھے شریک کیا۔

اسی طرح ارشاد فرمایا: خدیجہ اپنے زمانے کی تمام عورتوں سے سب سے بہتر تھیں۔

پچیس سال تک وہی آپ کی مشیر اور وزیر تھیں، مکہ کی پریشانی اور کش مکش کے دنوں میں وہی تسکین کا سامان تھیں، حضور ﷺ کی تمام اولاد ان ہی سے ہوئی ہیں، سوائے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ جو حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

جب تک وہ زندہ رہیں آپ ﷺ نے دوسرا نکاح نہیں فرمایا، نبوت ملنے کے دسویں سال رمضان المبارک میں پینسٹھ (٦٥) سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی، ان کی قبر میں خود آپ ﷺ اترے، اور ''حَجُوْن'' میں دفن فرمایا۔ (از سیرتِ احمدِ مجتبیٰ)

آج کل یہ جگہ قبرستان ''معلیٰ'' کے نام سے مشہور ہے، اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قبر اس میں معروف ہے۔

دوسرے آپ ﷺ کے چچا ابو طالب تھے، جب مکہ کے کافر، مشرک آپ ﷺ کو ستاتے تھے تو چچا ابو طالب آپ ﷺ اور مکہ کے مشرکوں کے درمیان دیوار بن کر کھڑے ہوجاتے تھے، چچا ابو طالب ایمان تو نہیں لائے تھے؛ لیکن ہمیشہ آپ ﷺ کی حفاظت کرتے تھے، وہ بھی انتقال کر گئے۔

اب تو مکہ والوں کو موقع مل گیا کہ حضور ﷺ کو خوب ستائے، چنانچہ انھوں نے آپ ﷺ پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑنے شروع کر دیے، بالآخر ایک وقت وہ آیا کہ حضرت نبیٔ کریم ﷺ مکہ والوں سے ناامید ہوگئے تو اسلام کی دعوت پیش کرنے کے لیے طائف کے سفر کا ارادہ فرمایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی بیوی اور بچے کو مکہ میں چھوڑ دیا اور واپس ملکِ شام روانہ ہوئے تو ثنیہ نامی جگہ پر کعبہ کی طرف منہ کیا اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ

مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾ (البقرۃ)

ترجمہ: اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) نے عرض کیا: اے میرے رب! آپ اس شہر (مکہ) کو امن والا بنا دیجیے اور اس (مکہ) کے رہنے والوں میں سے (بھی) جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لاوے ان کو (قسم قسم کے) پھلوں سے رزق (کھانے کے لیے) عطا فرمایئے، (اللہ تعالیٰ نے دعا کے جواب میں) ارشاد فرمایا: جس نے کفر کیا اس کو بھی میں تھوڑی مدت کے لیے فائدہ اٹھانے کا موقع دوں گا، پھر میں اس (کافر) کو (زبردستی) دوزخ کے عذاب کی طرف (کھینچ کر) لے جاؤں گا اور وہ (جہنم) رہنے کی بہت بری جگہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اس طرح قبول فرمائی کہ پورا ملکِ شام۔ جو بہت برکت والا ہے، وہاں پھل بھی بہت ہوتے ہیں، پانی بھی بہت ہوتا ہے، کھیتی بھی بہت ہوتی ہے وہاں۔ سے ایک پورا شہر اٹھا کر مکہ کے پاس پہنچا دیا، اسی کا نام طائف ہے۔

الحمدللہ! جس جگہ کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی تھی وہ جگہ ۱۹۹۸ء پہلے سفرِ حج کے موقع پر دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔

طائف کا مطلب

طائف کا مطلب: طواف کرنے والا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ملکِ شام سے ایک شہر اٹھایا اور کعبہ کا طواف کروایا اور طواف کروا کے مکہ کے پاس لا کر رکھ دیا؛ اس

لیےاس کوطائف کہاجاتاہے۔

آپ دیکھیں گے کہ عرب کے صحرامیں طائف ایک ایساشہرہےجس کی زمین اورآب وہوابالکل ملکِ شام کی طرح ہے،مکہ میں کتنی بھی گرمی ہو؛لیکن طائف میں ٹھنڈااورمعتدل موسم ہوتاہے۔

آپ ﷺ کاطائف کابامشقت سفر

بہرحال! اللہ کے رسول ﷺ چھبیس (۲۶) یاستائیس (۲۷) شوال سن دس نبوی،مطابق ۶۱۹ء کومکہ سے چل کرطائف کے لیے روانہ ہوئے،آپ ﷺ کے ساتھ صرف آپ ﷺ کے آزادکردہ غلام حضرت زیدبن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے،وہاں دس دن قیام فرمایا،بعض نے بیس دن اوربعض نے ایک مہینہ مدتِ قیام لکھی ہے۔

دینی بھائیو! یقین مانیے! طائف کاسفراتنامشکل تھاکہ ساڑھے چودہ سوبرس گزرنے کے بعدجب اِس سال سفرِحج سے میں طائف گیاتوآنکھوں سے آنسونکل آئے کہ آپ ﷺ نے یہ سفرکیسے کیاہوگا؟

پہاڑپرچڑھنے کے لیےکیبل کار

ہم مکہ سے گاڑی کے ذریعہ کافی دورایک پہاڑتک چلے،وہاں پہنچ کرہماری گاڑی کوروک دیاگیا؛ کیوں کہ وہاں سے آگے پہاڑکاسفرتھا،اللہ کی مہربانی ہے کہ آج کل وہاں کیبل کاربنی ہوئی ہے،جیسے یہ تارلٹک رہے ہیں ویسے بڑے بڑے تارلٹک رہے تھےاوراس تارکےاوپرچھوٹے چھوٹے ڈبےجیسی گاڑیاں چلتی ہیں،جس کوروپ

کار (Rope Car) کہتے ہیں۔

سخت ٹھنڈی ہوا میں تقریباً ساڑھے بارہ ہزار فٹ کی اونچائی میں یہ گاڑیاں چلتی ہیں اور وہاں کے لوگوں کا کہنا تھا کہ: بعض مرتبہ اتنے بادل آجاتے ہیں کہ ان تار والی گاڑیوں کا چلنا بھی مشکل ہوجاتا ہے۔

بہرحال! ہم ان گاڑیوں میں سوار ہوئے، نیچے دیکھیں تو دل دھڑکتا ہے کہ اگر یہ تار ٹوٹ گئے تو ہم سیدھے جنت میں پہنچ جائیں گے۔

پہاڑ پر پتھروں کا راستہ

گاڑیوں میں بیٹھ کر کانچ سے نیچے پتھروں کا راستہ دیکھ رہے تھے، دسویں صدی ہجری؛ یعنی آج سے چارسو برس پہلے سلطان مراد جو ایک بڑے بادشاہ گزرے ہیں انھوں نے اونٹوں کے آنے جانے کے لیے یہ پتھروں کا راستہ بنایا تھا۔

ہم دل ہی دل میں یہ سوچ رہے تھے کہ اے اللہ! آج سے ساڑھے چودہ سو برس پہلے ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اس راستے سے طائف کیسے تشریف لے گئے ہوں گے؟

اس وقت تو نہ یہ کیبل گاڑیاں تھیں اور نہ یہ پتھروں کا راستہ، صرف بڑے بڑے پتھر، بڑی بڑی چٹانیں اور بڑے بڑے پہاڑ تھے، نہ پانی کا کوئی کنواں، نہ سایہ کے لیے کوئی درخت، سخت گرمی کا موسم، ہمارے نبی ﷺ کیسے تشریف لے گئے ہوں گے؟

دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ: اے اللہ! اگر میرے حضور ﷺ زندگی میں دوسری

کوئی تکلیف اور مصیبت نہ اُٹھاتے تو یہی ایک طائف کا سفر اتنا خطرناک تھا کہ کسی دوسری تکلیف اور مصیبت کی ضرورت نہیں تھی!

نوٹ: کار اور بس چلنے کے لیے بھی اب پختہ سڑک بن چکی ہے۔

ہرا بھرا شہر

تقریباً ساڑھے بارہ ہزار فٹ اونچائی پر چڑھنے کے بعد طائف شہر شروع ہوتا ہے، ایک ہرا بھرا شہر، بہترین انگور اور کھجور کی باڑیاں ہیں، قسم قسم کے پھل فروٹ اور میوے ہیں، اس زمانے میں بھی ہرا بھرا شہر تھا اور آج بھی ہرا بھرا شہر ہے، موسم کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اُدھر مکہ میں سخت گرمی اور اِدھر طائف میں سخت ٹھنڈی پورا موسم بدلا ہوا ہے، جو موسم ملکِ شام میں ہوتا ہے وہی موسم طائف میں ہوتا ہے۔

آپ ﷺ کا طائف میں داخلہ

آگے چلتے ہوئے حضرت نبیٔ اکرم ﷺ کا سفر مبارک یاد آرہا تھا۔

اس زمانے میں طائف میں ایک خاندان رہتا تھا جس کا نا''بنوثقیف'' تھا، یہ قبیلہ بہت طاقتور، بہادر اور مال دار تھا، آج تک طائف کی پہاڑیوں میں اس خاندان کے لوگوں کے ٹوٹے پھوٹے پتھروں کے گھر موجود ہیں، یہ ہم کو بتلایا گیا۔

جب رسول اللہ ﷺ طائف پہونچے تو اس وقت وہاں تین آدمی سردار تھے:

① عبدیالیل۔ ② مسعود۔ ③ حبیب۔

چونکہ یہ تینوں طائف کے بڑے سردار تھے؛ اس لیے آپ ﷺ نے سوچا کہ

پہلے ان تینوں کو دعوت دی جائے؛ کیوں کہ اگر یہ مان گئے اور اسلام قبول کرلیا تو میرا کام آسان ہوجائے گا۔

طائف کے سرداروں کو دعوتِ اسلام اوران کا گستاخانہ جواب

رسول اکرم ﷺ ان تینوں کی خدمت میں پہونچے اوران کواسلام کی دعوت دی؛ لیکن ان لوگوں نے اتنا بھی خیال نہیں کیا کہ مکہ کے اتنے بڑے لمبے سفر سے آئے ہیں، پہاڑوں اور پتھروں پر چل کر آئے ہیں، آپ کی مہمان نوازی کریں اور آپ کو بٹھا کر آپ کی بات سنیں؛ بلکہ آپ کا مذاق اُڑانے لگے۔

چنانچہ ایک سردار نے کہا: اے محمد! بیت اللہ کی اس سے بڑی توہین اور کیا ہوگی کہ تم جیسے آدمی کو نبی بنایا گیا۔

دوسرے نے کہا: اللہ کو پیغمبر اور نبی بنانا تھا تو تم ہی ملے، تمھارے سوا کوئی دوسرا نہیں ملا؟

طائف کے سردار یہ سمجھتے تھے کہ: رسول اور پیغمبر تو ہمارے جیسا سردار بننا چاہیے، ایسا آدمی کیسے رسول ہوسکتا ہے جس کا کوئی سہارا نہیں، نہ ماں باپ ہیں، مکان کا کوئی ٹھکانہ نہیں، سواری کا انتظام نہیں، آگے پیچھے دوڑنے والا کوئی خادم نہیں۔

تیسرے سردار نے کہا: میں تو تمھارے ساتھ بات ہی نہیں کروں گا؛ کیوں کہ اگر تم سچے نبی ہو تو نبی کی بات کو ٹھکرانا اور رد کرنا بہت خطرناک بات ہے اور اگر تم نبی نہیں ہو تو تم سے بات کرنا میری شان کے خلاف ہے۔

خلاصہ یہ کہ ان تینوں سرداروں نے صرف آپ کی بات کا انکار ہی نہیں کیا؛

بلکہ آپ کا مذاق بھی اُڑایا۔

اوباشوں کا آپ ﷺ کے پیچھے لگانا

آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ: میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم لوگ ان خیالات کو اپنے ہی تک محدود رکھنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ دوسروں کے لیے ایمان سے رکاوٹ کا سبب بن جائے؛ مگر ان کافروں نے حضور ﷺ کی اس نصیحت کو بھی نہ مانا، انھیں یہ ڈر تھا کہ کہیں تبلیغ (ان کے غلط خیال کے مطابق) ان کی رعایا کو بگاڑ نہ دے، جیسے ان کے خیال میں مکہ میں ہوا؛ لہذا انھوں نے آپ ﷺ سے سختی کے ساتھ نمٹنے کا فیصلہ کیا اور آوارہ اور بازاری لڑکوں کو آپ ﷺ کے خلاف ابھارا، اور حکم دیا کہ: جہاں آپ ﷺ وعظ فرمائیں وہاں ہنسی اڑائیں، جہاں سے گزریں ادھر پتھر پھینکیں۔

سلام اس پر کہ جو زخمی ہوا طائف کی گلیوں میں (صلی اللہ علیہ وسلم الف الف مرۃ بعدد کل ذرۃ)

چنانچہ طائف کے نوجوانوں نے آپ کا مذاق اُڑانا شروع کر دیا، تالیاں بجانے لگے،، سیٹیاں مارنے لگے؛ بلکہ ان ظالموں نے تھوڑی دیر بعد آپ ﷺ کو پتھر مارنا شروع کر دیا، وہ ظالم اپنے ہاتھوں میں پتھر لے کر لائن میں کھڑے ہو گئے اور آپ ﷺ قدم اٹھاتے اور زمین پر رکھتے تو وہ بد بخت آپ ﷺ کو پتھر مارتے۔

اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ صرف حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے۔

اللہ تعالیٰ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو پوری امت کی طرف سے جزائے خیر عطا

فرمائے، آمین۔

جب پتھر آتے تو وہ کھڑے ہو جاتے؛ تاکہ آپ ﷺ کو پتھر نہ لگے، یہاں تک کہ پتھر کھاتے کھاتے حضرت زید رضی اللہ عنہ کا پورا سر زخمی ہو گیا اور خون بہنے لگا۔ حضور اکرم ﷺ کے بدن مبارک پر چوٹیں لگی، ہاتھ پاؤں اور جسمِ اطہر لہولہان ہو گیا، ظالموں نے تاک تاک کر ٹخنوں کو نشانہ بنایا، خون بہنے سے جوتے تر بہ تر ہو گئے، ظالم دو تین میل تک پتھر برساتے رہے، اتنے پتھر لگے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے لیے پتھر کی مار کی وجہ سے کھڑا رہنا مشکل ہو گیا، جب حضورِ اکرم ﷺ بیٹھ جاتے تو وہ ظالم بازو پکڑ کر دوبارہ چلنے پر مجبور کرتے، یہاں تک کہ پتھروں کی بارش سے اتنی چوٹین آئیں کہ آپ ﷺ بیہوش ہو کر گر پڑے۔

لمحۂ فکریہ

دینی بھائیو! اگر کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے ہم سے پوچھ لیا کہ:

اے میرے بندو! میرے نبی کے پیر سے میرے دین کی خاطر خون نکلا تھا۔

میرے نبی کا اتنا مذاق اُڑایا گیا تھا اور اتنا ستایا گیا تھا۔

کبھی تمھارے پیر سے میرے دین کی خاطر پسینہ نکلا؟

میرے دین کی خاطر کبھی تم لوگوں نے کڑوی کسیلی سنی؟

تو بتاؤ! ہم اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے؟

زندگی میں ایسے مواقع تو بہت آئے ہوں گے کہ کھیتی باڑی میں ہمارے پیر سے پسینہ نکلا ہوگا۔ کھیتی باڑی میں پیر پر کیچڑ لگا ہوگا، ملازمت کے واسطہ کڑوی کسیلی بھی

سنی ہوگی اور اللہ معاف کرے! کرکٹ کے میدان میں کتنے تھکے ہوں گے۔

اگر ہم سے پوچھ لیا گیا کہ: اللہ کے لیے، اللہ کے دین کے لیے، نماز کے لیے کتنا تھکے؟ کتنا پسینہ بہایا؟ تو ہم کیا جواب دیں گے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی خوش قسمتی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پیٹھ پر اٹھانے والے خوش نصیب صحابہ

حضرت زید رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پیٹھ پر اٹھا کر طائف شہر سے باہر لے آئے، یہ سعادت سب سے پہلے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی۔

بعد میں سفرِ ہجرت کے دوران ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی پیٹھ پر سوار کیا۔

غزوۂ احد میں زخمی ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ایک چٹان پر چڑھ جائیں؛ لیکن ضعف اور کمزوری کی وجہ سے ایسا نہ کرسکے تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ جھک گئے اور ان کی پیٹھ پر قدم رکھ کر چٹان پر چڑھے۔ (ملخص از سیرتِ احمدِ مجتبیٰ)

پتھر کی چٹان پر ٹیک لگا کر آرام

حضرت زید رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیہوشی کی حالت میں شہر سے دور ایک بڑے پتھر کے پاس لے آئے جو کہ ایک پہاڑ کے پاس تھا اور اس پتھر پر ٹیک لگا کر بٹھا دیا، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے زخموں کو دھویا، منہ پر پانی چھڑکا، جب ہوش آیا تو زبانِ اقدس سے درد بھری دعا نکلی۔

اس جگہ نماز پڑھنے اور دعا مانگنے کی سعادت

آج تک وہ پتھر اور وہ جگہ موجود ہے۔اس اللہ کی مہربانی ہوئی اس گنہگار بندے محمود پر کہ جس جگہ اللہ کے نبی ﷺ زخمی ہوکر بیٹھے تھے اس جگہ کو دیکھنے کا موقع عطا فرمایا،حکومت نے اس پتھر والی جگہ پر ایک مسجد بنا رکھی ہے،اور کوئی اندر نہ جاسکے اس کے لیے چاروں طرف جالیاں لگادی ہیں۔

میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ: میں تو اندر جانا چاہتا ہوں، جہاں میرے حضور ﷺ کے قدم مبارک پہنچے ہیں، دل چاہتا ہے کہ وہاں جا کر دو رکعت نماز پڑھوں؛ چنانچہ ایک ساتھی نے ایک کونے میں جالی کا ذرا سا ہٹا ہوا حصہ دیکھ لیا،ہم نے ادھر ادھر دیکھا کہ کوئی حکومت کا آدمی دیکھ تو نہیں رہا ہے،ایک ساتھی بسم اللہ پڑھ کر اندر گھس گیا، پھر سب کو ہمت ہوئی اور سب ساتھی بسم اللہ پڑھ کر اندر داخل ہو گئے اور جس جگہ آقائے نام دار، تاج دارِ مدینہ،سرکارِ دو عالم ﷺ پتھر سے ٹیک لگا کر بیٹھے تھے اس جگہ پر اللہ کے بارگاہ میں دعا کی:

اے میرے مالک!اِس جگہ تیرے نبی کا مبارک خون لگا تھا۔

اے اللہ! آج تیرے نبی کی امت بہت پریشان حال ہے۔

اے اللہ! تیرے نبی کے مبارک خون کی جگہ کی برکت سے امت کی پریشانیوں کو ختم فرمادے۔

ساتھیوں کی آنکھوں میں آنسو تھے، اور اس جگہ عجیب وغریب سکون کی کیفیت رہی۔

لہولہان حالت میں درد بھری دعا

تھوڑی دیر بعد وہاں سے ہم نکلے، سیرتِ پاک سامنے آرہی تھی کہ یہ وہی مبارک جگہ ہے جہاں حضور ﷺ نے اللہ کی بارگاہ میں دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے تھے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے کہا تھا:

اَللّٰـهُمَّ إِلَيْكَ أَشْـكُوْ ضَعْفَ قُـوَّتِيْ، وَقِلَّةَ حِيْلَتِيْ، وَهَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِـيْنَ، إِلٰى مَـنْ تَكِـلُنِيْ، إِلٰى عَدُوٍّ يَّتَجَهَّمُنِيْ أَمْ إِلٰى قَرِيْبٍ مَّلَّكْتَه أَمْـرِيْ، إِنْ لَّمْ تَكُنْ سَاخِطاً عَلَيَّ فَلَا أُبَالِيْ، غَيْرَ أَنَّ عَافِيَتَكَ أَوْسَعُ لِيْ، أَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الْـكَرِيْمِ الَّذِيْ أَضَاءَتْ لَهُ السَّمٰـوَاتُ، وَأَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمٰتُ، وَصَلُحَ عَلَيْهِ أَمْرُ الدُّنْيَـا وَالْاٰخِـرَةِ أَنْ تُحِلَّ عَلَيَّ غَضَبَكَ، وَتُنْزِلَ عَلَيَّ سَخَطَكَ؛ وَلَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى، وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ. (الحزب الأعظم: يوم الثلاثاء)

ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ سے اپنی کمزوری اور تدبیر کی کوتاہی اور لوگوں کی نظر میں اپنی بے چارگی کی شکایت کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین! تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے، کسی غضبناک ترش رو دشمن یا کسی قریبی رشتے دار کے جو میرے امور کا مالک ہو، اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو پھر مجھے کوئی فکر نہیں ہے، البتہ تیری طرف سے دی جانے والی تندرستی میرے لیے وسیع تر ہے، میں تیرے اس مبارک چہرے کے نور کے وسیلے سے جس نے آسمانوں کو منور کر رکھا ہے اور تاریکیوں کو دور کر رکھا ہے اور جس کے سہارے دنیا و آخرت کے تمام امور سنورتے ہیں، اس بات سے تیری پناہ و حفاظت

میں آتا ہوں کہ تو مجھ پر اپنا غصہ اتارے اور مجھ پر اپنی ناراضگی نازل کرے اور تیرے راضی ہونے تک میں تجھے مناتا رہوں گا، گناہوں سے حفاظت اور نیکیوں کی طاقت صرف تو ہی دینے والا ہے۔

اس دعا میں آپ نے ایک عجیب جملہ ارشاد فرمایا ''إِنْ لَّمْ تَكُنْ سَاخِطاً عَلَيَّ فَلَا أُبَالِيْ ''یعنی اے میرے مالک! اے میرے اللہ! اگر تو ناراض نہیں ہے تو ساری دنیا مخالف ہوجائے، ناراض ہوجائے مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔

اللہ کرے کہ یہ جذبہ میرا اور آپ کا اور پوری امت مسلمہ کا بن جائے، آمین۔

مسافر اور مظلوم کی دعا

حضورِ اکرم ﷺ ایک تو مسافر تھے، مکہ سے سفر کر کے طائف گئے تھے، بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مسافر کی دعا کو قبول فرماتے ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ مظلوم تھے، ان ظالموں نے آپ کا مذاق اڑایا تھا، آپ پر پتھر برسائے تھے، آپ کو لہولہان کیا تھا، مظلوم کے دل سے جو آہ نکلتی ہے وہ ساتوں آسمانوں کے اوپر جاتی ہے، ایسی دعا قبول ہونے میں کوئی شک ہوسکتا ہے؟

سفر میں دعا کا اہتمام کرنا چاہیے اور مظلوم کی آہ سے بچنا چاہیے

ہم جب بھی سفر کریں تو نماز پڑھ کر دعا کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے؛ کیوں کہ مسافر کی دعا قبول ہوتی ہے اور مظلوم کی بد دعا سے بچنا چاہیے؛ کیوں کہ مظلوم کی بد دعا سیدھے اللہ کے پاس جاتی ہے، کبھی کبھی انسان اپنے عہدے، ڈگری، مال وغیرہ کے

نشے میں دوسروں پر ظلم کرتا ہے، وہ یہ سوچتا ہے کہ میری تو بڑے بڑے افسروں تک پہنچ ہے، میں اگر کسی پر ظلم کروں گا تو کوئی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا؛ لیکن یاد رکھو! مظلوم کے دل کی آہ سے انسان تباہ وبرباد ہوجاتا ہے۔

عتبہ وشیبہ کا انگور بھیجنا

بہرحال! وہ پتھر جس پر آپ ﷺ نے ٹیک لگایا تھا اس سے چند قدم پر ایک انگور کی باڑی تھی جو مکہ کے دو کافر سردار: عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کی تھی، یہ دونوں حقیقی بھائی تھے، ان دونوں نے آپ ﷺ کو ایسی حالت میں دیکھ لیا، وہ دونوں کافر تھے؛ لیکن خاندان کے اعتبار سے قریشی تھے، خاندانی غیرت جوش میں آئی اور انھوں نے ایک انگور کا خوشہ اپنے نوکر عداس کو دیا اور کہا کہ: وہ آدمی جو زخمی ہوکر درخت کے نیچے بیٹھا ہے اس کو دے دو۔ چنانچہ وہ نوکر حضور ﷺ کی خدمت میں آیا۔

حضور ﷺ نے اس کو بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر کھانا شروع کیا۔

عداس سے گفتگو

آپ ﷺ نے جیسے بسم اللہ پڑھی تو عداس نے حیرت سے کہا کہ: یہاں پورے عرب میں کوئی بسم اللہ نہیں جانتا، آپ کیسے جانتے ہیں؟

آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ: تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ اور کونسے مذہب کے ماننے والے ہو؟

اس نے کہا کہ: میں عیسائی مذہب کا ماننے والا ہوں، اور ''نینویٰ'' شہر کا باشندہ

ہوں، یہ نینویٰ شہر عراق ہے۔

جب آپ ﷺ نے نینویٰ کا نام سنا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اچھا! وہی نینویٰ جہاں اللہ کے نیک بندے ''یونس بن متیٰ'' رہا کرتے تھے؟

جب اس نے حضرت یونس علیہ السلام کا نام سنا تو وہ اور چونک گیا اور اس نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ: آپ یونس علیہ السلام کو کیسے پہچانتے ہیں؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: وہ یونس تو میرے بھائی اور اللہ کے نبی ہیں اور میں بھی اللہ کا نبی ہوں۔

عداس نے یہ سن کر آپ کا نام دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: احمد۔

عداس نے کہا کہ: میں نے توراۃ میں آپ کا اسمِ گرامی دیکھا ہے اور اس میں آپ کے اوصاف بھی پڑھے ہیں، اس سے مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو نبی بنا کر بھیجیں گے، اور لوگ آپ کی اطاعت وفرماں برداری سے انکار کریں گے؛ لیکن آخر کار فتح آپ ہی کی ہوگی اور یہ دین تمام دنیا میں پھیل جائے گا۔ (از سیرتِ احمدِ مجتبیٰ)

شانِ رسالت

اتنی مصیبتوں اور تکلیفوں کے باوجود عداس سے یہ فرمانا کہ ''یونس بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں'' اس جملے سے اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد اور جذبۂ تبلیغ کا اظہار ہوتا ہے جس سے آپ ﷺ کا ایک لمحہ بھی خالی نہیں رہا، یہی شانِ رسالت ہے۔

خدا کی دَین کا موسیٰ سے پوچھیے حال

اس نے کہا کہ: میں مدت سے یہاں آپ کے انتظار میں ہوں، مجھے اسلام کی

تعلیم دیجیے۔

آپ ﷺ نے اسلام پیش کیا اور وہ غلام عداس دل و جان سے مسلمان ہو گیا اور اس نے آپ ﷺ کے ہاتھ اور پیر کو بوسہ دیا۔

بہر حال اس کی قسمت بدل گئی، ایک پردیسی مسافر کو انگور کھلانے گیا اور اس نے جنت کمالی۔

جب عداس واپس آیا تو عتبہ اور شیبہ نے پوچھا کہ تجھے کیا ہو گیا تھا جو تو عجیب عجیب حرکتیں کر رہا تھا؟

اس نے کہا کہ: میرے آقا! وہ اللہ کے رسول ہیں۔

ان دونوں نے کہا کہ: اس نے تجھے دھوکا دیا۔

عداس نے کہا کہ: ایسا نہ کہو، اس وقت روئے زمین پر ان سے بہتر کوئی ہستی موجود نہیں ہے، انھوں نے مجھے وہ خبر دی ہے جو نبی کے علاوہ کوئی اور نہیں دے سکتا۔

عتبہ نے کہا کہ: عداس! اپنے دین سے مت پھر، تیرا دین اس کے دین سے بہت اچھا ہے۔

مسجدِ عداس رضی اللہ عنہ، سب سے پہلا مینارہ

جس جگہ عداس نے حضورِ اکرم ﷺ کو انگور کھلائے تھے آج اس جگہ پر ایک چھوٹی مسجد بنی ہوئی ہے جس کا نام ''مسجدِ عداس'' ہے، اس کے چاروں طرف جالی لگا دی گئی ہے، اس کے اوپر ایک مینارہ ہے، وہاں لوگ کہہ رہے تھے کہ: دنیا میں سب سے پہلا مینارہ یہی ہے، اس سے پہلے کسی مسجد میں مینارہ نہیں تھا۔

اللہ کا فضل وکرم ہوا کہ اس نے ہمیں وہ مسجد کو دیکھنے کا موقع دیا، ہم نے اس میں ظہر کی نماز پڑھی۔

اُحد سے زیادہ سخت دن

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے ایک مرتبہ حضور ﷺ سے سوال کیا کہ: اے اللہ کے نبی! اُحد کی لڑائی سے زیادہ خطرناک دن آپ کی زندگی میں کوئی دن آیا ہے؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عائشہ! تیری قوم سے جو تکلیفیں پہنچیں سو پہنچیں؛ لیکن سب سے زیادہ سخت دن وہ گزرا جب میں نے اپنے آپ کو عبد یا لیل کے بیٹوں کے سامنے پیش کیا؛ یعنی طائف کا دن میری زندگی کا سب سے زیادہ خطرناک دن تھا۔

پہاڑوں کے فرشتے کی حاضری

حضورِ اکرم ﷺ اس کے بعد اس باغ سے نکلے اور آگے چلے، طائف سے باہر ایک جگہ جس کا نام ''قرن الثعالب'' ہے وہاں پہنچے، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ: میں وہاں بیٹھا ہوا تھا، کچھ ہوش تھا، میں نے دیکھا کہ میرے اوپر ایک بادل سایہ کیے ہوئے ہے، اس میں سے حضرت جبریل علیہ السلام مجھے آواز دی کہ: طائف والوں نے آپ کے ساتھ جو برتاؤ کیا اللہ نے وہ سب دیکھ لیا اور سن لیا، آج اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ مَلَکُ الجِبال؛ یعنی پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے آپ جو چاہیں اس کو حکم دیں۔

اتنے میں پہاڑ کے فرشتے نے آپ کو سلام کیا اور عرض کیا کہ: اگر آپ چاہیں

تو ''اخشبین'' نامی پہاڑوں میں انھیں کچل دوں؟

رحمۃ للعالمین ﷺ کا رحمت بھرا جواب

اللہ اکبر! اگر ہم ہوتے تو اس فرشتے کو کہتے: جلدی کرو، دیر مت کرو؛ لیکن میرے دوستو! پتھر کھا کر دعائیں دینا یہ کملی والے کی شان ہے پتھر کھا کر پھول برسانا یہ آمینہ کے لعل کا کام ہے، شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

وہ جس کو گالیاں سن کر دعا دینے کی عادت تھی
جسے مخلوق سے اللہ کی خاطر محبت تھی
سلام اس پر کہ جو زخمی ہوا طائف کی گلیوں میں
سلام اس پر کہ جس کا حسن ہے پھولوں میں کلیوں میں

(از: رسولِ عربی)

یہی تعلیم حضور ﷺ نے ہم کو دی ہے، فرمایا:

صِلْ مَنْ قَطَعَکَ ، وَاعْطِ مَنْ حَرَمَکَ ، وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَکَ . (بیھقی عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ)

یعنی جو تمھارے ساتھ تعلقات ختم کرے تم اس کے ساتھ تعلقات باقی رکھو، تعلقات جوڑو، اور جو تم کو محروم کرے اس کو دو، اور جو تم پر ظلم کرے تم اس کو معاف کرو۔

اللہ کے رسول ﷺ نے جو تمام جہاں والوں کے لیے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے تھے اس فرشتے کو جواب دیا:

نہیں! اگر یہ طائف والے ایمان نہیں لاتے تو مجھے امید ہے کہ ان کی نسل میں

اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا کریں گے جو صرف ایک اللہ کی عبادت کریں گے، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

یہ جملہ اسی انسان کی زبان سے ادا ہو سکتا ہے جس کے دل میں مخلوق کی ہدایت کی بہت زیادہ امید ہو، وہی خیر البشر تو رحمۃ للعالمین ہوتا ہے۔

وہ جس کو گالیاں سن کر دعا دینے کی عادت تھی

اتنا ہی نہیں ؛ بلکہ آپ ﷺ نے اہلِ طائف کے لیے دعا بھی فرمائی:

اے اللہ ! تیرے نبی کے پیر زخمی دیکھ کر، خون کے فوارے دیکھ کر غصہ اور ناراض مت ہونا، ان کو اور ان کی اولاد کو ہدایت عطا فرما۔

طائف کی دعا کی برکت سے ہندوستان میں اسلام

چنانچہ حضور ﷺ کی وہ دعا رنگ لائی، اِس وقت پورے ہندوستان میں اسلام و ایمان کے چرچے ہیں، ہزاروں مساجد، مدارس، دار العلوم، مکاتب، خانقاہیں، مراکز آباد ہیں، یہاں سے پوری دنیا میں دین پھیل رہا ہے۔

اسی طرح پڑوسی ملک، بنگلہ دیش، نیپال، چین، بھوٹان ؛ بلکہ پورے ایشیا میں جو ایمان کی بہار اور ایمان کی ہوائیں ہیں وہ ہمارے حضور ﷺ کی طائف والی دعاؤں کی برکت ہے۔

طائف کے اسی قبیلۂ بنو ثقیف جنھوں نے رسولِ اکرم ﷺ پر پتھر برسائے تھے ان کی نسل میں ایک نوجوان پیدا ہوا جس کا نام ’’محمد بن قاسم الثقفیؒ‘‘ ہے، حجاج بن

یوسف کے دور میں ہندوستان میں جو جماعت دین واسلام لے کر آئی اس جماعت کے امیر یہی سولہ (۱۶) سالہ نوجوان محمد بن قاسم الثقفیؒ تھے، اس نوجوان نے ہندوستان کی زمین میں آکر ایمان کا پیغام سنایا اور آج تک الحمدللہ! ہمارے ہندوستان میں ایمان کی بہار ہے، اللہ تعالیٰ اس کو صبحِ قیامت تک قائم ودائم فرمائے، آمین۔

جنات وشیاطین کی پریشانی

آپ ﷺ کے نبی بننے سے پہلے جنات آسمان کے قریب جاتے تھے اور وہاں سے آسمانی خبریں سنتے تھے، پھر نجومی اور جوتش کے پاس آکر سناتے تھے، وہ نجومی اس ایک بات میں اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا کر لوگوں کے سامنے بیان کرتے تھے؛ لیکن جس دن سے قرآنِ کریم اترنا شروع ہوا اس دن سے آسمان پر اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ پہرے لگا دیے، جس کی وجہ سے کوئی جنات کوئی بھی بات نہیں سن سکتا تھا، اور جو سننے جاتا اس پر شہابِ ثاقب کے گولے پھینکے جانے لگے، قرآنِ کریم میں سورۂ جن میں ہے:

وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ﴿۸﴾ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۭ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ﴿۹﴾

ترجمہ: اور یہ کہ ہم نے آسمان کی تلاشی لینا چاہی تو اسے بڑے سخت چوکیداروں اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا ﴿۸﴾ اور یہ کہ (پہلے) ہم تو اس (آسمان) کی کچھ جگہوں پر سننے کے لیے بیٹھا کرتے تھے (ملائکہ آسمان سے نیچے اتر کر بادل کے قریب جاری کیے جانے والے فیصلوں کا تذکرہ کرتے ہیں شیاطین ان باتوں کو سننے کی کوشش کرتے تھے) لیکن اب جو کوئی سننا چاہے تو وہ ایک شعلہ کو (انتظار میں) تیار

پاتا ہے۔(از: تیسیر القرآن)

اب سارے جنات وشیاطین پریشان ہو گئے کہ: ایسا کیوں ہوا؟ اس پر غور و فکر کے لیے جناتوں نے تمام جناتوں کی ایک میٹنگ بلائی، اور سب نے اس کی شکایت ابلیس سے کی۔ اس نے کہا کہ: کوئی بڑا واقعہ پیش آیا ہے۔

چنانچہ تحقیق کے لیے مختلف علاقے کے لیے مختلف جماعتیں بنائی، جن کا مشن یہ تھا کہ پوری دنیا میں گھوم کر اس کی تحقیق کرے۔

جناتوں کی آمد اور قرآن سننا

چنانچہ طائف سے واپسی میں رسولِ اکرم ﷺ نے مکہ کے باہر ایک جگہ ''بطنِ نخلہ'' میں چند دن گزارے، ایک مرتبہ رات کو نماز میں پہلی رکعت میں سورۂ رحمن اور دوسری رکعت میں سورۂ جنّ کی تلاوت فرمائی (ملخص از سیرتِ احمدِ مجتبیٰ)

اتفاقاً جناتوں کی ایک جماعت کا وہاں سے گزر ہوا، وہ آپ ﷺ کی قرأت سن کر رک گئے اور غور سے سننے لگے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اس واقعے کی پوری منظر کشی کی ہے:

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: اور (اے نبی! وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے جنات کی ایک جماعت کو تمھاری طرف متوجہ کیا (اور) وہ قرآن سننے لگے، پھر جب وہ (جنات) وہاں (یعنی قرآن سننے کی جگہ) پہنچ گئے تو انھوں نے (آپس میں ایک دوسرے سے) کہا کہ:

خاموش ہو جاؤ، پھر جب (قرآن کی) تلاوت ہو چکی تو وہ اپنی قوم کے پاس ڈرانے کی غرض سے واپس گئے ﴿۲۹﴾

پھر جب آپ کے پاس سے قرآنِ کریم سن کر اپنی قوم کے پاس گئے تو اپنی قوم میں اس کی تبلیغ شروع کی:

قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: (وہاں جا کر) انھوں نے کہا اے ہماری قوم کے لوگو! یقین جانو! ہم نے ایک ایسی (عجیب) کتاب (یعنی قرآن) سنی جو موسیٰ علیہ السلام (کی کتاب) کے بعد اتاری گئی ہے، وہ (کتاب) اپنے سے پہلے کی (تمام آسمانی) کتابوں کو سچا بتاتی ہے، وہ (کتاب) حق (یعنی سچا دین) اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے ﴿۳۰﴾ اے ہماری قوم کے لوگو! تم اللہ تعالیٰ کے داعی (یعنی محمد ﷺ) کی بات مان لو اور اُس پر ایمان لے آؤ (اگر ایسا کرو گے تو) وہ (اللہ تعالیٰ) تمھارے گناہوں کو معاف کر دیں گے اور تم کو ایک دردناک عذاب سے بچا لیں گے ﴿۳۱﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے (داعی) کی بات نہ مانے تو وہ (ساری) زمین میں (کہیں بھی بھاگ کر اللہ تعالیٰ کو) عاجز نہیں کر سکتا اور اُس کے لیے اس (اللہ تعالیٰ) کے سوا مدد کرنے والے

نہیں ہوں گے، وہی لوگ کھلم کھلی گمراہی میں پڑے ہیں۔

حضور ﷺ کو ان جناتوں کے آنے کا علم نہیں تھا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان آیاتِ کریمہ کے نزول کے ذریعہ آپ کو مطلع فرمایا، پھر اس کے بعد نبیٔ کریم ﷺ تقریباً چھ مرتبہ جناتوں کے بڑے بڑے اجتماع میں تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے ہیں اور ہزاروں لاکھوں جنات حضور ﷺ کے ہاتھ پر ایمان لائے۔

نوٹ: جنات کے اس واقعے سے اللہ تعالیٰ نے اہلِ دنیا کو یہ بتلا دیا کہ: اگر بنی نوعِ انسان اسلام کی دعوت کو قبول نہیں کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی دوسری مخلوق موجود ہے جو حق کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

جنات کی یہ جماعت "نصیبین" کی تھی، اور وہ سات افراد تھے۔ کہتے ہیں کہ: جنات کی یہ قوم یہودی مذہب پر تھی، اس بات کا پتہ ان کے اس جملے سے چلتا ہے: يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى (اے ہماری قوم کے لوگو! یقین جانو! ہم نے ایک ایسی (عجیب) کتاب سنی جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد اتاری گئی ہے)۔

مکہ واپسی

جب حضرت نبیٔ کریم ﷺ مقامِ نخلہ سے چل کر جبلِ نور پر پہنچے تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: اب ہم مکہ کیسے داخل ہوں گے؟

کیوں کہ طائف کی خبر مکہ پہنچ گئی ہوگی، عتبہ وشیبہ نے خود زخموں سے چور باغ میں پناہ لیتے دیکھا تھا، اب تو مکہ والے بہت ہی دلیری سے ظلم پر آمادہ ہو جائیں گے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ضرور کوئی صورت پیدا فرما دیں گے۔

اتنے میں مکہ سے چند مسلمان ملاقات کے لیے آئے اور انھوں نے کہا کہ: مکہ والوں نے طائف کے حالات سن کر اپنے غنڈوں کو بھی آمادہ کرلیا ہے اس لیے آپ مکہ تشریف نہ لائیں۔

آپ ﷺ نے غارِ حرا میں قیام فرمایا اور اخنس بن شریق کو ذمے داری لینے کے لیے کہلوایا کہ: میں تمھاری پناہ میں مکہ آنا چاہتا ہوں۔ اس نے منع کر دیا۔

پھر آپ ﷺ نے سہیل بن عمرو کو کہلوایا تو اس نے بھی منع کر دیا۔

اس کے بعد جب مطعم بن عدی کو کہلوایا تو اس نے کہا کہ: ٹھیک ہے، میں آپ کی ذمے داری لیتا ہوں۔

مطعم بن عدی نے اپنے بیٹوں اور قبیلے کے لوگوں کو حکم دیا کہ: ہتھیار لگا کر حرم کے دروازے پر کھڑے رہیں، میں نے محمد (ﷺ) کو پناہ دی ہے، خود بھی اونٹ پر سوار ہو کر حرم کے پاس پکارنے لگا کہ: قریش کی جماعت! میں نے محمد (ﷺ) کو پناہ دی ہے۔

ابوجہل نے کہا کہ: صرف پناہ دے رہے ہو یا پیروی اختیار کر لی ہے؟

مطعم نے کہا کہ: صرف پناہ دی ہے۔

ابوجہل نے کہا کہ: جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے قبول کرلیا۔

چنانچہ نبیٔ کریم ﷺ وہاں سے مکہ مکرمہ پہونچے، آپ ﷺ حرم میں تشریف لے گئے، کعبہ کا طواف کیا، حجرِ اسود کو بوسہ دیا، دو رکعت نماز پڑھی اس کے بعد اطمینان کے ساتھ اپنے گھر تشریف لے گئے۔

کچھ مدت کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کو معراج کا سفر کروایا، حقیقی

بات یہ ہے کہ جو آدمی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی خاطر جھکاتا ہے اسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اونچے درجات سے مالا مال کرتے ہیں۔

تکبر کا انجام

آج کے زمانے میں پتہ نہیں انسان کیسے کیسے گھمنڈ اور تکبر میں پڑا رہتا ہے، کسی کو مال اور دولت کا نشہ سوار ہوتا ہے، کسی کو اپنی طاقت، اپنی کرسی اور اپنے عہدے کا نشہ ہوتا ہے، کیسے کیسے نشے اور تکبر انسانوں کے دماغ پر سوار ہوتے ہیں؛ حالاں کہ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ:

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ کَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ کِبْرٍ. (ابوداؤد عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ)

یعنی جس انسان کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر تکبر ہوگا، اللہ تعالیٰ اس انسان کو جنت میں داخلہ نصیب نہیں فرمائیں گے۔

تواضع کا انعام

لیکن جو آدمی اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے اپنے آپ کو جھکاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں بھی اونچے درجات سے مالا مال فرماتے ہیں اور آخرت میں بھی اونچے درجات سے مالا مال فرمائیں گے۔ خود حدیثِ پاک میں اعلان ہے:

من تواضع للہ رفعه اللّٰه.

یعنی جو آدمی اللہ کے لیے اپنے آپ کو جھکاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اونچا مقام عطا فرماتے ہیں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

کہ دانہ خاک میں مل کر گلِ گلزار ہوتا ہے	مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے

یعنی اگر تو اپنا نام اونچا رکھنا چاہتا ہے تو تو اپنے آپ کو نیچا رکھنا سیکھ لے؛ کیوں کہ ایک دانہ اور بیج جب مٹی میں جاتا ہے، اپنے آپ کو خاک میں ملاتا ہے تو اس سے بہترین درخت نکلتا ہے، پھل پھول اُگتے ہیں۔

معراج کا سفر تواضع کا انعام

طائف کے شہر میں اللہ کے نبی ﷺ نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر جھکایا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اونچے اونچے درجات سے مالا مال فرمایا۔

حضراتِ محدثین لکھتے ہیں:

معراج کا سفر جس میں حضور ﷺ ساتوں آسمان پر تشریف لے گئے، یہ اونچا مقام طائف کے سفر کی برکت اور انعام کے طور پر نصیب ہوا، طائف کے میدان میں اللہ کے دین کی خاطر پتھر کھائے، تکلیفیں برداشت کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے معراج نصیب فرمائی۔

طائف کا تبلیغی سفر رسول اللہ ﷺ کے لیے ذاتی اعتبار سے آزمائش اور امتحان کا نقطۂ عروج تھا؛ اسی لیے آپ ﷺ نے اسے اُحد کی لڑائی سے زیادہ سخت دن قرار دیا ہے، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے سفرِ طائف کا عجیب منظر کھینچا ہے (اگرچہ اس کی اردو تھوڑی مشکل ہے؛ لیکن) اس کو بعینہ نقل کیا جاتا ہے) فرماتے ہیں:

یہ حیاتِ طیبہ کا ایک بہت بڑا موڑ ہے، اب تک اللہ کا آخری نبی دشمنوں کے حوالے تھا کہ جس طرح چاہیں پرکھ لیں، سیرت و کردار کی کسوٹی پر، صداقت و امانت

کے معیار پر، چاہے طنز و استہزا کے تیر چلائیں، دشنام و زبان درازی کے تازیانے برسائیں، معاشی ناکہ بندی کا ہتھیار آزمائیں، معاشرتی بندھنوں کی زنجیریں کاٹ دیں، سرِ بازار رسوا کریں، سنگ باری سے جسمِ اطہر لہولہان کریں...

اب نبی تمام آزمائشوں سے گزر کر کامیاب ہوتا ہے، دنیوی نقطۂ نظر سے سنگ باری اذیت کی انتہا ہے اور روحانی اعتبار سے سرخ روئی۔

بندہ آزمایا گیا، دبایا گیا، پست کیا گیا اور امتحان میں کامیاب ہو گیا تو اٹھایا گیا، بلند کیا گیا، معراج نصیب ہوئی۔

شعبِ ابی طالب کی نظر بندی اور طائف کے بازاروں میں رسوائی کا انعام: افلاک کی نظر نوازی اور عرشِ بریں پر عزت افزائی ہے (از: سیرتِ احمدِ مجتبیٰ)

اللہ کی خاطر اٹھائی جانے والی تکلیف کا دنیا و آخرت میں بہترین بدلہ

محدثین لکھتے ہیں کہ انسان اللہ کے واسطے جو تکلیف برداشت کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتے ہیں اور دنیا و آخرت میں اس پر بہترین بدلہ عنایت فرماتے ہیں؛ چنانچہ طائف میں آپ ﷺ نے اللہ کے واسطے بڑی عجیب عجیب تکلیف اٹھائی تو اس پر دو نقد انعام اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمائے:

① طائف سے واپسی میں جناتوں کی ایک جماعت کا حاضر ہو کر قرآن سننا اور اس کے بعد ان کا اسلام قبول کرنا۔

(۲) طائف سے واپسی کے چند روز بعد ہی معراج کا نصیب ہونا۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو توحید کی دعوت کی بنیاد پر نمرود نے برہنہ کیا، آپ کے کپڑے اتارے گئے تو حدیث پاک میں آتا ہے:

اول من یکسی یوم القیامۃ ابراھیم علیہ السلام. (النسائی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: قیامت کے دن سب سے پہلے جنتی لباس حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنائے جائیں گے۔

اسی طرح ایک جنگلِ بیابان میں ماں ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے اپنے چھوٹے بچے اسماعیل کے ساتھ قربانی دی تو انسانیت کو زمزم جیسی عظیم نعمت نصیب ہوئی۔

جب دنیا میں ایک انسان دوسرے انسان کی خاطر کوئی تکلیف اٹھاتا ہے تو انسانیت کے پیشِ نظر ایک غیرت مند انسان اس کو یاد رکھتا ہے تو یہ تو اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے جو ارحم الراحمین ہیں، جب بندہ اللہ کے لیے تکلیف اٹھائے گا تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کو دنیا و آخرت میں بدلہ عنایت فرمائیں گے۔

سفرِ طائف ایک انقلابی موڑ

طائف کا سفر حیاتِ طیبہ کا ایک اہم واقعہ ہی نہیں ؛ بلکہ ایک انقلابی موڑ بھی ہے، مکہ اور طائف کی بستیوں نے پیغامِ نبوت کے لیے کان بہرے کر لیے تو اللہ تعالیٰ نے یثرب پر رحمت کے دروازے کھول دیے اور اسے مدینۃ النبی بنا دیا۔

اس سفر میں انسانی سلوک کے تین الگ الگ تجربے ہوئے: ایک نے ایمان کی دعوت قبول نہیں کی ؛ بلکہ الٹے پتھر برسائے۔ دوسرے نے روایتی مہمانی اقدار سے

مجبور ہوکر انگور سے ضیافت کی۔ تیسرے باہر سے آئے ہوئے غلام نے حق کو پہچانا اور ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ (از: سیرتِ احمدِ مجتبیٰ)

طائف کی کچھ یادیں

مفسرِ امت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قبر کی زیارت

اسی طائف میں حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی، اس امت کے سب سے بڑے مفسر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی قبر ہے، اس قبر کے قریب ایک عالی شان مسجد ہے جس کا نام مسجدِ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہے، اس مسجد کے پیچھے ایک چھوٹی پرانی مسجد ہے اسی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی قبر ہے۔

عشا کے وقت ہم وہاں پہنچے، لوگوں نے کہا کہ: باہر باہر سے دیکھ لو، اندر کسی کو جانے نہیں دیتے۔

میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ: کچھ بھی سیٹنگ کرو، جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی، امت کے بڑے مفسر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی سو رہے ہیں وہ جگہ یہاں آکر نہ دیکھیں، ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔

اونچی اونچی دیوار بنی ہوئی تھیں، اللہ تعالیٰ ہمارے ایک بھائی کو جزائے خیر عطا فرمائے، انھوں نے اپنے ہاتھ میں اٹھا کر اوپر کیا، دیوار کے اوپر چڑھ گئے۔

اس میں کھجور کی جھاڑیاں تھیں، اصل پرانی مسجد اور آپ کا مکان تھا، مکان دیکھا تو آنکھوں سے آنسو آجائے، پتھر کا مکان، بالکل چھوٹا اور تنگ مکان تھا، ایک ہی

کمرہ، وہی ڈائننگ روم، وہی بیڈروم، وہی اسٹوروم، اوراس میں رہ کر دین کا ایسا کام کر گئے کہ آج چودہ سو برس کے بعد بھی امت ان کے علم سے فائدہ اٹھا رہی ہے اور فائدہ اٹھاتی رہے گی۔

اسی طرح طائف سے ہوتے ہوئے قبیلۂ بنی سعد کے علاقے میں بھی جاتے ہیں جہاں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا رہتی تھیں، جہاں حضور ﷺ نے بھی بچپن میں قیام فرمایا تھا۔

طائف سے بنی سعد کا سفر

طائف سے آگے چل کر پہاڑی علاقوں میں قبیلۂ بنوسعد آباد ہے، ہمارے سفر کے وقت بھی باقاعدہ وہاں جانے کی کوئی سڑک بنی ہوئی نہیں تھی، کافی دشوار گزار راستوں سے چلتے ہوئے قبیلۂ بنوسعد کے علاقے میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، یہ وہی جگہ ہے جہاں حضرت نبیٔ کریم ﷺ کو دودھ پلانے والی حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا رہا کرتی تھیں۔

آپ ﷺ کو دودھ پلانے والی خوش نصیب عورتیں

کل آٹھ عورتوں نے آپ ﷺ کو دودھ پلایا:

① آپ کی والدہ آمنہ۔ ② ابولہب کی باندی ثویبہ۔ ③ خولہ بنت منذر۔ ④ سعدیہ (حلیمہ سعدیہ کے علاوہ)۔ ⑤ اور ⑥ اور ⑦ تینوں کا نام عاتکہ لکھا ہے۔ ⑧ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا۔ (سیرت احمد مجتبیٰ)

پہلے سات دن حضور ﷺ کو آپ کی والدہ حضرت آمنہ نے دودھ پلایا اور پھر سات دن کے بعد ثویبہ نے حضرت نبیٔ کریم ﷺ کو آٹھ دن دودھ پلایا۔دودھ پلانے کی سب سے زیادہ سعادت اس ہستی کو نصیب ہوئی جس کے نام کا جز بھی ''سعدیہ'' تھا۔

عرب کے شریف لوگوں کی عادت

شرفائے عرب کی عام عادت تھی کہ بچوں کو دودھ پلانے کے لیے آس پاس کے دیہاتوں میں بھیج دیتے تھے، جس سے دیہات کی صاف ستھری اور کھلی فضا میں بچوں کی جسمانی صحت بھی اچھی ہوجاتی تھی اور وہ خالص عربی زبان بھی سیکھ لیتے تھے: اسی لیے گاؤں کی دودھ پلانے والی اکثر عورتیں کھاتے پیتے گھرانوں کے دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں سال میں دوبار مکہ آتی تھیں، اس خدمت کے بدلے میں لڑکے کا باپ ان کو اجرت کے علاوہ انعام واکرام سے بھی نوازتا تھا اوران کو خوش کر دیتا تھا۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا بچوں کی تلاش میں مکہ

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ: میں طائف سے بنی سعد کی عورتوں کے ساتھ دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں مکہ کو چلی، ہم دس عورتیں تھیں، اس سال قحط تھا، میری گود میں ایک بچہ تھا؛ مگر فقر وفاقہ کی وجہ سے اتنا دودھ نہ تھا جو اس کو کافی ہوسکے، رات بھر وہ بھوک سے تڑپتا تھا اور ہم اس کی وجہ سے بیٹھ کر رات گزارتے تھے، ایک اونٹنی بھی ہمارے پاس تھی؛ مگر اس کو بھی دودھ نہیں تھا۔

مکہ پہنچنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو جو عورت دیکھتی اور یہ سنتی کہ: آپ یتیم ہیں تو

کوئی قبول نہ کرتی؛ کیوں کہ باپ ہی سے زیادہ انعام واکرام کی امید ہوتی تھی، دوسری طرف حلیمہ کی قسمت کا ستارہ چمک رہا تھا، ان کے دودھ کی کمی ان کے لیے رحمت بن گئی؛ کیوں کہ دودھ کم دیکھ کر کسی نے ان کو اپنا بچہ دینا گوارا نہ کیا، سب عورتوں کو بچے مل گئے، صرف حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا باقی رہ گئی۔

حلیمہ فرماتی ہیں کہ: میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ: یہ تو اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ خالی ہاتھ واپس ہوں، خالی سے یہی بہتر ہے کہ اس یتیم کو لے چلیں۔

شوہر نے کہا: ہاں! شاید اللہ تعالیٰ اس میں ہمارے لیے خیر وبرکت دے۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی قسمت کا ستارہ چمک گیا

چنانچہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے لیا، اور دودھ پلانے بیٹھی تو برکتوں کا ظہور شروع ہوگیا، اس قدر دودھ اترا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھ شریک بھائی نے بھی پیٹ بھر کر پیا۔

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ: جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس رہے صرف ایک داہنی طرف سے ہی دودھ پیا، دوسرے حصے کو منہ تک نہ لگا؛ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ علم دیا تھا کہ کوئی اور بھی دودھ میں آپ کا شریک ہے؛ گویا شروع ہی سے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عدل وانصاف پر قائم فرمایا۔

ادھر اونٹنی کو دیکھا تو اس کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے، اس کا دودھ نکالا اور ہم سب نے پیٹ بھر کر پیا، اور رات بھر آرام سے گذاری، مدتوں کے بعد یہ پہلی رات تھی کہ ہم اطمینان کے ساتھ پوری رات سوئے، آپ کی برکت سے کمزور اونٹنی

بھی تیز رفتار ہوگئی اور ہم تیز رفتاری کے ساتھ اپنے مقام پر پہنچ گئے۔

قحط اور خشک سالی نے قبیلۂ بنی سعد کی وادی کو بنجر بنا دیا تھا، جانوروں کے تھن سوکھ گئے تھے؛ لیکن اللہ کے ہونے والے نبی کے قدم کی برکت سے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی زمینیں ہری بھری ہوگئیں، بکریاں شام کو جنگل سے لوٹتیں تو ان کے پیٹ اور تھن بھرے ہوئے ہوتے، بستی والے اپنے چرواہوں سے کہتے کہ: اپنی بکریاں وہاں لے جاؤ جہاں حلیمہ کے جانور چرتے ہیں؛ لیکن یہ تو نصیبوں کی بات تھی، آسمانوں سے برکت و رحمت نے مدتوں بعد نزول کے لیے حلیمہ کے گھرانے کو منتخب کیا تھا۔

بعد میں حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا اکثر کہا کرتی تھیں کہ: وہ دن اور پھر ہماری زندگی کی آخری سانس تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے خیر و برکت سے اللہ تعالیٰ ہمارے گھرانے کو نوازتا رہا۔ (از سیرت احمدِ مجتبیٰ و سیرتِ خاتم الانبیاء)

ایک عجیب نکتہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلیمہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پیا؟ یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے!!!

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ فرماتے ہیں کہ: فہموں کی قلابازیاں اس مسئلہ میں بھی تقریباً اسی قسم کی ہیں جو حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے متعلق سمجھ کے پھیر سے بلا وجہ پیدا ہوئیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حلیمہ رضی اللہ عنہا سے دودھ ملا، یا حلیمہ، حلیمہ کی اونٹنی، حلیمہ کی بکریوں، حلیمہ کے شوہر، حلیمہ کے بچوں؛ بلکہ آخر میں قبیلے والوں تک کو، ان سب کو دودھ آپ ہی کے ذریعے ملا؟ اس میں واقعہ کیا ہے، اس کو سب جانتے ہیں؛ لیکن نہیں جانتے یا نہیں

جاننا چاہتے۔(النبی الخاتم)

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے دولت کدے پر

بہر حال! ہم سفر کرتے ہوئے بفضل اللہ! بنی سعد کے علاقے میں پہنچ گئے تھے، دور دور تک پھیلا ہوا پہاڑی علاقہ، عجیب وغریب قسم کے پتھر، ایک سناٹے کا سکون بھرا ماحول، پہاڑ کے دامن میں قبیلۂ بنوسعد آباد ہے، ایک چھوٹی سی مسجد، گھر گھر عمدہ قسم کے دُنبے اور بکریاں پالنے کا رواج ہے۔

جب ہم پہنچے تو بنی سعد کے عرب لوگوں نے بڑی خوشی سے استقبال کیا، پھر ایک جگہ لے گئے اور بتلایا کہ: یہاں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا مکان تھا، ہم جب گئے اس وقت بھی ایک مکان نما بنا ہوا تھا، پتھر کی دیوار، بوسیدہ لکڑیوں کی چھت، بتلایا گیا کہ: یہی حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا مکان ہے۔

اتنا چھوٹا سا کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ان کی زندگی کیسی سادگی بھری تھی، ہمارے قافلے میں ایک خاتون کہنے لگی: ارے ارے! اتنے چھوٹے مکان میں وہ لوگ کیسے رہتے ہوں گے!!!

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا، ان کے شوہر، اور ان کے بچے، پھر خود حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس چھوٹے مکان میں رہتے تھے۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں کل چھ افراد تھے:

(۱) شوہر: حارث۔ (۲) خود حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا۔ (۳) دودھ پیتا بچہ: عبد اللہ۔ (۴) بیٹیاں: انیسہ۔ (۵) حذیفہ۔ (۶) جدامہ، ان ہی کا لقب ''شیما'' تھا۔ (از سیرت احمدِ مجتبیٰ)

پھر آگے چل کر ایک جگہ بتلائی کہ یہیں پر حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی بکریاں باندھی جاتی تھیں، حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بکریاں چرانے کے عمل میں خوشی خوشی شامل ہوتے تھے۔

اطراف میں پھیلا ہوا پورا پہاڑی علاقہ اور پہاڑی گھاٹیوں میں حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمِ مبارک کے انوار و برکات کا احساس ہو ہی جاتا ہے اور اس کی برکت سے انابت الی اللہ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

بچپن میں بکریاں چرانا

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے یہاں ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کہ: میرے دوسرے بھائی دن بھر نظر نہیں آتے، وہ کہاں رہتے ہیں؟

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: وہ بکریاں چرانے جاتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مجھے بھی ان کے ساتھ بھیجا کرو، میں بھی بکریاں چرانے جایا کروں گا، پھر اس کے بعد آپ بھی اپنے رضائی بھائی عبداللہ کے ساتھ بکریاں چرانے جایا کرتے تھے۔ (از سیرتِ خاتم الانبیاء)

نوٹ: دیکھو! تین چار سال کی عمر ہے؛ لیکن دل میں کیسا جذبہ ہے، کہ جب میرا بھائی کام کرتا ہے تو میں کیوں نہ کروں؟

نبی سے بکریاں چرانے میں حکمت

بعض حضرات کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے بکریاں چروائی؛ اس لیے کہ

انسان جن جانوروں کے ساتھ رہتا ہے ان جانوروں کے اثرات انسان میں آتے ہیں۔

بکریوں میں ''حلم'' یعنی برداشت کا مادہ ہوتا ہے، اور یہاں تو حلم والی بکریاں بھی حلیمہ کی ہیں، بکریوں میں نرمی کا مزاج ہے، لڑائی جھگڑا نہیں کرتی، آسانی سے جو ملا وہ کھا لیتی ہیں، حضراتِ انبیا علیہم السلام میں اس طرح کے اوصاف کامل طور پر ہوتے ہیں۔

واقعۂ شقِ صدر

ایک مرتبہ آپ ﷺ اپنے رضائی بھائی کے ساتھ جنگل میں بکریاں چرانے گئے ہوئے تھے کہ دو فرشتے: حضرت جبریل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام سفید کپڑے پہن کر انسانی شکل میں سونے کا ایک طشت برف سے بھرا ہوا لے کر آئے، اور آپ ﷺ کا مبارک سینہ چیر کر دل نکالا اور دل کو چیر کر اس میں سے ایک یا دو ٹکڑے خون کے جمے ہوئے نکالے اور کہا کہ: یہ شیطان کا حصہ ہے، پھر دل کو اس طشت میں رکھ کر برف سے دھویا، اس کے بعد دل کو اپنی جگہ رکھ کر سینہ پر ٹانکے لگائے اور دونوں شانوں کے درمیان ایک مہر لگا دی۔

یہ منظر دیکھ کر آپ ﷺ کا رضاعی بھائی گھبرا کر دوڑتا ہوا گھر گیا اور سارا واقعہ سنایا، یہ سنتے ہی حضرت حلیمہ اور ان کے شوہر حارث کے ہوش اڑ گئے اور وہ دوڑتے ہوئے جنگل پہنچے تو دیکھا کہ آپ ایک جگہ کھڑے ہیں اور چہرۂ انور کا رنگ بدل گیا ہے، دونوں نے فوراً آپ ﷺ کو سینہ سے لگا دیا، اور پھر آپ ﷺ کو آپ کی والدہ آمنہ کے پاس پہنچا دیا۔ (ملخص از سیرتِ مصطفیٰ)

شقِ صدر کا واقعہ کتنی مرتبہ پیش آیا؟

شقِ صدر کا واقعہ حضرت نبیٔ کریم ﷺ کو اپنی عمر چار مرتبہ پیش آیا:

① چار سال کی عمر میں جب آپ ﷺ حلیمہ سعدیہ کی پرورش میں تھے۔

② دس سال کی عمر میں پیش آیا۔

③ غارِ حراء میں نبی بنائے جانے کے وقت پیش آیا۔

④ سفرِ معراج کے موقع پر پیش آیا۔ (از سیرتِ مصطفیٰ)

شقِ صدر کی حکمت

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے تفسیرِ ''الم نشرح'' میں لکھا ہے کہ:

پہلی مرتبہ دل سے کھیل کود کی محبت کو نکالنے کے لیے سینہ چیرا گیا۔

دوسری بار اللہ کی مرضی کے خلاف متوقع جوانی کی رغبتوں کے تدارک کے لیے تھا۔

تیسری مرتبہ دل وحی برداشت کرنے کے قابل بنایا گیا۔

اور چوتھی مرتبہ اس لیے شقِ صدر کیا گیا؛ تاکہ عالمِ آخرت کو دیکھنے کی طاقت پیدا ہو جائے۔

الم نشرح لک صدرک کی قرآنی آیت ''شقِ صدر'' کے واقعات کی تصدیق کرتی ہے۔

خادمِ رسول حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ: میں بچپن میں سینۂ اقدس ﷺ پر زخم کی سلائی کے نشانات دیکھا کرتا تھا۔ (از سیرتِ احمدِ مجتبیٰ)

شقِ صدر والی جگہ اور ہرا بھرا درخت

دور دور تک پہاڑی علاقے میں نظر ڈالی تو کہیں کوئی خاص ہریالی نظر نہیں آئی، عرب میں جیسے سوکھے درخت ہوتے ہیں، کہیں کہیں ہرے پتے، اس درمیان قبیلۂ بنی سعد کے کچھ بچوں نے آکر دور ایک جگہ کی طرف اشارہ کر کے بتلایا کہ: یہ وہی مقدس جگہ ہے جہاں حضرت نبیٔ کریم ﷺ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا تھا اور وہاں ایک عجیب بات کہ جس جگہ شقِ صدر کا واقعہ پیش آیا تھا وہاں ایک ہرا بھرا چھوٹا درخت تھا، ان عرب کے بچوں نے بتلایا کہ: اس پورے علاقے میں کہیں آپ کو ایسا ہرا بھرا درخت نظر نہیں آئے گا اور یہ صرف اسی جگہ ہے۔

بہت ممکن ہے کہ شقِ صدر کے موقع پر جو متبرک پانی استعمال کیا گیا ہو اس کے کچھ چھینٹوں کے برکات ہو، کہ جہاں دور دور تک پانی کا چشمہ یا کنواں نہ ہو ایسی پتھریلی جگہ میں ایک ہرا بھرا درخت، یہ واقعی حضرت نبیٔ کریم ﷺ کی برکت کا ظہور ہے۔

ہم کافی دیر تک اس درخت کو اور شقِ صدر کی جگہ کو درود شریف کے وِرد کے ساتھ دیکھتے رہے۔ قبیلۂ بنو سعد ہی کے علاقے میں عصر کی نماز ادا کرنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ الحمدللہ! ان تمام مقامات کی زیارت نصیب ہوئی۔

اللہ تعالیٰ ہم تمام کو مکہ اور مدینہ کی بار بار زیارت نصیب فرمائیں، طائف کی زمین کی اور دنیا میں جہاں جہاں بھی حضرت نبیٔ کریم ﷺ کے مبارک قدم پڑے ہیں ان ساری سرزمینوں کی زیارت نصیب فرمائے اور انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح پوری زندگی دین کی محنت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

دیگر چند متفرق واقعات

دستر خوان بھی ایک ''خان'' ہے

ہمارے یہاں خان پٹھانوں کی شجاعت و بہادری اور ہمت کے قصے اور لطیفے مشہور ہیں۔

ملک و بیرونِ ملک میں دینی بھائیوں کا حال یہ ہے کہ وہ بزرگوں کو اپنے گھر، دکان اور آفس پر لے جانے کا اصرار کرتے ہیں؛ تاکہ بزرگوں کی دعا اور برکت مل جائے، اور پھل فروٹ، سوکھا میوہ، تلی ہوئی چیزیں اور مشروبات وغیرہ پیش کرتے ہیں، اور کچھ نہ کچھ کھانے پر اصرار ہوتا ہے۔

ایک جگہ کسی کی دل جوئی کے لیے جانا ہوا، انھوں نے دستر خوان تیار ہی رکھا تھا؛ حالاں کہ اسی وقت کھانا تناول کر کے نکلے تھے، ہمارے حضرت دامت برکاتہم نے لطیفے کے انداز میں فرمایا:

یہ بھی ایک خان (خوان) ہے، اس سے بھی نمٹنا ہے۔

ایک موقع پر دستر خوان پر آستین موڑتے ہوئے (تاکہ کھانا کپڑے پر لگ نہ جائے) ارشاد فرمایا: کھانا کھائیں کہ نہ کھائیں، آستین تو چڑھانی ہی پڑتی ہے۔

بعض حضرات کچھ کھلانے پلانے کے لیے زمزم اور کھجور کا مبارک عنوان اختیار کرتے ہیں؛ حالاں کہ اس طرح کے ناشتے وغیرہ سے بہت وقت ضائع ہوتا ہے، رہی بات دعا! تو بزرگوں کو درخواست کردی جائے، وہ دعا کرلیں گے، اور دعا کے برکات وثمرات دور سے بھی پہنچ جائیں گے، اور وقت بچنے کی برکت سے دوسرے دینی

کاموں کا موقع ملے گا جن سے امت کو زیادہ فائدہ پہنچے گا۔

بزرگوں کی راحت کا خیال رکھتے ہوئے دعا کروانے کے سلسلے میں ایک طریقہ

دمن میں ہمارے ایک بہت ہی تعلق والے حاجی نذیر صاحب ہیں، وہ پہلے کہاں اور کس حالت میں تھے اور اللہ والوں کی توجہات کی برکت سے کیسی زندگی بدل گئی!!

پہلے حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ سے، بعد میں دوسرے بہت سے اکابرین سے اور ماضی قریب میں ہمارے حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم سے اصلاحی تعلق رکھتے ہیں۔

بزرگوں کی دعوت کا بھی ان کو بڑا شوق رہتا ہے، جب بزرگانِ دین کی ان کے گھر پر آمد ہوتی ہے تو خود حاجی نذیر صاحب بزرگوں کی راحت کا بڑا خیال رکھتے ہیں اور دوسرے لوگ اپنے گھر اور دکان وغیرہ دعا کے لیے لے جانا چاہتے ہیں تو ان کی دل جوئی کا بھی خیال رکھتے ہیں، مثلاً:

(۱) کوئی صاحب آکر عرض کرنے لگے کہ: میرے گھر سنگِ بنیاد رکھنا ہے تو نذیر بھائی اپنے ہی گھر میں اس کی ملاقات بزرگ سے کرواتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ: حضرت! ان کے گھر کام شروع ہو رہا ہے اس کے لیے دعا فرما دیجیے، اور اس شخص کو کہتے ہیں کہ: ایک اینٹ لے آ! حضرت دم کر دیں گے، اس کو تعمیر میں رکھ دینا۔

(۲) کسی کا مکان مکمل ہو چکا ہے اور افتتاح باقی ہے یا کسی کی دکان کا معاملہ ہے تو اپنے گھر ہی سے ان کے لیے اہتمام سے دعا کرواتے ہیں اور اس بھائی سے کہتے

ہیں کہ: پانی کی ایک بوتل لے آؤ! حضرت دم کردیں گے، اس کو گھر اور دکان کی دیواروں پر چھڑک دینا۔

دینی نسبتوں کا لحاظ

ہم نے ہمارے بزرگوں میں حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ اور دوسرے بعض اکابر کو دیکھا کہ اگر کوئی صاحب مسجد، مدرسہ یا دیگر دینی کاموں کے خصوصی معاون ہیں تو اس دینی تعاون کی رعایت اور لحاظ کرتے ہوئے تکلیف اٹھا کر بھی ان کے گھر یا دکان پر جاتے ہیں۔

برطانیہ کے ایک مصروف ترین سفر کے موقع پر ایک شہر میں بارڈولی کے ایک معزز صاحب کے یہاں ان کی درخواست پر میں نے ہمارے حضرت سے سفارش کی جرأت کرلی کہ: پانچ دس منٹ کے لیے ان کے یہاں حاضری کا موقع عنایت فرمادیں۔

ان کے یہاں پہنچے تو انھوں نے حسبِ معمول کئی چیزیں دسترخوان پر رکھ دی۔

میں نے ان کا تعارف کروانا شروع کیا، اپنی رشتے داری، اپنا ہم وطن ہونا اور کسی کمیٹی کے ذمے دار ہونا یہ سب میں نے بتلایا، تعارف مکمل کرتے ہوئے میں نے یہ عرض کیا کہ: یہ ہمارے مدرسہ دارالاحسان بارڈولی کے خصوصی معاون ہیں، خود بھی تعاون کرتے ہیں اور دوسروں سے بھی تعاون کرواتے ہیں۔

اس پر میرے دونوں بزرگوں نے یعنی حضرت اقدس مفتی احمد صاحب اور حضرت مولانا ابراہیم صاحب دامت برکاتہم نے انشراح اور خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ان مشغول ترین اوقات میں سے ان کے یہاں لانے کی اصل اور صحیح ترین وجہ تو اب تم نے بتلائی۔

جو حرام سے بچنے کا اہتمام کرتا ہے اللہ اس کے لیے بچنا آسان فرما دیتے ہیں

ہمارے حضرت دامت برکاتہم کا عجیب واقعہ

ابھی ۲۰۱۸ دسمبر کے مہینے میں وین کور(Van Couver)(کینیڈا) سے واپسی ہو رہی تھی، ہمارے ٹکٹ میں کھانے کے سلسلے میں پہلے سے صرف خالص سبزی (Pure Veg) لکھا دیا گیا تھا، ہوائی جہاز میں جو خدمت کرنے والا عملہ تھا وہ برابر مختلف قسم کی چیزیں لا لاکر پیش کر رہا تھا۔

وین کور سے فرانک فرٹ(Franc Fort)(جرمنی) کی تقریباً دس گھنٹے کی (Air Luf Thansa) سے پرواز تھی، کھانے جس انداز سے آرہے تھے وہ حضرت کی طبیعت کے مناسب نہیں تھے، تو ہوائی جہاز کی خادمہ کو کہا گیا کہ: آملیٹ ہے؟ اس نے کہا کہ: جی! ہے۔ وہ حضرت مدظلہ کو چل جائے ایسا کھانا تھا۔

اس کو کہا گیا کہ: ایک آملیٹ لے آؤ۔

ان کی امانت داری دیکھو کہ اس نے دکھلاتے ہوئے کہا کہ: یہ آملیٹ آپ کے مناسب نہیں ہے؛ اس لیے کہ اس میں ہوٹ ڈوگ(Hot Dog) بھی رکھے ہوئے ہیں، جو گوشت سے بنے ہوئے ہیں، اور جس کمپنی سے وہ لوگ کھانا لیتے ہیں وہ آملیٹ اور ہوک ڈوگ ایک ڈیش میں ساتھ رکھ کر دیتے ہیں۔

حالاں کہ ہم کو نظر نہ آئے اس طرح وہ ہوٹ ڈوگ کو الگ کر کے صرف آملیٹ

بھی دے سکتی تھی، اور وہ اپنے طور پر الگ کر کے لاتی تو ہم کو پتہ بھی نہ چلتا۔

ہمیں اس کی اس امانت داری پر بڑا تعجب ہوا، اور بڑی خوشی ہوئی۔

صحیح بات ہے کہ اگر انسان نامناسب اور حرام غذا اور مشروبات سے بچنے کا اہتمام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے بچنا آسان فرما دیتے ہیں۔

دوسرا واقعہ

اسی سفر میں پہلے ہم بمبئی سے بار باڈوس گئے، Virgin Atlantic ایئر لائن سے لندن سے سفر ہو رہا تھا، حضرت کے ضعف، کمزوری اور بیماری کی وجہ سے اطلاع کے بغیر بار باڈوس کے میزبان مولانا جنید صاحب بھانا نے حضرت کا ٹکٹ بزنس کلاس (Businesss Class) میں بک کروایا تھا، ہم سب پیچھے کی طرف سیٹ پر تھے۔

ایسے بھی حضرت کی غذا کم اور دورانِ سفر تو اور کم ہو جاتی ہے، حضرت کچھ کھا پی نہیں رہے تھے، تو ہوائی جہاز کے عملے کا معاملہ دیکھو! کہ وہ بہت متفکر ہوئے کہ یہ بوڑھے آدمی ہے اور کچھ کھا پی نہیں رہے ہیں۔

جب مسئلہ زبان کا آیا تو ایک خادمہ میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ: وہ آپ کے ابا کچھ کھاتے پیتے نہیں، میرے ساتھ چلو اور ان کو سمجھاؤ، اور پھلوں کی پوری ٹوکری، مختلف قسم کے چاکلیٹ کی پوری ٹرے، الگ الگ قسم کے بسکٹ، ویفر اور مختلف انداز کے کھانے اس نے تین چار مرتبہ مجھے پیش کیے کہ ان کو ضرور کچھ نہ کچھ کھلاؤ۔

میں نے حضرت سے درخواست کی کہ: ان کی فکر دور کرنے کے لیے ایک دو

معمولی چیزیں لے لیں، حضرت کو بھی ان کی اس مسلسل فکر اور جذبۂ خدمت سے بڑی خوشی ہوئی کہ وہ اپنے ہوائی جہاز میں سفر کرنے والوں کا اس قدر خیال رکھتے ہیں۔

ایک مرتبہ اس نے مجھے آکر کہا: آٹھ گھنٹے کا لمبا سفر ان کا کیسے گزرے گا؟ سیٹ پر لگی ہوئی اسکرین پر وہ جو چاہیں وہ پروگرام ان کو چالو کردو۔

اس کے اس اصرار پر میں نے ہوائی جہاز کے راستے کو بتلانے والا جو پروگرام ہوتا ہے وہ شروع کردیا۔اور اس کو بتلایا گیا کہ یہ ہمارے مذہبی بڑے رہنما ہیں۔

اور دورانِ سفر تو حضرت کے ہاتھ میں تسبیح اور موبائل میں تلاوت و معمولات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

گورے لوگوں میں ہمدردی

اسی سفر میں جب ہم ٹورنٹو سے وین کور (Van Couver) جارہے تھے، کافی شدید سردی تھی، برف باری ہورہی تھی؛ اس لیے کئی کپڑے سردی کے پہنے ہوئے تھے، جب ہوائی اڈے پر اترے تو شال کا ایک کنارہ زمین پر لگ رہا تھا، اور کئی کپڑے ہونے کی وجہ سے ہمیں اس کا احساس نہیں تھا۔

ایک انگریز خاتون جو برابر میں چل رہی تھی اس نے یہ توجہ دلائی کہ آپ کا یہ کپڑا زمین پر لگ رہا ہے۔ہم نے اس کا شکریہ ادا کیا۔

گورے لوگوں کے عوام میں ایک بہت بڑا طبقہ ایسا ہے جو انسانی ہم دردی، خیر خواہی اور جذبۂ خدمت رکھتا ہے، اور اس کے نمونے اس طرح دیکھنے کو ملتے ہیں، اللہ تعالیٰ سب کو شرعِ محمدی پر ایمان کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

مؤلف کی دیگر تالیفات

نمبر شمار	اسمائے کتب	لغت
۱	عرفات کی دعائیں اور اعمال	گجراتی
۲	ظہورِ مہدی	اردو، گجراتی، ہندی، انگریزی
۳	ہر مسلمان مرد و عورت کے لیے ضروری مسنون دعائیں	گجراتی
۴	خاص خاص فضیلتوں والی مسنون دعائیں	اردو، گجراتی، ہندی، انگریزی
۵	مختصر سیرتِ نبوی ﷺ پہلا حصہ (اسٹوڈنٹس کے لیے)	گجراتی
۶	ہندستان کی جنگ آزادی اور جمعیتِ علمائے ہند (زیرِ طبع)	گجراتی
۷	احمدیہ قادیانی جماعت کا تعارف	گجراتی
۸	ترتیبِ مبادیاتِ حدیث	اردو
۹	ماہِ رمضان کو وصول کرنے کا جامع مختصر نسخہ	گجراتی
۱۰	عیدالاضحیٰ مسائل وفضائل (پمفلٹ)	گجراتی
۱۱	مرزا غلام احمد قادیانی کی شخصیت کا تعارف	گجراتی
۱۲	مرزا غلام احمد قادیانی کے متضاد دعوے	گجراتی
۱۳	قادیانی غیر مسلم (دیوبندی، بریلوی، غیر مقلد اور جماعتِ اسلامی کے علما کے فتاوی)	گجراتی
۱۴	ختمِ نبوت، قرآن وحدیث کی روشنی میں	گجراتی

۱۵	دیکھی ہوئی دنیا: اول، دوم، سوم، چہارم	اردو، گجراتی
۱۶	خطباتِ محمود (اول تا نہم۔ا سے ۹)	اردو
۱۷	دینی بیانات (اول تا ہشتم۔ا سے ۸)	گجراتی
۱۸	تیسیر القرآن یعنی آسان ترجمۂ قرآن (دو جلد)	اردو، گجراتی
۱۹	قادیانیت کا تعارف	اردو
۲۰	قرآن میں آئے ہوئے خواتین کے واقعات (تین جلد)	اردو
۲۱	مسنون وظائف	اردو، گجراتی، انگریزی
۲۲	منتخب مسنون دعائیں	اردو
۲۳	بیعت	اردو، گجراتی
۲۴	آسان حج	گجراتی
۲۵	اسلام کا امن اور شانتی کا پیغام	گجراتی، ہندی
۲۶	حج کے پانچ ایام	گجراتی
۲۷	بمبئی سے مکہ مکرمہ	گجراتی
۲۸	زیارتِ مدینہ منورہ	گجراتی
۲۹	مختصر عرفات کے اعمال اور دعائیں	اردو
۳۰	مکتب کے بچوں کے لیے منتخب مسنون دعائیں	اردو، گجراتی، ہندی
۳۱	تذکرۂ قاریانِ بارڈولی	اردو
۳۲	فیضِ سلیمانی (سوانح والد ماجدؒ)	اردو، گجراتی
۳۳	حضرت شیخ الہندؒ اور ریشمی رومال	گجراتی
۳۴	مسلمانوں کا خزانہ	گجراتی

البانیا کی مختصر کارگزاری

از: مولانا نذیر صاحب موسالی

نوٹ

کتاب پریس میں پہنچ کر چھپ چکی تھی ،صرف بائڈ نگ کا کام باقی تھا اور حضرت مولانا حنیف صاحب کا پیغام آیا کہ حضرت مولانا مفتی محمد علی فلاحی کا ایک خط اور مولانا نذیر صاحب موسالی کا ایک مضمون جس میں البانیا کے مختصر حالات اور تنظیم مسلم ویلفیئر کے کاموں کی تفصیل مذکور ہے،اس کو بھی شامل کرلیا جائے ، چنانچہ ان کے حکم کی وجہ سے یہ شکریہ کا خط اور یہ مختصر کارگزاری بعینہ اخیر میں شامل کرلی گئی۔

❀❀❀

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اپنی بات

ولادت موسالی میں ہوئی اور والدین کا اصلی گاؤں ہتھوڑا ضلع سورت گجرات ہے، ابتدائی مکتب اور حفظ کی تعلیم ہتھوڑا میں ہوئی، مولانا علی حسینؒ کے پاس آخر سے ۳ پارے حفظ کئے اور پھر ۱۲ سال کی عمر میں حفظ کے لیے مفتاح العلوم تراج کا رخ کیا، وہاں مولانا عبدالرشید آنکروڈیؒ کے پاس حفظ مکمل کیا۔ پھر اردو سے عربی دوم تک جامعہ حقانیہ کٹھور میں تعلیم حاصل کی، یہاں استاذِ محترم مفتی محمد علی فلاحی بمبوی (مقیم برطانیہ) اور مفتی یحییٰ کڑی (احمد آباد دارالعلوم الفضل) کی خصوصی توجہات حاصل رہی، پھر عربی سوم سے دورۂ حدیث شریف تک مادرِ علمی دارالعلوم فلاحِ دارین کی آغوش میں پناہ لی۔ فلاحِ دارین میں مفتی احمد علی فلاحی بمبوی (شیخ الحدیث موٹی نرولی) قاری المقری محمد صدیق سانسرودی، مولانا یوسف ٹنکاروی اور شیخ ذوالفقار نرویؒ کی خصوصی توجہات رہی۔

۱۹۹۶ء کے اواخر میں دعوت الی اللہ کا وہ ذوق وشوق اور جذبہ پیدا ہوا کہ اس کا عشرِ عشیر بھی اب اپنے اندر نہیں پاتا، اساتذۂ کرام اور شیخ مولانا منیر بمبوی اور پیرِ طریقت مفسرِ قرآن شیخ قمر الزماں الہٰ آبادی کی دعاؤں کی برکت سے برادرانِ وطن میں دعوت کے کام کا آغاز کیا اور دو سال سے بھی کم عرصہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے پچاس سے زائد افراد کو شرک وکفر کی تاریکی سے اسلام کی روشنی میں داخل ہونے کا سبب بنایا۔ تمام تعریفیں صرف اور صرف اللہ رب العزت کے لیے ہیں، اسی شوق اور جذبہ

کے تحت دورۂ حدیث کی تکمیل ہوئی اور رمضان کے بعد استاذِ محترم قاری محمد صدیق سانسرودی کی ترغیب پر جامعہ فیضان القرآن کی جانب بطور مدرس روانہ ہوا۔ ابھی تو تدریسی خدمت کے چند ماہ ہی گزرے تھے کہ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ، اپریل ۲۰۰۰ء میں دارالعلوم فلاح دارین سے استاذِ محترم مفتی محمد علی فلاحی کا پیغام آیا کہ ہم برطانیہ بلیک برن کی ایک تنظیم مسلم ویلفیر سے آپ کے سلسلہ میں بات کی ہے۔ یہ حضرات آپ کو ملک ''البانیا'' لے جائیں گے جہاں آپ کو ایسے لوگوں میں دعوت الی اللہ کا کام کرنا ہے جن کے آباء واجداد مسلمان تھے اور کمیونزم کے جبر واکراہ کی وجہ سے موجودہ نسل مرتد ہوچکی ہے، پھر مولانا رفیق صوفی برطانیہ سے جامعہ فیضان القرآن آئے اور انھوں نے ہمارے اساتذۂ کرام کے واسطے سے راقم الحروف کو البانیا لے جانے کی درخواست مولانا حبیب صاحب کے سامنے پیش کی، مولانا حبیب صاحب نے اس وقت جو کلمات کہے وہ آج تک میرے کانوں میں گونج رہے ہیں: ''مولانا! ہمیں آپ کی یہاں ضرورت ہے؛ لیکن آپ کے اساتذہ نے اگر آپ کو البانیا بھیجنے کا ارادہ کیا ہے تو یقیناً وہاں زیادہ ضرورت ہوگی اور ہم تو اللہ رب العزت کے دین کے خادم ہیں، آپ ضرور جائیں اور جامعہ فیضان القرآن کے دروازے آپ کے لیے ہمیشہ کھلے ہیں''۔

رجب ۱۴۲۱ھ۔ ۱۲/اکتوبر ۲۰۰۰ء کو البانیا کے لیے مولانا مقصود دہگامی کے ساتھ روانگی ہوئی اور ۱۳/اکتوبر بروز جمعہ ہم البانیا پہنچ گئے۔ اس کے بعد سے اکتوبر ۲۰۱۵ء کے اواخر تک مسلم ویلفیر کے ساتھ سرزمینِ البانیا میں اعلائے کلمۃ اللہ کا موقع اللہ رب العزت نے عطا فرمایا۔ آئندہ صفحات میں اسی کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

البانیا کی مختصر کارگزاری

ملک البانیا مشرقی یورپ کے ان جزیرہ نماؤں کا ایک حصہ ہے جنھیں بلقان جاتا ہے۔ بلقان ترکی زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں اور چونکہ یہ پورا خطہ اونچے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے؛ اس لیے خلافتِ عثمانیہ کے دور میں اس کا نام بلقان رکھ دیا گیا۔ یہ علاقہ کئی ملکوں پر مشتمل ہے جن میں البانیا کے علاوہ مقدونیا، بلغاریا، رومانیا، سربیا اور بوسنیا قابلِ ذکر ہے۔ جبلِ اسود (MONTINIGRO)، کوسوۂ (KOSOVO) MACEDONIA، اور GREECEE کی حدود البانیا سے خشکی کے راستہ سے ملی ہوئی ہے اور یہاں کے باشندے ان ملکوں میں بلا رکاوٹ آجاسکتے ہیں۔

البانیا کی کل آبادی 35 لاکھ ہے، یہ بحر متوسط کی ایک شاخ بحیرۂ ادریاٹک {ADRIATIC SEA} کے کنارے پر واقع ہے، اس کا کل رقبہ 28748 کلو میٹر ہے، اس کا طول شمال سے جنوب تک 340 کلومیٹر اور عرض مشرق سے مغرب تک صرف 153 کلومیٹر ہے، اس کی حدود شمالِ مشرق میں مقدونیا اور کوسوۂ سے جنوب مشرق میں یونان {GREECE} سے اور مغرب میں بحیرۂ ادریاٹک ہے جس کے دوسرے کنارے اٹلی {ITALY} ہے۔

ملک کی 79 فیصد آبادی سن 2010 کی مردم شماری کے مطابق الحمد للہ! اقراری مسلم ہے (اللہ رب العزت ان کو اور پورے ملک کو حقیقی معنوں میں مسلمان بنادے آمین) جبکہ دیگر نصاریٰ ہیں۔

ملک کی 76 فیصد زمین سبز پوش پہاڑیوں پر مشتمل ہے جن میں اکثر پہاڑیوں

پرانجیر، زیتون، سیب اور CHERRY کے درخت ہے۔ غلے میں گیہوں اور مکئی کی پیداوار ہے اور مشہور سبزیاں بھی ہوتی ہیں۔ یہاں کا موسم چھ ماہ گرم اور چھ ماہ ٹھنڈا ہے۔ مئی سے اکتوبر تک گرمی اور نومبر سے اپریل کے اخیر تک شدید سردی ہوتی ہے۔ گرمی زیادہ سے زیادہ 41 ڈگری اور ٹھنڈی MINUS12 تک ہوتی ہے، اکثر علاقوں میں شدید برف باری ہوتی ہے۔

یہاں بسنے والی قوم سفید و سرخ ہے اور ILIRYAN قوم کہلاتی ہیں اور ایک ہزار قبل مسیح سے یہاں آباد ہے۔ اس وقت یہاں مختلف بادشاہوں کی حکومت تھی اور کئی سالوں تک سلطنت روما کا ان پر تسلط رہا، یہی وجہ ہے کہ ان کا رشتہ اسلام سے قبل نصرانیت سے تھا، یہ الیرین قوم آج تقریباً ایک کروڑ ہیں اور سب البانیا ہی میں رہتے تھے؛ لیکن خلافتِ عثمانیہ کے ٹوٹنے کے بعد انگریز نے ان کو چار حصوں میں بانٹ دیا۔

(۱) ایک حصے پر GREECE نے قبضہ کرلیا جہاں ابھی 5 لاکھ کی آبادی ہے، ان پر عیسائیوں کی مسلسل محنت کے باوجود وہ اعترافاً مسلمان ہیں؛ لیکن اسلام سے بالکل ناواقف ہیں۔ یہاں تک کہ شہادتین بھی نہیں جانتے۔

(۲) ایک حصہ مقدونیا کو دے دیا جہاں 10 لاکھ البانین ہیں، یہ سب بھی اعترافاً مسلمان ہیں اور اب الحمدللہ! دعوت وتبلیغ کی برکت سے کافی لوگ دین کی جانب مائل ہو رہے ہیں اور الحمدللہ ان کا رابطہ اور دینی تعلیم کا تعلق ہمارے ساتھ بھی ہے۔

اب تک پچاس سے زائد افراد چلہ اور تیس افراد چار ماہ لگا چکے ہیں۔ الحمدللہ!

(۳) موجودہ نو آزاد ملک KOSOVO ہے جس کی آبادی 20 لاکھ ہے،

ان میں 18 لاکھ اقراری مسلم ہے، ان کی حالت بھی البانین مسلمانوں سے مختلف نہیں، یہاں بھی دعوت کا کام جاری ہے اوران دونوں ملکوں میں اگر قانونی رکاوٹیں دور ہوجاتے توان شاءاللہ! وہاں سے طلبہ ہمارے پاس آسکیں گے۔

(۴) موجودہ البانیا ہے۔

البانیا میں اسلام کی آمد

سلطنتِ عثمانیہ کے حملے سے کئی صدیوں قبل ہی یہاں اسلام کی کرنیں پہنچ چکی تھیں؛ چنانچہ 292ھ (904ء) میں مسلمانوں کے ایک دستے نے قسطنطنیہ کی جانب پیش قدمی کے لیے جد وجہد کی تھی اس وقت SALONIKA شہر (جو ابھی GREECE کے قبضہ میں ہے) کے ایک سرکردہ شخص {LIVY} لیوی طرابلوسی مشرف بہ اسلام ہونے اور پھر لشکرِ اسلام کے بحری بیڑے کے قائد مقرر ہوئے۔

اسی طرح سلطنتِ عثمانیہ کے حملے کے 18 سال قبل یہاں SPAIN سے مسلمان تاجروں کی آمدورفت رہی تھی جن کے دستِ راست پر کئی خاندان و افراد مشرف بہ اسلام ہوچکے تھے؛ چنانچہ BERAT شہر کی موجودہ مسجد اسی دور کی تعمیر ہے، اس کا سنِ تاسیس 1492ء ہے، نیز 1385ء میں سلطان مراد اول کے دور میں سربیا پر حملہ ہوا اور 1389ء میں موجودہ KOSOVO مکمل فتح ہوگیا، اس موقع پر اس قوم نے مسلمانوں کو قریب سے دیکھا، اس سے قبل یہ قوم یوروپین فاتحین کا غیر مساویانہ اور بے رحمانہ سلوک دیکھ چکی تھی، اس کے برعکس جب انہوں نے مسلمان فاتحین کے حسنِ اخلاق، صفاتِ حمیدہ، عدل وانصاف، عفت و پاکدامنی اور معاملات کی صفائی

دیکھی تو یہ لوگ ان کے گرویدہ ہوگئے اور بہت جلد ملک کی اکثریت مشرف بہ اسلام ہوگئی اور پھر ان کا اسلام پختہ ہوگیا اور اس کی جڑیں یہاں مضبوط ہوگئیں اور اس کی شاخیں ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گئیں، پھر اسلام یہاں ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر گیا جس کے نتیجے میں ملک کے قریہ قریہ، دیہات وشہر میں مساجد ومدارس تعمیر ہو کر آباد ہونے لگے اور ان کی تعداد 1939ء کے ریکارڈ کے مطابق پورے ملک میں 1667 مساجد تھی اور اسی طرح 12 دار العلوم تھے۔

لیکن جب کمیونزم کی لعنت اس ملک کی مقدر میں آئی تو دار العلوم تو سبھی بند کر دئے گئے تھے اور مساجد میں سے صرف 50 مساجد کو بطور آثارِ قدیمہ باقی رکھا گیا، باقی سب کو یا تو سرکاری دفاتر میں تبدیل کر دیا یا سینما گھر بنا دیا گیا یا منہدم کر دیا گیا، اب ان میں سے بعض کو دوبارہ ان کی اصلی حالت پر لوٹانے کی سعادت اللہ رب العزت نے الحمد للہ! ہمیں بھی نصیب فرمائی۔

اس وقت پورے ملک کی (موجودہ) آبادی 10 لاکھ تھی، جبکہ مقدونیا، کوسوؤ اور GREECE کے حصے کو ملا کر مساجد کی تعداد تقریباً 5 ہزار تھی اور مسلمان کا تناسب 79 فیصد تھا؛ لیکن 1913 میں جب خلافتِ عثمانیہ کا شیرازہ بکھر گیا اور مسلم ممالک کو اس سے الگ کر دیا تو البانیا بھی مستقل ملک ہوگیا، اس موقع پر اطراف کے عیسائی ملکوں نے اس کے اکثر حصے کو آپس میں تقسیم کر لیا جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے؛ چونکہ وسطِ یورپ میں یہ تنہا مسلمان ملک تھا؛ اس لیے اطراف کے عیسائی ملکوں نے یہاں لادینیت پھیلانے کے لیے ہر طرح کی کوشش کی جس کے نتیجے میں مساجد سے نمازی

دور ہونے لگے، عورتوں سے حجاب نکلنے لگا اور مئے خانے محلے محلے آباد ہونے لگے۔

پھر دوسری جنگِ عظیم کے بعد ان پر ایک ایسا فرد حاکم بنایا گیا جس کی تربیت فرانس اور یوگوسلاویہ میں ہوئی تھی، یہ شخص جس کا نام ''انور ہوجا'' تھا یہ نہ صرف مسلمان گھرانے سے تعلق رکھتا تھا؛ بلکہ اس کے والد عالمِ دین اور شہر کی بڑی مسجد کے امام تھے؛ لیکن یوگوسلاویہ کی تعلیم کے دوران یہ شخص ذہنی ارتداد کا شکار ہوگیا اور نہ صرف متاعِ ایمان گنواں بیٹھا؛ بلکہ خالقِ ارض و سما کے وجود کا منکر ہو گیا؛ چنانچہ نظامِ حکومت سنبھالتے ہی اس نے اپنے مقاصد کو عملی جامہ پہنانا شروع کیا اور ایک دن وہ بھی آیا کہ اس نے اپنے والد کے ہاتھ سے قرآن کریم چھین لیا اور مسجد کی چابی بھی لے لی اور کہا کہ: یہ 1300 سالہ قدیم طرزِ زندگی ہے جو اَن پڑھ عرب کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا ہے، اب ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے العیاذ باللہ!۔ پھر زرخرید ائمہ اور علمائے سوء کا جال پھیلا کر لوگوں کے ایمان کو کریدنا شروع کیا، جس کے نتیجے میں 1955 تک ملک کی یہ حالت ہوگئی کہ مساجد وکنائس خالی اور ویران ہوگئے اور لوگوں کی اکثریت ملحد ہوگئی اور یہ نتیجہ تھا فرانس اور یوگوسلاویہ کی تعلیم وتربیت کا۔

یہ معاملہ تو اہلِ علم اور متشرع لوگوں کے ساتھ تھا، جہاں تک عوام الناس اور مادہ پرست لوگوں کا تعلق ہے تو انہیں یہ باور کرایا گیا کہ پوری دنیا غربت وافلاس کے تحت زندگی گزار رہی ہے اور ہم سب سے زیادہ خوش حال ہیں، اس بنا پر دنیا ہماری طرف لالچ بھری نگاہوں سے دیکھ رہی ہے اور ہم سے ہماری خوش حالی چھین لینے کے لیے کسی بھی وقت ہم پر حملہ کرسکتی ہے؛ چنانچہ اس ڈر کی وجہ سے پورے ملک میں راستے

بل کھاتے ہوئے بنائے اور کوشش کی گئی کہ ہر راستہ پہاڑی کے دامن سے ملا ہوا ہو اور راستہ کے بالمقابل یا اس کے اوپر ٹیلوں اور پہاڑوں پر تہہ خانے اور بنکر بنائے گئے۔

یہ بنکر (BUNKER) اتنی بڑی تعداد میں بنائے گئے ہیں کہ وقت آنے پر پورا ملک ان میں چھپ کر دشمن کا مقابلہ کر سکے، ایک اندازے کے مطابق پورے ملک میں ان بنکروں کی تعداد 5 لاکھ ہے، اس میں چھوٹے بنکر میں کم از کم دو فرد اور بڑے میں دس افراد چھپ سکتے ہیں۔ اب کمیونزم موت کی نیند سو جانے کے بعد یہ بنکر ویران پڑے ہیں، ان بنکروں پر اتنی بڑی رقم خرچ کی گئی کہ کہا جاتا ہے کہ: ایک بنکر پر ایک اچھا خاصا مضبوط اور شاندار محل بن جائے اتنا لوہا اور سیمنٹ خرچ کیا گیا۔

اور 1961 میں حکومتی سطح پر یہ کوشش شروع ہوگئی کہ قانوناً کسی بھی دین پر برملا اظہار (چاہے وہ دینی شعائر ہو یا آداب جیسے اذان ونماز باجماعت، جمعہ، نمازِ جنازہ وعیدین، اسی طرح سلام کرنا، چھینک کا جواب دینا وغیرہ) کو جرم قرار دینے کی آواز بلند ہونے لگی اور عوام میں اس کی تائید کے لیے پروپیگنڈا کیا گیا، بالاخر عوام اور زرخرید علماء کے ذریعہ 1967 میں اعلامیہ جاری ہوا جس کا ترجمہ پیشِ خدمت ہے۔

حکم نامہ تمام مسلمان اداروں کے لیے

TIRANA-18-2-1967

مسلمانوں کی قانونی شوریٰ اپنے ایمرجنسی اجلاس میں غور وفکر کے بعد ان نتائج پر پہنچی ہے کہ:

(۱) ائمہ اور دینی پیشواؤں کا مخصوص دینی لباس نکال دیا جائے ''لازیّ فی

الاسلام ''بطورِ استشہاد یہ عبارت پیش کی ہے۔

(۲) تمام عبادت گاہیں عوام الناس کی ملک ہیں؛ لہذا وہ حسبِ ضرورت کسی بھی کام میں استعمال کر سکتے ہیں۔

(۳) مساجد صرف جمعہ اور حکومتی تہواروں کے دن کھولی جائیں۔

(۴) تمام دینی اعمال ممنوع قرار دیے جا رہے ہیں، چاہے وہ اجتماعی ہوں یا انفرادی۔ مسجد میں ادا کیے جاتے ہوں یا گھر میں، جیسے مولود پڑھنا، ختمِ قرآن، دینی وعظ ونصیحت یا قبرستان میں دعا کرنا یا کسی بیمار کو پڑھ کر پھونکنا۔

(۵) اذانِ جمعہ مینار سے دینا ممنوع قرار دیا جا رہا ہے (پنجوقتہ اذان 1961 سے ہی ممنوع تھی) یہ حکم بروقت نافذ کیا جا رہا ہے۔

رئیس العلماء والمفتین حافظ حاجی سلیمان مورتائی

حکم نامہ کا عکس

اِس حکم نامہ سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ صورتِ حال کتنی بدتر ہو چکی تھی، اس حکم نامے سے قبل ہی اکثر مساجد اور مقبرے حکومت نے اپنی تحویل میں لیکر ان کو اپنے دفاتر کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔

1967 میں اس اعلان کے جاری ہونے کے وقت اسلام اور مسلمانوں کی آواز اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ چند مساجد جواب تک تھیں ان میں صرف اذانِ جمعہ ہوتی تھی اور نماز جو صرف فرداً فرداً پڑھی جاتی تھی اس اعلان کے بعد یہ حق بھی چھین لیا گیا۔ غلطی سے کسی نے سلام کر دیا، یا چھینک آنے پر الحمد للہ کہہ دیا تو ایسے افراد کو سالہا سال قید میں ڈال دیا گیا۔ ملک میں ہر گھر میں ایک شخص دوسرے سے خائف تھا؛ کیونکہ ہر شخص جاسوسی کرتا تھا، حتی کہ میاں بیوی بھی ایک دوسرے سے مطمئن نہیں تھے۔ یہاں پر میں حافظ آفندی دیلیؒ کے وہ الفاظ نقل کرتا ہوں جو انھوں نے مسجد کی چابی چھینے جانے پر کہے تھے:

''وہ بہت مشکل وقت تھا جب حکومت کا نمائندہ میرے پاس آیا اور مسجد کی چابی میرے ہاتھ سے چھین لی، مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے سر پر کسی نے ہتھوڑا مار دیا ہو اور مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا ہو؛ بلکہ میں نے محسوس کیا کہ اب میری موت ہو چکی ہے، اور اب مزید زندہ رہنے کی کوئی تمنا نہیں ہے''۔

رمضان میں سحری کے اوقات میں پولس محلوں میں چکر لگا کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتی کہ کس گھر میں روشنی ہے؟ پھر صبح میں اس گھر کے افراد کو لوگوں کے درمیان جمع کر کے ان کا مذاق اڑایا جاتا، قدامت پرستی کا طعنہ دیا جاتا اور پھر خنزیر کے گوشت

سے روزہ توڑنے پر مجبور کیا جاتا، العیاذ باللہ!۔

جمیع ممنوع ماکولات ومشروبات کو حلال قرار دیا گیا کہ مذہب لوگوں میں تفریق پیدا کرتا ہے؛ اس لیے ہم نہ مسلم ہیں نہ عیسائی، ہم البانین ہیں، ہمارے جذبات ومفادات صرف ہمارے وطن سے وابستہ ہیں، ملک ہمارا مخدوم اور ہم اس کے خادم ہیں۔

اس نظریہ کی پاداش میں آج جبکہ کمیونزم ختم ہوگیا ہے اور لوگ اسلام کی طرف مائل ہورہے ہیں 50 سال سے بڑی عمر کے جو لوگ ہیں ان میں تقریباً 30 فیصد عیسائی لڑکیاں مسلمان گھرانوں میں اور اتنی ہی مسلمان لڑکیاں ان کے گھرانوں میں ہیں اور اب جبکہ لوگ دعوت الی اللہ کے نتیجے میں مشرف بہ اسلام ہورہے ہیں تو یہ ایک حل طلب مسئلہ ہے کہ اگر عورت مسلمان ہوجائے لیکن شوہر مسلمان نہ ہو اور اپنے آبائی دین (عیسائیت) پر باقی رہے تو کیا کریں؟ یہ لوگ سالہا سال ساتھ گزار چکے ہیں، ان کی اولاد بڑی ہوچکی ہے اور مسئلہ صرف ایک گھر کا نہیں؛ بلکہ ہر اس گھر کا ہے جس میں کوئی فرد مشرف بہ اسلام ہو اور حکومتِ وقت اس طرح کی نزاکتوں سے واقف نہیں ہے۔

ظلم وستم کی یہ داستان بہت طویل اور نہایت دردناک ہے، آج بھی ایسے بے شمار معمر حضرات موجود ہیں جن کے ساتھ یہ حالات پیش آئے، یہاں دو، تین واقعات نقل کرتا ہوں:

(۱) مفتی حافظ صبری کوچیؒ

یہ وہ صاحبِ عزیمت واستقامت شخصیت ہے جس نے مکمل 20 سال 4 ماہ

اور 8دن سلاخوں کے پیچھے صرف اس لیے گزارے کہ وہ لا الہ اللہ کا قائل تھا۔ 4جون1966 کو جب انہیں بیڑیاں پہنائی گئیں تو ان کی عمر 46سال تھی اور 22اکتوبر 1986 کو جب زندان سے رہا کیے گئے تو ان کی عمر 65سال تھی۔آپ جسمانی طور پر بوڑھے؛لیکن روحانی اعتبار سے جوان ہوکر آئے تھے۔زوجہ بوڑھی ہوچکی تھیں اور بچے باپ بن چکے تھے۔قید خانہ میں موت کے علاوہ کوئی ظلم ایسا نہیں تھا جو ان پر نہ ڈھایا گیا ہو،نماز،روزہ پر شدید پابندی اور کڑی نظر ہونے کے باوجود آپ کی نہ کوئی نماز قضا ہوئی اور نہ روزہ؛حالانکہ نماز کی ادائیگی کا پتہ چلنے پر سخت سزا دی جاتی تھی۔

1986 میں آزاد ہوتے ہی آپ نے خاموشی کے ساتھ کمیونزم کے خاتمہ کے لیے جدوجہد شروع کی،چنانچہ مزید ساڑھے تین سال کی جدوجہد کے بعد 16نومبر 1990 کو وہ دن آہی گیا جس کے لیے سینکڑوں علما اور عوام کو تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا تھا اور اللہ رب العزت کا یہ اعلان:

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۝۸(الصف)(یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھادیں اور اللہ اپنے نور کو پورا پھیلائے گا خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو)ملحدین کے لیے شکست کا باعث بنا۔

جمعہ کا دن تھا،حافظ صبری صاحبؒ نے SHKODER شہر کی 300سالہ قدیم مسجد PELLUMBET میں صدائے اللہ اکبر بلند کی،23سال بعد پہلا موقع تھا جب اس ملک میں کھلے عام اذان ہوئی،لوگوں نے اذانِ جمعہ سنی تو ان کی

حیرت کی انتہا نہ تھی؛ گویا وہ خواب دیکھ رہے تھے، جب کچھ سنبھلنے کے بعد یقین ہوا تو سو الاکھ آبادی کا پورا شہر مرد وعورت، جوان و بوڑھے سب مسجد کی طرف دیوانہ وار دوڑ پڑے، آنکھوں میں آنسو اور دل جذبات سے معمور، مسجد تنگ ہوگئی، میدان اور راستے بھر گئے؛ لیکن آہ! کمیونزم کے ڈنسے ہوئے ان لوگوں میں سے کسی کو نہ شہادتین کا علم تھا اور نہ ہی نماز پڑھنا جانتے تھے، نہ وضو جانتے تھے، نہ ہی غسل، جو جس حالت میں تھا حاضر ہوگیا اور شاید مفتی صبریؒ اور ان کی عمر کے چند معمر حضرات کے علاوہ سب نے نماز بھی جس کو جس طرح سمجھ آئی پڑھ لی۔

یہ تو اس ملک پر کمیونزم کے ظلم وستم کے چھائے ہوئے بادلوں کے کالے سایوں کا ایک آدھ نمونہ تھا؛ لیکن میں اس کے خاتمے کے دن پر پہنچ گیا؛ کیونکہ اختصار ملحوظ ہے اور حافظ صبری صاحبؒ کے بارے میں دوسری جگہ لکھنے کا موقع نہیں آئے گا؛ اس لیے ان سطور کو یہیں پر لکھنا ضروری بھی سمجھا۔

اسی دن جمعہ کے بعد حافظ صاحبؒ نے مسلم کمیونٹی کے احیاء کا اعلان کیا (اس کا مختصر تعارف آئندہ صفحات میں کروں گا، ان شاء اللہ!)

تنظیم مسلم ویلفیر کے ساتھیوں نے مفتیٔ البانیا حافظ صبری کوچی صاحب کو مئی 1999 میں برطانیہ کے مدارس ومساجد اور مراکزِ دینیہ کی زیارت کے لیے دعوت دی اور انھوں نے اس کو نہ صرف قبول کیا؛ بلکہ وہاں کئی مدارس ومساجد ومراکز میں خطاب بھی فرمایا۔

آپ بڑے جری اور بہادر تھے، 1991 میں آپ کے پاس قادیانیوں کا

ایک وفد آیا اور اپنے آپ کو مسلمان بتا کر برطانیہ کے سالانہ اجلاس میں شرکت کی دعوت دی؛ چونکہ احوالِ زمانہ نے آپ تک قادیانیت کے متعلق معلومات نہیں پہنچنے دی تھی؛ اس لیے آپ نے دعوت قبول کر لی اور برطانیہ پہنچے، جب خطبۂ استقبالیہ میں غلام قادیانی کا تذکرہ سنا تو آپ نے محسوس کر لیا کہ میں غلط جگہ آ گیا ہوں، چنانچہ اسٹیج سے اسی وقت اٹھ کر اعلان کیا کہ میں آپ جیسا مسلمان نہیں ہوں، میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکتا اور اسی وقت البانیا لوٹ آئے۔

مسلم ویلفیر نے آپ ہی کے تعاون سے ہم تینوں (راقم، مولانا مقصود و مولانا سراج) کو البانیا میں قیام کے لیے دعوت دی۔ 18 جون 2004 ڈیڑھ سال علیل رہ کر آپ نے اس دارِ فانی کو خیر باد کہا اور دارِ آخرت کی راہ لی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ رب العزت آپ کی مغفرت فرمائے اور اپنی شایانِ شان بدلہ عطا فرمائے، آمین۔

(۲) ہمارے ایک نوجوان طالبِ علم (امام) حسین ایک دیہات (LINAJ) کی مسجد میں 3 دن کی جماعت لیکر گئے، 2009 کی بات ہے، عام طور پر دیہاتوں میں امام صرف جمعہ پڑھانے جاتے ہیں، پھر پورا ہفتہ مسجد بند رہتی ہے؛ لیکن خلافِ توقع یہاں امام صاحب جو معمر بھی تھے نہ صرف پنج وقتہ اذان و نماز قائم کرتے تھے؛ بلکہ اذان سے قبل گھر گھر جا کر لوگوں کو نماز کے لیے ترغیب بھی دیتے تھے۔

بھائی حسین کہتے ہیں: میں حیران ہوا اور میں نے بالآخر پوچھ ہی لیا کہ چچا جان کیا وجہ ہے کہ آپ دوسرے ائمہ سے مختلف ہیں؟

انھوں نے بتلایا کہ: کمیونزم کے دور میں ایک مرتبہ ہمارے علاقے کا حکومتی

نمائندہ ہمارے گاؤں آیا اور سب لوگوں کو جمع کر کے سوال کیا کہ: کیا آپ کو کوئی شکایت ہے؛ تا کہ ہم اس کو دور کریں؟ 3 بار اس نے یہ سوال دہرایا اور کہا کہ: ہم چاہتے ہیں کہ آپ کی مشکلات حل کریں؛ لہٰذا کوئی شکایت ہو تو ضرور بتائیں۔

چنانچہ میں اپنے گھر سے BREAD لا کر بتایا کہ دیکھیے یہ کتنا سخت ہے، ہم اس کو کیسے چبائیں؟ یہ نہ میں کھا سکتا ہوں، نہ ہی میرا کتا اور روزانہ ہم بھوکے رہتے ہیں۔ اس نے کہا: بہت شکریہ! اور کسی کو شکایت ہے؟ لیکن کسی میں ہمت نہیں تھی، دوسرے دن رات کے اندھیرے میں پولس مجھے اپنے گھر سے لے گئی اور کہا کہ: تم نے حکومت کی روٹی کی ناشکری کی ہے اس کی پاداش میں 17 سال بامشقت قید کی سزا سنائی جاتی ہے۔ اس دن میں نے اپنے دل میں کہا:

یا اللہ! یہ BREAD میں نے اپنی محنت سے حاصل کردہ پیسوں سے خریدا ہے پھر بھی یہ کہتا ہے کہ حکومت کی روٹی کی ناشکری ہے، جبکہ یہ ہاتھ، پیر، خوب صورت آنکھیں، دل و دماغ، پورا جسم، اور بے شمار نعمتیں آپ نے مجھے مفت بلا مانگے عطا فرمائی ہیں اور میں انہی سے آپ کی نافرمانی بھی کرتا ہوں اور آپ مجھے کوئی سزا نہیں دیتے، آپ کتنے حلیم ہیں! پھر میں نے اللہ رب العزت سے وعدہ کیا کہ جس دن قید سے آزاد ہوں گا پھر کبھی نہ تو نماز چھوڑوں گا نہ ہی کوئی نافرمانی کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے الحمد اللہ! کمیونزم کا خاتمہ کر دیا، بس یہ میری چلت پھرت اسی وعدہ کی وفا ہے، اللہ مجھے مرتے دم تک اس پر ثابت رکھے، آمین۔

(۳) دعوت وتبلیغ کے سرگرم ساتھی اور ہمارے دوست ناصر (ROBERT

XHULI) اپنی کلاس کا واقعہ سناتے ہیں کہ: اسکول میں ایک مرتبہ ہاتھوں پر کھڑے ہونے کی ورزش کرائی جا رہی تھی، اس دوران ایک طالب علم جسم کا بوجھ برداشت نہ کر سکا اور کلاس کی دیوار سے اس کے پاؤں لگ گئے، جہاں پاؤں لگے وہاں دیوار پر کمیونزم کے DICTATOR انور ہوجا کی تصویر لٹکائی تھی، اسی غیر اختیاری اور غیر ارادی توہین پر اس نوجوان کو 8 سال کی بامشقت قید کی سزا ہوئی۔

اس طرح کے واقعات بے شمار اور ہر زبان پر جاری اور اس کے بھگتنے والے موجود ہیں، آپ ان واقعات سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کمیونزم ان کے لیے کتنی بڑی مصیبت تھی۔

دیہاتی کو تو گیہوں کی روٹی (BREAD) کھانے کی اجازت نہیں تھی، نہ وہ بغیر اجازت شہر جا سکتا تھا، ہر گھر کے لیے مہینے میں 5 لیٹر {KEROSENE}، ایک کلو گوشت اور ایک کلو شکر مقرر تھی، اس سے زائد خرید نہیں سکتا تھا۔ شادی و غمی کے موقع پر درخواست کرنے پر حکومت اپنی مرضی کے مطابق اجازت دیتی۔ اسی طرح ملک کے ہر باشندے پر خارجِ ملک سفر کرنے اور غیر ملکی زبان سیکھنے پر مکمل پابندی تھی اور غیر ملکیوں کو یہاں آنے سے قبل طویل تفتیش سے گزرنا پڑتا تھا، میں یہاں ایسے دو افراد کا ذکر کرتا ہوں جو اس دور میں یہاں آئے ہیں:

(ا) ڈاکٹر فقیر محمد جو 2003ء میں جماعت لے کر آئے تھے، ہماری ملاقات اور یہاں کے قیام سے بہت خوش ہوئے اور نوجوان دعوتی ساتھیوں کو دیکھ کر کئی مرتبہ آبدیدہ ہو گئے، ڈیوزبری مرکز کی شوریٰ کے رکن ہیں، انھوں نے بتایا کہ: 1978

میں وہ اوران کے 3 ساتھی بحری جہاز کے ذریعے یہاں آئے تھے،اس وقت ہم چاروں داڑھی نہیں رکھتے تھے، ٹائی کوٹ پہن کر آئے تھے، فضائلِ اعمال کو کوٹ کی جیب میں چھپا کرلائے تھے،ٹھنڈی کی بنا پر بڑا کوٹ تھا؛اس لیے پتہ نہ چلا، ہوٹل میں قیام کیا تھاتو کام کرنے والے سے سوال کیا کہ مسلمان ہو؟ تو اس نے کہا کہ: میں مسلمان تھا؛ لیکن اب تو دنیا سے مسلمان عیسائی ختم ہو گئے ہیں (مذہب ختم ہو گیا، سب کمیونسٹ ہو گئے ہیں) تو ہم نے اسے بتایا کہ ہم مسلمان ہیں اور پوری دنیا میں مسلمان موجود ہیں تو یہ سن کر وہ بہت خوش ہوا، پھر ہم نے اس کو کلمۂ شہادت پڑھایا اور پھر فضائلِ اعمال بتائی تو اس نے اس کو بوسہ دیا، یہ پورا عمل کافی احتیاط سے ہوا۔

ایک دن ہم موقع پا کر TIRANA شہر کی تاریخی مسجد میں جو میوزیم بنا دی گئی تھی ایک گوشہ میں نماز پڑھنے لگےتو 3-4 بندوق بردار سپاہی آ گئے اور چلاّ چلاّ کر ہمیں نماز توڑنے پر مجبور کیا اور کہا کہ: اگر تم اجنبی نہ ہوتے تو سخت سزا دیتے۔

(۲) اقبال بھائی آبووت: یہ سن 2009ء میں یہاں جماعت لے کر آئے تھے اور میری ان سے ملاقات ہوئی تو یہاں خدمت اور قیام کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا کہ: ہم یہاں 1984 میں چار ساتھی پر مشتمل جماعت لے کر آئے تھے اور ساتھ میں صرف قرآن لائے تھے، ہم نے مشورہ میں یہ طے کیا تھا کہ جب قرآن کے متعلق سے سوال کیا جائے تو ہم بتائیں گے کہ اس کتاب میں ہمارے باپ دادا کے قصے ہیں اور جب تک ہم ان کو پڑھ نہیں لیتے رات کو سوتے نہیں ہیں؛ اس لیے ہم اس کو ہمیشہ ساتھ رکھتے ہیں؛ لیکن امیگریشن کے موقع پر ہمارے COUNTERS مختلف

آئے اور دو دو کو الگ الگ سوالات کیے گئے، ان میں سے دو ساتھیوں نے حسبِ مشورہ جواب دیا، جبکہ دو ساتھیوں نے کہا کہ: یہ اللہ رب العزت کی کتاب ہے اور ہم بطور مسلمان اس کی تلاوت ضروری سمجھتے ہیں، چنانچہ ان دونوں سے قرآن لے لیا گیا اور کہا گیا کہ ہمارے ملک میں کسی دینی کتاب کو لیکر داخلے کی اجازت نہیں، جبکہ پہلے دو ساتھی قرآن ساتھ لے کر داخل ہوئے۔

ان واقعات سے آپ اس نظام کی سختیوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

میں یہاں مختصر موجودہ نظام ہائے جہاں بانی لکھتا ہوں؛ تاکہ کمیونزم کی بربریت کا اندازہ ہو۔ اولاً اسلامی نظام پھر جمہوریت اور پھر کمیونزم کا تذکرہ کرتا ہوں؛ لأن الاشیاء تعرف باضدادھا (حقائق کو ان کی ضد سے پہچانا جاتا ہے)

(۱) اسلامی نظام

نظامِ اسلامی انسانوں کو اس بات پر قائل کرتا ہے کہ اللہ رب العزت اس کائنات کا خالق اور مالک ہے، وہی معبودِ حقیقی ہے، چونکہ وہی کائنات کا مالک ہے؛ لہٰذا اس پر حکم بھی اسی کا چلنا چاہیے اور خلیفۂ وقت اس حکم کو نافذ کرنے کا ذمہ دار ہے، انسان مال کمانے اور خرچ کرنے میں، اپنی زندگی کو گزارنے میں، غرض زندگی کے ہر مرحلے میں حکمِ الٰہی کا پابند ہے، وہ آزاد نہیں ہے، جو مال وہ حلال راستے سے کمائے گا وہ عارضی طور پر اس کا مالک ہے اور اس میں بھی اللہ رب العزت کا حق ہے جو وہ کتاب اللہ، اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں اللہ کے بندوں کو ادا کرے گا، اس نظام کے تحت رہنے والے دیگر مذاہب کے لوگوں کو اپنے دین پر عمل کرنے کی آزادی ہے، وہ اس

میں رکاوٹ نہیں ڈالتا البتہ انہیں دینِ حقیقی قبول کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

(۲) جمہوریت

یہ نظام اس فکر کا نتیجہ ہے کہ ملک لوگوں کا ہے؛ اس لیے اس پر حکومت کا حق بھی انہیں کا ہے، لوگوں کی اکثریت جس کو منتخب کرے وہ ان کا سربراہ ہوگا، ہر انسان اپنے مذہب پر عمل کرنے میں آزاد ہے، اسی طرح مال کمانے اور خرچ کرنے میں آزاد ہے (اگرچہ نعرہ یہی ہے؛ لیکن اس میں بھی مختلف ٹیکس لگا کر لوگوں سے مال وصول کیا جاتا ہے) چناچہ آج کل امریکہ، برطانیہ، یورپی ممالک اور اکثر ایشیائی ممالک بشمول ہندوستان میں یہی نظام رائج ہے، اس کو سرمایہ دارانہ نظام بھی کہتے ہیں۔

(۳) اشتراکیت

یہ نظام اس فکر کا نتیجہ ہے کہ سب انسان برابر ہیں؛ لہٰذا سب کو مساوی زندگی گزارنے کا حق ہے، کوئی شخص کسی چیز کا مالک نہیں ہے، سب چیزیں ملک کی ملکیت ہے اور ہر ایک کو بقدرِ ضرورت مال تقسیم کیا جائے گا، باقی سب ملک کے خزانے میں جمع کیا جائے گا، ملک مخدوم اور سب لوگ اس کے خادم ہیں۔ سب کو ملک کی ترقی کے لیے کام کرنا ہے۔ وزیرِ اعظم اور دیگر سرکاری عہدے داروں کی تنخواہوں میں زیادہ فرق نہیں ہوگا، ملک کے سربراہ کو صدر یا وزیرِ اعظم جیسے القاب نہیں دئے جائیں گے (یہاں البانیا میں سب دوست کہہ کر پکارتے تھے)

اس نظام کو سوشلزم کہتے ہیں اور چونکہ اس کی بنیاد ہی برابری پر ہے اس لیے مذاہب کا وجود اس کے مزاج کے منافی ہے؛ اس لیے اس نظام کو اپنانے والے اکثر

مما لک ہے کہ تھیوری آف ڈارون (THEORY OF DARWIN) نے بطورِ فکر وعقیدہ کمیونزم کو اپنایا جس کی فکر اس کائنات وکرۂ ارضی کا کوئی خالق نہیں ہے، اس کا وجود قانون ارتقاء کا نتیجہ ہے؛ لہٰذا نہ دین وایمان ہے، نہ شریعت۔

آخر الذکر دونوں نظاموں کو بغور سمجھنے سے یہ بات صاف سمجھ میں آتی ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی بالکل ضد ہیں، پہلا اگر شخصی آزادی اور ملکیت کا کلی طور پر اعلان کرتا ہے تو دوسرا سرے سے ہی ملکیتِ شخصی کا منکر ہے، پھر کہاں گنجائش ہے کہ کوئی روپیہ جمع کرے اور کاروبار میں لگائے؛ لہٰذا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معیشت تباہ ہوجاتی ہے؛ اس لیے کہ انسان کو جو چیز اپنی انتہائی قوت و ذہانت کے ساتھ کام کرنے پر ابھارتی ہے وہ دراصل اس کا ذاتی مفاد ہے اور ملکیت کا شوق ہے، یہ فطرت اللہ رب العزت نے انسان کو ودیعت فرمائی ہے جس کو کوئی نظام ومنطق اس کے دل ودماغ سے نہیں نکال سکتی۔

یہ تو مزدور یا کام کرنے والے خادم کی حالت ہے، جہاں تک مخدوم (ملک) کا معاملہ ہے تو وہ مزدور سے زیادہ سے زیادہ اور سخت سے سخت کام لینے میں دلچسپی رکھتا ہے؛ تاکہ اس کی معیشت ترقی کرے جس کے نتیجہ میں فرد کی جانب سے سستی اور ملک (سربراہِ مملکت) کی جانب سے کام لینے کے لیے مختلف حربے استعمال کیے جاتے ہیں، وہ بالکل ایک مشین کی طرح فرد سے خدمت لیتا ہے، اس کے پاس نہ ہمدردی ہے، نہ قدر واعتراف۔

اس مختصر تشریح سے آپ کسی حد تک اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اشتراکیت میں ظلم

کس حد تک پہنچ سکتا ہے اور پورے ملک اور سوسائٹی کے افراد ظلم تلے کیسے پستے چلے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام وہ ممالک جن میں سوشلزم تھا وہاں ظلم کی جتنی شکلیں ہو سکتی ہیں مختلف طریقوں سے سب آزمائی گئیں۔

البانیا بھی انہیں میں سے ایک تھا، اور ظلم وجبر کی جب انتہا ہوگئی تو 17 مارچ 1991 میں یہ ظالم نظام ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سوگیا۔ وتلک الایام نداولھا بین الناس (اور یہ دن باری باری ہم بدلتے رہتے ہیں لوگوں کے درمیان) اور فان مع العسر یسرا (بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے)۔

یہ بات واضح رہے کہ ہماری آمد سے بہت قبل 1993 ہی سے مسلم ویلفیر نے البانیا میں اپنا تعلیمی اور رفاہی کام شروع کیا تھا، ان کا سب سے پہلا سفر اگست 1993 میں ہوا تھا جس میں مسلم ویلفیر کے تین اراکین: مولانا رفیق صاحب صوفی، مولانا حسن سیدات صاحب اور مولانا شفیق عبدالرحمن صاحب نے تین ہفتے قیام کر کے ملک کا جائزہ لیا، اس کے بعد مولانا رفیق صوفی صاحب نے اپنے اہل وعیال کے ساتھ آکر چار مہینے کے لیے قیام کیا، پھر ان کے بعد مولانا شفیق صاحب نے تین مہینے گزارے، وہ اس دوران مختلف دیہاتوں میں جاکر لوگوں کو تبلیغِ دین کرتے، دینی تعلیم سے آراستہ کرتے اور ساتھ ہی مالی تعاون بھی کرتے رہے جس کی بنا پر البسان، ترانا اور پوگرادیس کے اکثر مسلمانوں کی ان حضرات سے اچھی خاصی واقفیت ہوگئی تھی اور اسی وقت سے مختلف رفاہی پروجیکٹ جاری تھے؛ اس لیے ویلفیر یہاں غیر معروف نہیں تھی۔

نوٹ: البانیا کی تاریخ اور کمیونزم کے حالات کے سلسلہ کی جو معلومات ہے وہ البانین زبان کی تاریخ کی دو کتابوں سے لی گئی ہے:

1)ISLAMI NE SHQIPERI GJATE SHEKUJVE

2)100 HOXHALLARET SHQIPERI

مسلم ویلفیئر کے رفاہی کاموں کی تفصیلات

اب آئندہ صفحات میں مسلم ویلفیر کے رفاہی اور دینی پروجیکٹس کا مختصر تعارف پیش کیا جارہا ہے۔

(ا) قیامِ مکاتب: کمیونزم کے 50 سالہ دور میں یہاں سب کچھ ختم ہو چکا تھا، مکاتب و مدارس تو کیا مساجد تک کا تصور نہیں تھا؛ لہٰذا یہاں سب سے اہم کام مکاتب کے قیام کا تھا، ہماری آمد سے قبل ترانا کے کچھ دیہات اور البسان شہر اور اس کے کچھ دیہات اور پوگرادیس کے کچھ دیہات ہیں یہاں مقامی کچھ افراد کو مفتی غلام شبیر اور قاری شبیر فیصل آباد نے ایک چھوٹا سا دارالعلوم ELBASAN میں قائم کر کے امامت کورس پڑھا کر بطورِ مکتب مدرس مقرر کیا تھا۔

یہ سلسلہ ہماری آمد کے بعد مزید پھیلتا گیا اور اب ملک کے بیس اضلاع کے ساٹھ مقامات پر مکتب قائم ہیں جن سے ہر سال سینکڑوں بچے اور بچیاں شہادتین سے ابتدا کر کے دینِ حنیف سے واقف ہو کر اپنے گھر اور خاندان میں اللہ رب العزت کا دین پہنچانے کا کام کرتے ہیں، اب تک ہزاروں بچے بچیاں ان مکاتب سے مستفید ہو کر دینی زندگی گزارنے لگے ہیں اور اپنے گھروں اور خاندانوں کو دینِ حق کی روشنی

سے منور کر چکے ہیں۔

(۲) جیسے جیسے مکاتب کا کام پھیلتا جا رہا تھا اور ملک میں مختلف مقامات پر مساجد تعمیر ہوتی جا رہی تھی ایسے ایسے مکاتب کے لیے معلمین کی اور مساجد کے لیے ائمہ کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی تھی؛ چنانچہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے 2003ء نومبر میں (رمضان کے آخری عشرہ میں) تیرانا سے 2004 کلو میٹر دور LESKOVIC شہر مسلم ویلفیر کی تعمیر کردہ نئ مسجد میں ایک چھوٹے سے ادارے کا قیام عمل میں آیا، پھر یہ ادارہ منتقل ہو کر البسان ضلع کے ایک چھوٹے سے شہر BELSH کی ایک ویران مسجد کو آباد کر کے قائم کیا گیا، یہ واقعہ جولائی 2004ء کا ہے۔ طلبہ کی تعداد 10 تھی، طلبہ یہاں 3 سال قیام کے دوران ناظرہ سے ابتدا کر کے اخیر کے 4 پارے حفظ، دروس اللغۃ العربیہ کی 2 جلدیں عربی بول چال کی طرز پر اور الرحیق المختوم (نبیؐ کی سیرت) اور کچھ مختلف موضوعات پر دینی خطاب، فقہ میں طہارت سے لے کر نکاح تک کے مسائل اور تھوڑا بہت کمپیوٹر اور انگریزی سیکھ کر اس لائق ہو جاتے ہیں کہ وہ کسی مسجد کی امامت کرا سکے۔

اس نصاب کے لیے جو کتب درکار تھی وہ راقم الحروف نے مقامی ضرورت کو مدِنظر رکھتے ہوئے خود تیار کی تھی۔ 2015 کے اخیر میں میرے قیام تک اس ادارے سے مستفید ہونے والے طلبہ کی تعداد 200 سے زائد تھی، ان میں سے بہت سے مسلم ویلفیر کے مکاتب میں تعلیم اور مقامی مساجد میں امامت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ فی الحال اس ادارے کی ذمہ داری مولانا سراج صاحب چونا اُودے پوری

سنبھال رہے ہیں۔

(۳) دینی کام کو پھیلانے ہی کی فکر میں ارادہ یہ ہوا (کیونکہ ترانا ملک کا پایۂ تخت ہے اور ملک کی 1/3 آبادی (تقریباً 10 لاکھ) یہیں پر آباد ہے) کہ دارِارقم نامی ایک ادارہ بڑے مکتب کی شکل میں قائم کیا جائے، اس کی ابتداء 10 طلبہ سے ہوکر 2015 میں میرے قیام تک 300 طلبہ سے تجاوز کر چکی تھی۔

یہاں سے مستفید ہونے والے سبھی طلبہ اور طالبات یتیم ہیں۔ ان کو مسلم ویلفیر کی طرف سے ہر ماہ 25 پاؤنڈ وظیفہ دیا جاتا ہے۔ اور دورانِ سال مختلف مواقع پر ان کی دیگر ضروریات بھی پوری کی جاتی ہے۔

(۴) دارِارقم میں طلبہ کی تعداد کافی ہوچکی تھی اور جگہ تنگ محسوس ہونے لگی تھی لہٰذا پایۂ تخت تیرانا سے 10 کلومیٹر دور LAKNAS نامی قصبہ میں ریاض الجنۃ نامی ایک ادارہ کی تعمیر 2014 میں عمل میں آئی۔ اس قصبہ کے ایک طالب علم، معلم اور امام AMARILD DURRESI یہاں انتہائی حکمت سے جدو جہد اور کوشش کی جس کے نتیجہ میں آج سینکڑوں افراد اس قصبہ میں دینی زندگی گزار رہے ہیں۔

ریاض الجنۃ میں بھی طلبہ اور طالبات کی تعدار 200 سے متجاوز ہے۔ ان تمام اداروں کے مکمل اخراجات مسلم ویلفیر برداشت کرتی ہے۔

اس کے علاوہ دورانِ سال مختلف پروگرام کے ذریعہ لوگوں کا مالی تعاون کرنا مسلم ویلفیر کے اہم مقاصد میں شامل ہے۔ ان پروگراموں میں سے کچھ کا تذکرہ یہاں مختصراً کیا جاتا ہے:

(۱) قربانی پروجیکٹ

جیسا کہ معلوم ہے ملک میں شعائرِ اسلام مکمل طور پر مٹا دئے گئے تھے جن کے احیاء کی کوشش جاری ہے، ان میں سے ایک قربانی بھی ہے، مسلم ویلفیئر کے حضرات برطانیہ میں مختلف مساجد میں عیدالاضحیٰ سے قبل البانیا میں قربانی کی سنت کے احیاء کی ضرورت کا اعلان کرتے ہیں، قربانی کا گوشت ملک کے دور دراز علاقوں میں تقسیم کرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو جمع کر کے قربانی کی اہمیت بھی بیان کی جاتی ہے، جس کے نتیجہ میں اب ملک کے مختلف علاقوں میں البانین بھی قربانی کرنے لگے ہیں۔

(۲) افطاری پرجیکٹ

رمضان سے قبل روزہ کی فرضیت پر مختلف مساجد اور مکاتب میں لوگوں کو جمع کر کے روزہ کی اہمیت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ضرورت مند گھرانوں میں سینکڑوں افراد تک کھانے پینے کی ضروری اشیاء ان تک پہنچائی جاتی ہے۔

(۳) حج پروجیکٹ

دیگر شعائر کی طرح فریضۂ حج بھی لوگوں کی زندگیوں سے نکل چکا تھا، اس کے احیاء کی کوشش کے طور پر مسلم ویلفیئر نے غریب معمر افراد کو 2008ء سے کبھی 2 جوڑے، کبھی 4 جوڑوں کو حسبِ استطاعت فریضۂ حج سے مشرف ہونے کے لیے بھیجنا شروع کیا ہے۔ چند مرتبہ راقم الحروف کو بھی ALBANIAN حجاج کی رہنمائی کے لیے ان کے ساتھ جانے کا شرف حاصل ہوا۔

اس کے علاوہ ضرورت مند غریب مسلمانوں کے گھروں کی اصلاح یا اس کی تعمیر یا ایسے مسلمان جن کے پاس معاش کے اسباب نہیں ہیں ان کو اسباب مہیا کرنا یا ملک کے دور دراز علاقوں میں جہاں ہسپتالوں کے پاس علاج و معالجہ کے اسباب نہیں ہے یا حکومتی اسکولوں کے پاس تعلیم وتعلم کے اسباب نہیں ہے، یا شدید برف باری کے موسم میں افراد یا اداروں کے پاس حفاظت کے اسباب نہیں ہے ایسے مواقع پر مسلم ویلفئیر مذکورہ اداروں اور مستحق افراد کی بھی پور مدد کرتی ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی انفرادی اور اجتماعی مواقع ہیں جہاں مسلم ویلفیئر لوگوں کی مالی امداد کرتی ہے، ان تمام پروگرام اور پروجیکٹس کو 2003 سے 2015 تک البانیا میں راقم الحروف نے سنبھالا ہے؛ لہٰذا آخر میں میری درخواست ہے کہ قارئین میں جو صاحبِ مال ہیں وہ مسلم ویلفیئر کا دل کھول کر تعاون کریں۔

یہ چند صفحات ہیں جو جلد بازی میں لکھے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہماری خدمات کو قبول فرمائے، ملک البانیا، پورا بلقان اور پوری دنیا میں دینِ اسلام کی روشنی کو عام فرمائے اور جو حضرات، اور ادارے جس لائن سے بھی دینی خدمات انجام دے رہے ہیں ان کی مکمل حفاظت فرمائے، ان میں اتحاد، اتفاق اور مزید ترقی عطا فرمائے اور غیب سے ان کی مدد فرمائے، آمین یا رب العلمین۔

❁❁❁

شکریہ نامہ

از: مفتی محمد علی فلاحی دامت برکاتہم

خطیب: مسجد انیس الاسلام، واستاذ: جامعۃ العلم والھدیٰ، بلیک برن، یوکے

محترم جناب مولانا حنیف صاحب واراکین مسلم ویلفیر انسٹی ٹیوٹ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عافیتِ طرفین مطلوب ہے۔عرض ہے کہ 20 جون 2018ء کو مولانا حنیف صاحب کی قیادت میں بندہ نے مسلم ویلفیر انسٹی ٹیوٹ کے اراکین اور دیگر علمائے کرام اور مفتیانِ کرام کی مصاحبت میں بلقان کے چار ممالک: مقدونیا، البانیا، مونٹی نیگرو اور بوسنیا کا سفر کیا، ماشاءاللہ! پورے سفر میں حسنِ تقدیر کا مشاہدہ ہوتا رہا، وللہ الحمد علی ذلک۔

بلاشبہ یہ سفر چشم کشا بھی تھا اور کئی اعتبار سے زندگی کے لیے سبق آموز بھی تھا۔

تقریباً 40 افراد پر مشتمل یہ قافلہ مولانا حنیف صاحب کی قیادت میں جس انداز میں سفر کرتا رہا وہ واقعتاً قابلِ رشک ہے اور اس پورے قافلہ کو جس حسن وخوبی کے ساتھ مولانا حنیف صاحب نے اپنی قیادت میں سفر کروایا وہ قابلِ صد ستائش ہے۔ مختلف مقامات پر فوری طور پر صحیح فیصلہ لینا اور قافلہ کو رواں دواں رکھنا یہ ایک ایسا ملکہ ہے جس سے باری تعالیٰ نے مولانا حنیف صاحب کو نوازا ہے اور آپ کی اس صلاحیت کو دادِ تحسین دئے بغیر ہماری زبان خاموش نہیں رہ سکتی۔

ایں سعادت بزور بازو نیست	تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تقریباً 2 دہائیوں سے مسلسل سن رہا تھا کہ مسلم ویلفیر انسٹی ٹیوٹ البانیا میں دینی وملی خدمات انجام دے رہا ہے اور اس ملک میں جہاں اسلام کی روشنی مدھم پڑ چکی تھی اسے ازسرِ نو منور کرنے کی کوشش کرر ہا ہے۔

الحمد للہ! اس سفر کے دوران ان قابلِ رشک سرگرمیوں کو بچشمِ خود دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔مولانا مقصود صاحب، مولانا سراج صاحب اور دیگر معلمین و معلمات کی ماضی وحال کی خدمات اور مولانا نذیر صاحب کی ماضی کی خدمات کے احوال سن کر دل بہت مسرور ہوا۔

بلاشبہ مسلم ویلفیر انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے کی جانے والی یہ خدمات گراں قدر ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک ذخیرۂ آخرت ہے جس کو اراکین مسلم ویلفیر انسٹی ٹیوٹ اپنے لیے جمع کر رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ تمام حضرات کی مساعیٔ جمیلہ کو شرفِ قبول بخشے۔

بلقان کا یہ سفر شروع ہو کر ختم بھی ہو گیا؛لیکن اس تاریخی سفر کی یادیں تادمِ آخر ہم سفر بن کر رہے گی۔اس مبارک سفر نے میرے دل پر جو نقوش چھوڑے ہیں اس کی ترجمانی کسی شاعر نے کچھ اس طرح کی ہے:

آنکھوں میں بس کے دل میں سما کر چلے گئے	خوابیدہ زندگی تھی جگا کر چلے گئے

اخیر میں آپ تمام حضرات کا میں تہِ دل سے ممنون ومشکور ہوں کہ آپ حضرات نے مجھے بلقان کا یہ سفر کروا کر ان ملکوں کو دیکھنے کا موقع فراہم فرمایا۔اللہ تبارک تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ آپ تمام حضرات کو اجرِ جزیل نصیب فرمائے اور

اخلاص واستقامت کے ساتھ دینی وملی خدمات انجام دینے کی توفیق مرحمت فرمائے۔آمین۔

دعا ہے میری رب سے خوش رہو تم	ملے نہ کوئی غم جہاں بھی رہو تم
سمندر کی طرح دل ہے گہرا تمہارا	خوشیوں سے بھرا رہے دامن تمہارا

منجانب:

(مفتی) محمد علی فلاحی عفی عنہ

خطیب مسجد انیس الاسلام وخادم جامعۃ العلم والھدیٰ، بلیک برن، یوکے

۲۰؍شوال ۱۴۳۹ھ

۴؍جولائی ۲۰۱۸ء

❁❁❁